

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

urdukutabkhanapk.blogspot

عقلمند فقرہ گر گشت

مصنف
خان روشن خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یوسفؑ کی قوم کی سرگزشت

خشی قبائل اور غور یا خیل
یعنی

یوسفؑ زنی، گلیانی، ترکمانی، محمد زنی، داؤد زنی، مہمند
اور خلیل کے صدیوں پر پھیلے ہوئے عظیم الشان کارناموں
اور فتح مندوں کی حیرت انگیز، مفصل اور حقیقی سرگزشت
مصنف

خانہ سریش خانہ

ناشر
روشن خان اینڈ کمپنی

پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

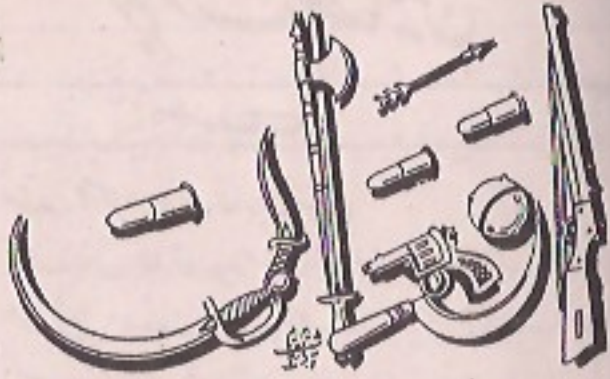
کتاب:
مُصنّف:
ناشر:

یوسف لئی قوم کی سرگزشت
خان روشن خان
روشن خان اینڈ کمپنی
پھول چوک - جو ناما رکیٹ - کراچی ۲
المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ) پاکستان چوک، کراچی
فروری ۱۹۸۶ء
دو ہزار
۱۲۰ روپے

مطبع:
اشاعت اول:
تعداد:
قیمت:

ملنے کا پتہ

روشن خان اینڈ کمپنی
پھول چوک - جو ناما رکیٹ - کراچی ۲



آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان دریں پیکر دل است
در فساد او فساد آسیا،
در کشاد او کشاد آسیا،
(اقبال)

دلایشیا خویو کا بھوت د آب و گل دے
پہنتون قام پہ دے کا بیوت کبھی نہ دل دے
دپہنتون فساد د ہول ایشیا فساد دے
کہ آباد وی دے نو ہول ایشیا آباد دے

ترجمہ

از عہد التوا ذاق کوثر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہا پوری	۱۳
۲	نظریہ اول، طارق بن یوسف	۱
۳	عرض مصطفیٰ، روشن خان	۳
۴	اہم مآخذ، روشن خان	۵
۵	ذاتی پختون حال، عبدالقہد آف نواں کلی	۸
۶	نظم، خواجہ مؤرخ و محقق متی زئی	۱۰
۷	باب (۱)	۱۱
۸	یوسف زئی قوم کی سرگزشت	۱۱
۹	کوہ قفص - ایک تاریخی نچہ	۱۲
۱۰	یوسف زئی اور گلگانیوں کی مخالفت	۲۲
۱۱	گلگانی قوم پر مرزا الیگ بیگ کی حیرت انگیز صفائی	۲۳
۱۲	یوسف زئیوں کی مرزا الیگ بیگ اور گلگانیوں سے جنگ	۲۶
۱۳	مرزا الیگ بیگ کا یوسف زئیوں کو قتل کے ارادے کے طلب کرنا	۳۰
۱۴	کابل میں مرزا الیگ بیگ کا جرگہ یوسف زئی کو باندھنا	۳۲
۱۵	شیخ عثمان اوساخیل علی زئی یوسف زئی کا مکاشفہ	۳۴
۱۶	باب (۲)	۴۵
۱۷	کلیانی میں رہنے والے دلاک سے جنگ	۴۵
۱۸	واقعہ کی طرف رجوع	۴۹
۱۹	دلاک اور یوسف زئی کی جنگ	۷۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کیلئے دلاک کا شکر جمع کرنا	۷۲
۲۱	دلاک کیساتھ صلح کر لینی غرض سے ملک احمد کا ملک محمد خان کے یہاں جانا	۷۳
۲۲	باب (۳)	۸۱
۲۳	یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور بابر بادشاہ کا	۸۱
۲۴	یوسف زئیوں کو فتح کرنے کی غرض سے آنا	۱۰۰
۲۵	باب (۴)	۱۲۵
۲۶	ملک دوآبہ میں گلگانیوں کی آمد، بابر بادشاہ کا کابل پٹنا ورنہ	۱۲۵
۲۷	دلاک کی ایک خاتون ستمناہ شاہ بوٹری کا واقعہ اور اسکی بہادری	۱۳۲
۲۸	باب (۵)	۱۴۰
۲۹	گلگانیوں اور دلاکوں کے درمیان جنگ	۱۴۰
۳۰	باب (۶)	۱۶۰
۳۱	شیخ علی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم نخی میں تقسیم کرنا	۱۶۰
۳۲	شیخ علی کا انتقال ملک احمد کا انتقال	۱۶۳
۳۳	خان گجوی سرداری کا آغاز اور غوریان خیل کی ان کیساتھ شکست	۱۶۷
۳۴	شیخ پیور کی جنگ	۱۷۰
۳۵	باب (۷)	۱۹۰
۳۶	یوسف زئی کا دریائے گندھ کی عبور کرنا اور غوریان خیل وغیرہ ان کی جنگ	۱۹۰
۳۷	یوسف زئیوں سے غوریان خیل کا شکست کھانا	۱۹۹
۳۸	ایک ضروری وضاحت خان گجوی کے ملک متصرف کا ذکر	۲۰۷
۳۹	شجرہ نسب قوم افغانہ غوریان خیل	۲۱۰
۴۰	شیخ باڑا (باروزئی) خیل	۲۱۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۷۳	مجاہدین	۶۲
۲۷۹	خادی خان و خان ہند	۶۳
۲۸۵	جنگ معیار یا ماہیار	۶۴
۲۸۸	انگریز کا دور اور ملک افغان	۶۵
۲۸۸	افغانستان پر انگریزوں کی یلغاریں	۶۶
۲۹۵	مکمل آزادی کی تحریکیں، افغانستان	۶۷
۲۹۹	یوسف زئی اور انگریز	۶۸
۳۱۱	عسرا خان جندولی	۶۹
۳۲۷	ریاست دیہہ	۷۰
۳۲۸	اخوند ایساں و شیخ آدم بنوری مشوانی	۷۱
۳۳۲	ریاست سوات	۷۲
۳۴۰	باب (۱۰)	۷۳
۳۴۰	یوسف زئی ہندوستان میں	۷۴
۳۴۵	بنگش ریاست، فرخ آباد	۷۵
۳۴۷	پنجاب کے علاقہ پیچھ میں یوسف زئی افغان	۷۶
۳۵۱	ضلع ہزارہ میں یوسف زئی اور ان کے تعلق دار	۷۷
۳۵۴	پنی اور کاکڑ (غرغشت)	۷۸
۳۵۶	تہین	۷۹
۳۵۶	سواتی، پٹان اور کشمیر	۸۰
۳۵۹	قومیت کے متعلق ایک اہم فیصلہ مشوانی	۸۱
۳۶۰	افغان اکابر و مشاہیر	۸۲
۳۶۱	بریس یا بڑیچ یا بریس	۸۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۱۲	داؤد زئی غوری یا خیل کا شیجرہ نسب	۴۱
۲۱۳	باب (۸)	۴۲
۲۱۳	خان گجو کے بعد کے حالات	۴۳
۲۱۴	مصری خان	۴۴
۲۱۸	یوسف زئیوں کا دوبارہ اتحاد	۴۵
۲۲۱	غازی خان	۴۶
۲۲۲	ملک کالو خان	۴۷
۲۲۹	عبد اکبری پر ایک نظر مغل فرمانروا شہنشاہ اکبر کی افغانوں کے ساتھ لڑائیاں	۴۸
۲۳۴	علاقہ پشاور یا گندھارا کا نقشہ	۴۹
۲۳۵	یوسف زئی اور تنگ	۵۰
۲۴۰	بہاکو خان یوسف زئی	۵۱
۲۴۳	اختلافات کا اصل سبب	۵۲
۲۴۴	داراشکوہ کا خط بہاکو خان کے نام	۵۳
۲۵۰	بہاکو خان کے بہترین رفقاء - اخون سالاک، اخون سبک	۵۴
۲۵۳	باب (۹)	۵۵
۲۵۳	بہاکو خان کی وفات کے بعد	۵۶
۲۵۷	نادر شاہ ایرانی	۵۷
۲۵۹	دور ابدالی	۵۸
۲۵۹	ابدالی حکومت کا زوال اور بارکزی کا آغاز	۵۹
۲۶۰	سکھوں کا دور اور سرداران پشاور	۶۰
۲۶۴	چار بیستہ زبان پشتو	۶۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۷۸	ترکمانی یا ترکمانی	۱۰۶
۳۸۰	قبیلہ کلکی زئی یا کلکانی پنجاب میں	۱۰۷
۳۸۳	محمد زئی	۱۰۸
۳۸۵	تپہ اشغفر	۱۰۹
۳۸۷	شجرہ نسب محمد زئی (اشغفر)	۱۱۰
۳۸۸	انساب اقوام افغانہ - جدِ علی قیس عبدالرشید کا شجرہ نسب	۱۱۱
۳۸۹	شجرہ ہائے نسب یوسف زئی	۱۱۲
۳۹۰	باب (۱۱)	۱۱۳
۳۹۰	یوسف زئی علم و ادب	۱۱۴
۳۹۰	یوسف زئیوں کے حرکات و سکنات پر ایک سرسری نظر	۱۱۵
۳۹۳	مساکن یوسف زئی بمطابق شجرہ ہائے نسب	۱۱۶
۳۹۵	قبیلہ یوسف زئی	۱۱۷
۳۹۶	اکون یوسف	۱۱۸
۳۹۶	بائی زئی	۱۱۹
۳۹۶	اباخیل	۱۲۰
۳۹۶	عزیز خیل	۱۲۱
۴۰۰	جنگی خیل	۱۲۲
۴۰۲	متوڑی زئی	۱۲۳
۴۰۲	موسلی خیل	۱۲۴
۴۰۳	تپہ ہابوزی	۱۲۵
۴۰۸	پیران تپہ ہابی زئی	۱۲۶
۴۰۹	ایک گزارش	۱۲۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۶۲	سرکانی تارن، مایار، اطراف	۸۴
۳۶۳	روانری، بوقیان، کھار یا کشار اور کبار	۸۵
۳۶۴	وجہ تسمیہ بوقی افغان	۸۶
۳۶۴	وردگ قبیلہ	۸۷
۳۶۵	طوغی یا توغی	۸۸
۳۶۵	اُردی یا اُردی	۸۹
۳۶۶	بے سود، رہو اور لغمانی قبائل	۹۰
۳۶۶	اقمان خیل	۹۱
۳۶۷	خوشگی پٹھان	۹۲
۳۶۸	کٹانی یا کٹانی	۹۳
۳۶۸	غلزئی اور لودی	۹۴
۳۶۹	مندوری یا ماندوری	۹۵
۳۶۹	مندہ اور کشار	۹۶
۳۶۹	تیراہی اور گمرانی	۹۷
۳۶۹	لونی یا لوانی	۹۸
۳۷۰	رودباری	۹۹
۳۷۰	سید اور میاں	۱۰۰
۳۷۱	سوات اور متراوی - ایک جائزہ	۱۰۱
۳۷۳	بنگالی خاندان سوات	۱۰۲
۳۷۴	شجرہ نسب گلگانی	۱۰۳
۳۷۵	غنی یا نخست یعنی خوشی قبائل	۱۰۴
۳۷۵	گلگانی	۱۰۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۲۸	مسکن حسن زئی	۱۵۱
۲۲۸	ملاخیل ساکن ریل بوڑیاں	۱۵۱
۲۲۹	ملی بن یوسف	۱۵۲
۲۳۰	چغہ زئی	۱۵۳
۲۳۰	مسکن چغہ زئی	۱۵۳
۲۳۱	دولت زئی	۱۵۵
۲۳۲	نوری زئی	۱۵۶
۲۳۳	ایسڈری زئی	۱۵۷
۲۳۴	ادریا بن یوسف	۱۵۸
۲۳۴	منوبن مندڑ یا مندڑ	۱۵۹
۲۳۴	کمال زئی	۱۶۰
۲۳۶	امان زئی	۱۶۱
۲۳۶	دولت زئی	۱۶۲
۲۳۷	اسماعیل زئی	۱۶۳
۲۳۸	اتان زئی	۱۶۴
۲۳۸	اکازی	۱۶۵
۲۳۹	کنازی	۱۶۶
۲۴۰	علی زئی	۱۶۷
۲۴۱	سدوزئی	۱۶۸
۲۴۱	جلوزئی	۱۶۹
۲۴۱	اباخیل	۱۷۰
۲۴۲	عہرخیل	۱۷۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۰۹	خواجہ زئی	۱۲۸
۲۰۹	ملی زئی	۱۲۹
۲۱۱	نصرت دین خیل	۱۳۰
۲۱۱	سلطان خیل	۱۳۱
۲۱۲	اوساخیل	۱۳۲
۲۱۳	سہ بجنی	۱۳۳
۲۱۴	شامی زئی	۱۳۴
۲۱۵	نیکی خیل	۱۳۵
۲۱۶	شمو زئی	۱۳۶
۲۱۶	ادین زئی	۱۳۷
۲۱۷	اباذئی	۱۳۸
۲۱۸	خادک زئی	۱۳۹
۲۱۹	دانی زئی	۱۴۰
۲۲۲	مولی بن یوسف	۱۴۱
۲۲۲	سالار زئی	۱۴۲
۲۲۳	عاش زئی	۱۴۳
۲۲۴	نسوزئی	۱۴۴
۲۲۴	گدائی زئی	۱۴۵
۲۲۶	عیسی بن یوسف	۱۴۶
۲۲۶	عیسی زئی	۱۴۷
۲۲۶	حسن زئی	۱۴۸
۲۲۶	منداخیل	۱۴۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۷۷	ابراہیم عطائی مصنف "د پختونستان مسئلہ"	۱۹۳
۴۷۹	غیر البیان تصنیف بایزید انصاری	۱۹۵
۴۸۲	اہم مولانا سر بلند خان صاحب نوال کلی	۱۹۶
۴۸۵	اخون درویش کی تصنیف "مخزن"	۱۹۷
۴۸۶	عبدالاکبر خان محمد زئی کی تصنیف "روحانیان و مغلو تارکیان"	۱۹۸
۴۸۹	سرفراز خان شنگ عقیاب	۱۹۹
۴۹۰	بایزید کی تصنیف "صراط التوحید"	۲۰۰
۴۹۳	تحریک روشنائی کا انجام	۲۰۱
۵۰۴	ماہل مطالعہ	۲۰۲
۵۱۱	یوسف زئی کی تحریک روشنائی میں دوبارہ شمولیت	۲۰۳
۵۱۲	الغرض	۲۰۴
۵۱۳	پٹھانوں کے اعمال	۲۰۵
۵۱۵	حرف آخر	۲۰۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۴۳	درویشی	۱۷۲
۴۴۴	ہندو ادب	۱۷۳
۴۴۵	میر احمد خیل	۱۷۴
۴۴۶	خدا خیل	۱۷۵
۴۵۰	رزق بن مندڑ	۱۷۶
۴۵۲	بابو جان مانی زئی، رزق مندڑ کا شجرہ نسب	۱۷۷
۴۵۳	ملک زئی	۱۷۸
۴۵۵	اکو خیل	۱۷۹
۴۵۶	خضر بن مندڑ	۱۸۰
۴۵۹	حمود بن مندڑ	۱۸۱
۴۵۹	ماموزئی	۱۸۲
۴۵۹	اکو خیل	۱۸۳
۴۵۹	بو با خیل	۱۸۴
۴۶۰	ماموزئی بو با خیل کے ایک نامور شخصیت اسوٹا باباجی	۱۸۵
۴۶۱	غانی خیل	۱۸۶
۴۶۳	تپہ رزق	۱۸۷
۴۶۴	نقشہ	۱۸۸
۴۶۶	شجرہ نسب بایزید انصاری	۱۸۹
۴۶۷	باب (۱۲)	۱۹۰
۴۶۷	تحریک احیائے قومی کا ایک اہم باب تحریک روشنائی	۱۹۱
۴۷۰	سید علی المعروف بہ پیر بابا صاحب برنیر	۱۹۲
۴۷۳	اخون درویش صاحب کا نسب و احوال	۱۹۳

غالباً اسی تشنگی کا احساس تھا کہ خان صاحب نے پٹھانوں کی ایک جامع تاریخ لکھنے کا عزم کیا۔ ان کے ذوق نے ان کی رہنمائی کی اور تذکرہ کے نام سے ۱۹۸۰ء میں پٹھانوں کی ایک جامع و مربوط تاریخ وجود میں آئی۔ اس کی جامعیت و افادیت کی کوئی اگر اس کی مقبولیت کو قرار دیا جائے تو اسے پٹھانوں کی تاریخ کی مقبول ترین کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔ چار سال میں چار ایڈیشنوں کی اشاعت اس کی مقبولیت پر بنا ہے جامعیت و افادیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اب یہ کتاب ایک بار پھر اگر نیا باب نہیں تو کم یا کم ضرور ہونگی ہے۔

تذکرہ کے بعد خان صاحب کے تین کتابچے شائع ہوئے۔ یہ کتابچے بھی پٹھانوں کی تاریخ کے ایک پہلو اور بعض شخصیات پر ہیں۔ پہلے کتابچے کا نام اور موضوع پٹھانوں کی نسلی تاریخ ہے۔ خان صاحب نے اس کتابچے میں نہایت تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ پٹھان سلاطین اسرائیل ہیں۔ اور ان کے ابو الہ آباد جن کے نام سے انھوں نے یہ نام (یعنی اسرائیل) پایا، حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام ہیں۔ خان صاحب نے اتنی ہی تحقیق کے ساتھ اس کے مخالف نظریات کی تردید بھی کی ہے۔ یہ کتابچہ بھی اہل ذوق میں بہت مقبول ہوا اور گزشتہ چار برس میں اس کے تین ایڈیشن اور سات ہزار نسخے نکل چکے ہیں ایک اور دلچسپ کتابچہ ”مکہ سوات کے نام سے ایک نیک دل، شریف اور اولوالعزم پٹھان خاتون کی داستان ہے۔ تیسرا کتابچہ ”بابائے قوم شیخ علی“ کے تعارف میں ہے اور اگست ۸۵ء میں ۲ ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر مقبول خواص و عوام ہوا۔

ان کے تاریخی کاموں کے سلسلے کی ایک کڑی ”یوسف ذی قہم کی سرگذشت“ ہے، جو اس وقت اگرچہ آخری ہے، لیکن خان صاحب کے پیش نظر منصوبہ اور اس کے کاموں کا سلسلہ اشوک و دراز ہے اس لیے اسے آخری نہیں کہلایا جاسکتا۔

تواریخ عالم میں تاریخ کا وہ در خاص امتیاز رکھتا ہے، جس کی تزئین و تہذیب مسلمانوں کے ذوق سیاست اور علم و تہذیب کی رہیں منت ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں پٹھانوں کی تاریخ اور پٹھانوں کے مختلف خاندانوں میں یوسف ذینوں کی تاریخ دنیا کی شاندار تاریخ ہے جس طرح نسل آدم میں پٹھان اپنی حیوانی، ذہنی، فکری صلاحیتوں اور اخلاق و سیرت کے خصائص

مقدمہ

خان صاحب سے پہلی مرتبہ اس وقت تعارف ہوا، جب تواریخ حافظ رحمت خانی کا پہلا اردو ایڈیشن چھپ رہا تھا، پھر قریب اس وقت ہوا جب وہ تواریخ کا دوسرا ایڈیشن مرتب و مزارعہ تھے اس کی ترتیب و مڈرین دیکھ کر میرے قلب پر خان صاحب کی معلومات اور نظر کی گہرائی کا اثر ہی نہیں ہو بلکہ پٹھانوں کی تاریخ اور اس کی اشاعت سے ان کے ذوق و ایثار کا اندازہ بھی ہوا میرے لیے یہ بات مزید حیرت کی تھی کہ تواریخ کے دو ایڈیشنوں کی اشاعت کے بعد ان کا ذوق اور جذبہ ایثار کم نہیں ہوا بلکہ ان سے فزول تر ہو گیا۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان کے ذوق کی تاریخ ”تواریخ حافظ رحمت خانی“ کے اردو ترجمے کی اشاعت سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے۔ تواریخ کے اصل مخطوطے کی اشاعت میں بھی ان کا ذوق و ایثار کارفرما تھا، اس کے اردو ترجمے کی تکمیل اور اس کی کل اشاعتیں ان ہی کے ذوق و ایثار اور ہمت کا نتیجہ ہیں۔ اصل ”تواریخ حافظ رحمت خانی“ نارسا و نیمزبورین پٹھانوں کی تاریخ، ان کے قبائل کی سیر و گردش اور نقل و حرکت کے باب میں بنیادی ماخذ ہے، لیکن یہ سیر و گردش پر مبنی ہوئی پٹھانوں کی تاریخ کا نہایت محمل تذکرہ ہے۔ خان صاحب نے اس کے اردو ترجمے پر حواشی تحریر فرما کر اس کے تمام تاریخی و سوانحی اشارات اور واقعات کے اجمال کو نہایت مفصل کر دیا ہے۔ لیکن حواشی کے تمام معلومات چوں کہ اصل تاریخ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں اس لیے ان کی حیثیت ایک مرتبہ اور محبوب تذکرے کی نہیں رہی تھی اور اصل مخطوطہ چوں کہ تاریخ کے وسط میں ایک ایسے مقام پر ختم ہو جاتا ہے، جہاں شائقین تاریخ اور اہل ذوق کی تشنگی ختم نہیں ہوتی، بلکہ کچھ بڑھ جاتی ہے۔

میں امتیاز رکھتے ہیں، اسی طرح پٹھانوں میں یوسف زئی، موزی، افغانہ، اور زبدہ قوم ہیں۔ یوسف زئی ایک شجر طیبہ ہیں۔ جس کی شاخیں ایشیا میں جنوب مغرب سے لے کر مشرق میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے جڑیں تاریخ کی صفحہ گہرائیوں تک پہنچی ہوئی اور مضبوط لکڑی ہوئی ہیں۔ برصغیر میں مغلوں کی آمد سے پہلے، مہمراں ان کے قدم بہاں تک پہنچ چکے تھے، بلکہ انھوں نے اپنی سیادت دریا ست کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ اگر ایک درخت کی خوبی یہ ہو کہ اس کا پھل کام دہن کو لذت فرماتا ہے، تو یوسف زئی کے مدبرین اور مردانِ حرنے اپنے نگر و تدبیر اور جہیز و جمل سے برصغیر پاک و ہند کی تعمیر و ترقی اور جنگ آزادی میں عظیم الشان حصہ لیا ہے اور ملک و قوم کی رہنمائی کی ہے۔

یوسف زئیوں کی سیر گذشت ان کی قومیت کے ابتدائی نقش سے شروع ہوتی ہے اور تاریخ کے مختلف اور ہزار ہا برس کے طویل سفر کے نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی برصغیر میں ۱۹۰۷ء میں آزادی کی جدوجہد کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اقتدار کو پہنچتی ہے۔ اور جس طرح ماہر سال کا سفر روز و شب کے اجالوں اور اندھیروں کا سفر ہوتا ہے۔ اسی طرح یوسف زئیوں کی قومی تاریخ کا یہ قافلہ مختلف نشیب و فراز اور شب و روز کے اندھیرے اجالوں سے گزر کر بیسیویں صدی کی دوپہر کی روشنی میں پھر نمایاں ہوا ہے۔

یوسف زئیوں کے حالات بہت سی تاریخوں میں موجود ہیں اور ان پر مستقل کتابیں بھی ہیں لیکن جن تفصیل اور ترتیب سے اس کتاب میں حالات پیش کیے گئے ہیں، اس کی مثال نہیں۔

یوسف زئی قوم کی اس سرگذشت میں ان کی مختلف شاخوں، خاندانوں، پورے برصغیر میں ان کی رہائشوں اور حکومتوں کی تاریخ، مختلف شہروں، قصبوں، تپوں، گاؤں میں ان کی آبادیوں کی تفصیل و تاریخ، ان کے ساتھ ان سے وابستہ غیر یوسف زئی قبیلوں اور خاندانوں، ان کے اکابر اور علما و مشائخ کے حالات بھی ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

یوسف زئیوں کی تاریخی عظمت، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں ان کے شاندار کردار، زندگی کے مختلف میدانوں میں ان کی عظیم الشان خدمات، ان کے خاندانوں کے پھیلاؤ، ان کی

ریاستوں کے قیام کی جدوجہد، ان کی سیرت کے خصائص، ان کی معاشرتی زندگی کے آداب و رسوم، قوم و ملک کے حفظ و دفاع میں ان کی بے نظیر قربانیاں، غیر یوسف زئیوں کو ان کی مصیبت میں پناہ دینے میں بشار، مخالفوں کے بڑے وقت میں ان کی امداد و دست گیری کی صفات اور معذرت اور طلبہ امداد کی صورت میں اپنے شدید دشمنوں کو بھی معاف کر دینے کی خوبی میں دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

میرا مطالعہ پٹھانوں کی تاریخ کا بہت زیادہ نہیں، لیکن اتنا کم بھی نہیں کہ میں ان کی انفرادی اور اجتماعی یا قومی سیرت اور اس کے خصائص کا اندازہ نہ کر سکوں۔ میرے مطالعے میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ یوسف زئیوں سے ان کے کسی دشمن اور مخالف نے عنو خواہی کی درخواست کی ہو، امداد چاہی ہو اور انھوں نے اس کے عنود و غرور کو قبول نہ کر لیا ہو اور امداد کے لیے پھیلے ہوئے ہاتھ میں اپنی امداد و تعاون کا مضبوط ہاتھ نہ دیا ہو اور دست گیری کے طالب کو اس کے بڑے وقت میں مایوس کیا ہو۔

میں ان کی تاریخ کے بے شمار واقعات چمکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ صرف خشک قبیلے کے ساتھ ان کے فراخ دلائی و وسیع پر غور کیجئے کہ دونوں میں کتنی شدید لڑائی تھی، لیکن خوشحال خان خشک گرفتار ہوئے، اور ان کے قبیلے کو مٹا دینے کے لیے جوں ہی مغلوں کے خطرناک عزائم کا علم ہوا اور یوسف زئیوں سے امداد کی خواہش کا اظہار کیا گیا، انھوں نے اپنے سارے اختلافات بھلا دیے انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن گئے اور وہ تمام تیر جو ان کے سینے پر چلائے گئے تھے، اپنے سینے پر روک لیے۔

یوسف زئیوں کی ایک اور خوبی، جو ان کی قومی خصوصیت ہے۔ وہ ان کا سادہ دلی اور پابندی کا ہے انھوں نے جب بھی کسی سے کوئی معاہدہ کیا اور پیمانہ دیا یا بذاتِ قلم سے آخر تک نبھایا، خود معاہدہ کو توڑنے کا تصور بھی نہ کیا، اپنی طرف سے فریق ثانی کو شکایت کا موقع نہ دیا، اپنا نقصان اٹھا کر، اپنی قوم کے افراد کو دبا کر رکھا اور جب تک دوسرے فریق نے ميثاق کی خود ہی دھجیاں نہ اڑا دیں اور اپنے قول و فعل سے اپنے ميثاق یا پیمانے کو ثابت نہ کر دیا، خود معاہدے کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کیا۔ لیکن جب فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ توڑ دیا گیا تو وہ ان

کی مدد پر گرفت سے بھی نہ بچ سکا۔

ان کی ایک اور قومی خصوصیت کو بھی نہیں بھلا جاسکتا اور جس پر مصریوں کی روایت اور ان کے تعامل نے اپنی مہر ثبت کر دی ہے، یہ ہے کہ جن غیر یوسف زئی نسلوں اور خاندانوں نے ان کی امان و حفاظت طلب کی اور ان کے ساتھ امن و جنگ کی حالت میں ان کے شریکِ رزم و یزم رہے، یوسف زئیوں نے انھیں اپنی ہی قوم کا حصہ سمجھا اور کوشش کی کہ انھیں رنج و تکلیف سے بچائیں، جنگ و جدل میں انھیں الگ رکھیں، سرکرہ قتال میں انھیں اپنے پیچھے رکھیں، لیکن مالی نعمت اور فوائد میں انھیں برابر کا حصہ دیں اور آرام و راحت میں انھیں ضرور شریک رکھیں۔ تاریخ کی اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ بندوبست و تقسیم اراضی کے وقت بابائے قوم شیخ علی نے اپنے معادن اور زیرِ حفاظت غیر یوسف زئی خاندانوں کو بھی ان کی ضرورت کے مطابق زمین میں برابر کا حصہ دیا۔

مغلوں نے انھیں جھکانے، توڑنے اور منہ ہستی سے مٹا دینے کی ہمت کوشش کی۔ اور تیمور و بابر سے لے کر اورنگ زیب تک ان پر اتنی یلغاریں کی گئیں کہ تاریخ کو بھی ان کی تعداد یاد نہیں مغلوں کے بعد بھی کوئی دور ایسا نہیں آیا جس میں ان کے وجود و جمعیت کو نشانہِ ستم نہ بنایا گیا ہو لیکن دنیا کی کوئی طاقت اور دشمن کا کوئی حربہ کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اگر انھیں کبھی نقصان پہنچا ہے اور آج بھی ان کے لیے کوئی خطرہ ہے تو وہ ان کا اپنا اندرونی اختلاف اور نا اتفاقی ہے۔

ملک کی آزادی کی جدوجہد میں انگریزوں کے خلاف جنگ اور ان کے مقابلے میں ایثارِ جان و مال کے لحاظ سے پورے برصغیر میں اگر کسی ایک قوم کا انتخاب مقصود ہو اور اس سے یہ خواہ کتنا ہی کڑا معیار مقرر کیا جائے تو پٹھان اس معیار پر پورے اتریں گے اور ان میں بھی یوسف زئیوں کے ایثارِ جان و مال کا پیمانہ سب سے بلند نظر آئے گا۔

آزادی کی جنگ پورے برصغیر میں لڑی گئی، اس میں بہ قدرِ ذوق و استطاعت سب نے حصہ لیا۔ اس جنگ کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ہماری تاریخ کا قابلِ قدر سرمایہ ہے، لیکن یہ کسی عجیب بات ہے کہ بنگال میں سرانجامِ الدولہ، دکن میں شیوہ اور شمالی ہند میں حافظ

رحمت خان کی شکست نے پورے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ استعمار کے رستے میں ان تین شخصیتوں کے ہٹ جانے کے بعد پورے برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قہروں کو روکنے والی کوئی قوت نہ تھی۔ سندھ میں بلاشبہ ان کے عزائم کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی لیکن ایک ہی سرے نے اس کی نعمت کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس طرح گنتی کے چند معرکوں نے لاکھوں مربع میل کا علاقہ انگریزوں کے زیرِ نگیں کر دیا۔ انگریزوں کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا اور برٹش استعمار کا جھنڈا مجاہدِ یوہ آزادی کے عزائم پر قہقہے لگا رہا تھا۔ لیکن اسی سرزمین میں ایک ایسا علاقہ بھی تھا جہاں برطانوی استعماری عزائم کا سرِ پیرِ غرور خم ہوا تھا، جہاں استعماری معاہدہ ہاں کے باشندوں کے پختہ عزائم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ پٹھانوں کی غیر ستمی سرزمین تھی۔ اس سرزمین کا چپہ چپہ پٹھانوں، خصوصاً یوسف زئی شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہے۔ اس جنگ میں یوسف زئیوں کے محض چند مدبر اور کچھ اولیاءِ مومن فوجان ہی شامل نہ تھے بلکہ تمام سرانجامی یوسف زئی اس میں شامل تھے۔ یہ جنگ یوسف زئی فوجانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں، مردوں، سب نے لڑی تھی۔ علاقہ یوسف زئی کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ یہ جنگ ایک ایک دوسرے پر، ہر ایک وادی میں اور ہر پہاڑ کی چوٹی پر لڑی گئی اس کے باوجود پٹھانوں کے بے پناہ جذبہِ قربت اور عزائم کی پختگی کو نہ تو انگریز کی آہنی قوت شکست دے سکی اور نہ اس کی ڈپلومیسی مات دے سکی۔ پٹھانوں کی یہ مقاومت کوئی چند روز یا مہینوں کی داستان نہیں بلکہ سو سال سے زائد کے عرصے پر محیط ہے۔

انگریزوں نے انھیں ان کی اس حریت پسندی کی سخت سزا بھی دی۔ پٹھانوں کو شکست کے اعتراف پر مجبور کرنے کے لیے انھیں اصلاحات سے محروم رکھا گیا۔ پٹھانوں کو ان کے قومی خصائص سے دور کرنے کے لیے ان کی سرزمین کو بے نام و نشان رکھا گیا۔ آج اس کا قرار واقعی اندازہ کون کر سکتا ہے کہ انگریزوں نے ان کے قحط کو بے نام و نشان رکھ کر پٹھانوں کے تشخص کو کیسا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

ادھر کی سطروں میں پٹھان خصوصاً سرانجامی یوسف زئی کے جن قومی تاریخی اور تہذیبی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ کتاب نہ صرف ان کی آئینہ دار ہے بلکہ اس کی خوبیاں اس

سے بہت زیادہ ہیں جن کا اندازہ صرف مطالعے ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں پٹھانوں کی ایک خوبی کی طرف تاملین کرام کو مزید توجہ دلاؤں گا۔ فاضل معتمد خان روشن خان نے جایکا اشارے کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین۔ نہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کس طرح پٹھانوں کے مذہبی جذبات کو استعمال کیا اور اس حربے سے ان کے اتحاد و جمعیت کو کیا نقصان پہنچایا۔ پٹھان مذہب کے معاملے میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں اور بدقسمتی سے ان کے اسی جذبے کی آڑ میں انھیں نقصان پہنچایا گیا۔ محمود غزنوی نے انھیں کمزور کرنے کے لیے نئی طرح مذہبی جذبات سے کام لیا اس کی تفصیل مذکورہ میں آچکی ہے۔ بلوچستان کے سرداروں کی تحریک اچانے قومی کو مذہب کے نام پر جس طرح سبوتاژ کیا گیا، خان صاحب نے اسی کتاب کے ایک معقل باب میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے خلاف مذہبی جذبات کو جس طرح برا بھلا کیا گیا، اس پر بھی بنیاد نگران اشارے اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، ان میں انتشار پیدا ہوا، وہ افراد تفریق کا شکار ہوئے اور ان کی متحدہ قومی واجتماعی قوت پارہ پارہ ہو گئی۔ مجھے امید ہے کہ خان صاحب کی کتابوں، خصوصاً یوسف زئی قوم کی سرگزشت کے مطالعے سے، پٹھانوں میں قومی شعور بچنے ہوگا اور یہ احساس ضرور پیدا ہوگا کہ وہ آئندہ اس قسم کے حالات میں مذہب کے نام پر مشتعل ہو کر اپنے ہی اتحاد و جمعیت کو نقصان نہ پہنچائیں گے اور غور و فکر سے کام لے کر ٹھوکر کھانے سے بچ جائیں گے۔

ڈاکٹر ابوالسلطان شاہجہاں پوری

۱۹۸۶ء

نظر اراول

خان روشن خان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ ایک تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پختون قوم کی تاریخ کا جس قدر خزانہ ان کے پاس ہے، اس دور میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو۔ اس لحاظ سے خان صاحب کو پختون قوم کا انسائیکلو پیڈیا ENCYCLOPEDIA کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم اور ساری قوم خان صاحب پر فخر کرتی ہے۔ ان کی عظمت، علم دوستی اور تاریخ نواری سے پٹھانوں کی کئی تاریخیں مرتب ہوئیں۔

بابائے صحافت سرمد اللہ بخش یوسفی (مرحوم) کی تصنیف یوسف زئی پٹھان اور سلسلہ تاریخ آزاد پٹھان جلد اول، دوم، سوم اور تاریخ حافظ رحمت خانی پشتو اکائیڈمی نے خان صاحب کے تعاون سے شائع کی اور اب ایک نئی کتاب "یوسف زئی قوم کی سرگزشت" پیش خدمت کر رہے ہیں۔ یہ کتاب مجموعی طور پر یوسف زئی قوم کی تاریخ ہے۔ اس میں بیشتر پہلو ایسے ہیں جو آج کی کبھی ہوئی کئی معروف اور اہم کتابوں میں بھی موجود نہیں۔

خان صاحب تحقیق اور معلومات کیلئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ خاص طور سے سرحد کے آثار قدیمہ پختون قوم کی تاریخ اور شہروں پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ ہر چیز کا کھوج لگاتے ہیں اور کڑی سے کڑی ملا کر ایک مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ ملی پٹھانوں کے عظیم

پیر و گزرے ہیں۔ خان روشن خان نے شیخ ملی پر بڑی تحقیق کی ہے اور ان کی قبر تلاش کرنے میں بڑی محنت اور خاصا وقت صرف کیا یہ تحقیقی مقالہ، تاریخ کے طلبہ، اساتذہ اور ستیا حوں کیلئے مددگار ثابت ہوگا اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

یہ ایک اعلیٰ درجے کا تاریخی شاہکار ہے جس سے مستقل استفادہ کیا جاتا ہے گا۔ اس سے اردو کے تاریخی ادب میں ایک اعلیٰ سطح کے علمی تصنیف کا اضافہ ہوا ہے۔

خان روشن خان صاحب کے کارنامے پختون قوم کے لئے مشعل راہ

ہیں۔

طارق بن یوسفی

مدیر اعزاز میاں سید محمد کراچی

عرض مصنف

ایک عرصہ سے مجھے پٹھانوں کی تاریخ و ثقافت سے نہ صرف پس رہی ہے بلکہ ان کے مختلف قبائل و عشائر کی تاریخ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے تحقیق کر کے وقتاً فوقتاً شائع بھی کیا ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ میری ان تحقیقات و انکشافات کے لشرو اشاعت کو علمی اداروں، دانشوروں اور مؤرخوں نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور میری تصانیف کو خوب سراہا۔

میرے دل میں ایک آرزو تھی کہ قبیلہ یوسفزئی سے متعلق تمام ضروری معلومات کو بھی فراہم کر کے اسی انداز سے زیر بحث لایا جائے تاکہ دور حاضر کے اس قبیلہ کی نئی نسل کو اپنے آپ کے پہچاننے اور اپنے اسلاف کی زندگیوں کے مختلف شعبوں، اخلاقیات، سیاسیات، نفسیات، اجتماعیات اور نقل و حرکت وغیرہ کی صحیح روش کو جاننے میں جو جو مشکلات درپیش ہیں ان کا حل الگ الگ ایک جامع کتاب کی شکل میں سامنے آئے تاکہ جو غلط بیانیوں و وقتاً فوقتاً بعض مؤرخین نے اپنی اپنی تالیف میں اس قوم کے متعلق کی ہیں اور نئی نسل کو غلط فہمیوں میں مبتلا کیا ہوا ہے اس کی تلافی ہو سکے کیونکہ صحافت ہی خیالات کو اُٹھنے پھٹنے کا سب سے مؤثر ہتھیار ہوتا ہے

الحمد للہ کہ میری گذشتہ تصنیفات "تذکرہ" افغانوں کی نسلی تاریخ اور "مکہ سوات" جب شائع ہوئیں تو قارئین خصوصاً قبیلہ یوسف زئی نے انہیں بہت مفید اور حوصلہ افزا پایا اور اپنے جذبات کو بے شمار خطوط میں ظاہر کیا جس سے میری اس آرزو کو تقویت ملی۔ یہ بات بہت ہی حوصلہ افزا ہے کہ پڑھے لکھے طبقے کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ ہر قوم نئی نسل پر زندہ رہتی ہے۔ ان واقعات نے مجھے یوسف زئی قوم کی تاریخ کے موضوع پر ایک کتاب لکھنے کی ہمت دلائی۔ جس طرح تاریخ عالم میں افغانوں کی تاریخ کا اہم حصہ ہے اسی طرح یوسف زئی قوم کی سرگزشت تاریخ افغانان کا اہم حصہ ہے یوسف زئی قوم نے ہر دور میں کارنامے نمایاں انجام دیئے ہیں انہوں نے عظیم الشان علمی، ادبی، مذہبی، تاریخی، سیاسی خدمات انجام دی ہیں ان پر تاریخ کے نقشبند و فرزانے مختلف دگرگزیں ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی سرگزشت ان کی عظمت اور عظمت کی بنا پر ہے۔ اس موضوع پر پہلی کتاب نہیں بعض دوسرے اہل قلم کی تصانیف بھی ہیں ان کا مطالعہ بھی افادیت سمجالی نہیں لیکن ہر تصنیف اپنے عہد کے تقاضوں کی مطابقت ہوتی ہے۔ اب جبکہ پچھلے تیس برس میں حالات میں بڑی تبدیلی آگئی ہے اور اپنے خاص ذہن و فکر کیساتھ ایک نئی نسل میدان عمل میں آگئی ہے ضرورت تھی کہ اس کیلئے اس کے حالات اور موجودہ دور کے تقاضوں کی مطابقت تاریخ بھی نئی قریب کیا جائے۔ ایک نئی کتاب کی تالیف کی ضرورت اسلئے بھی ہوتی ہے کہ ہر مصنف کا اپنا اسلوب اور تالیف کا اپنا انداز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی بھی موضوع پر ایک شخص ایک شکل کے تمام افراد اور ذہن و فکر کی تمام نظموں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ اسلئے اس موضوع پر لکھنے والے تمام مصنفوں کو اہل احترام کیساتھ میں اپنی اس نئی تصنیف کو پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب کی نویسی کے بارے میں میرے کچھ کہنا مناسب نہیں، اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے البتہ یہی بات ضرور کہوں گا کہ یوسف زئی قوم کی سرگزشت کی اہمیت مرآت ہی نہیں کہ اس کی پیدائش کی پیدائش کی عام معلومات کو تر کو دیا ہے بلکہ اس کی اہمیت اس کے پہلو پر بھی نظر دینی چاہیے کہ ہمیں چند اہم مآخذ سے استفادہ کے بعد بعض اہم تاریخی غلط فہمیوں کو دور اور شبہات اٹھا کر اس کی تصحیح کی گئی ہے اور بعض اہم تاریخی حقائق کی پہلی باقاعدہ تصدیق کی گئی ہے۔

دوستوں خانہ محمد زمان نوانکلی صوابی، مردان پشاور

اہم مآخذ

- (۱) "تذبیۃ الغافلین" زبان فارسی قلمی تصنیف خیریت خان ولد چچو خان افغان۔
- (۲) "سعدت نامہ افغانی" تصنیف سعادت خان ولد ہدایت اللہ خان مطبوعہ مطبعہ مطابین شمشاد جس پر یہ نوٹ درج ہے۔

"کتاب لہذا پشاور جیل کے چھاپہ خانہ میں میر اکبر داروغہ کے زیر انتظام مشر بنری بکٹ قائم مقام انسپکٹر مدارس صوبہ سرحد کی ہدایت پر چھاپی گئی لیکن خدا بہتر جانتا ہے کہ مسودہ کتنے عرصہ سے کسی کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ سعادت اللہ خان ولد ہدایت اللہ خان نے لکھی ہے مگر ان کی سکونت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ ایک مدرس سید محمد علی موضع سفید ڈھیری (سپینہ ڈری) نہپہ خلیل ضلع پشاور نے اس پر حسب ذیل مختصر تبصرہ کیا ہے:-

"کتابت کے لحاظ سے یہ کتاب محاورے کے موافق ہے۔ ممکن ہے اس کا مسودہ تپہ خلیل میں تیار ہوا ہو۔"

- (۳) "تذکرہ اکبر زبان پشتو" نظم تصنیف اکبر بکتے ہیں کہ اس کی قبر موضع دو آبہ ملہ منخل خیل تحصیل چارسدہ میں ہے۔

(۴) "تاریخ افغانہ جو آب" تاریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے مشہور ہے۔ تصنیف خواجہ متی زئی خلیل جو افغانوں کے اولین محقق و مؤرخ ہیں اور شیخ میرداد متی زئی خلیل کے نسل سے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی تصنیف کے صفحہ ۳ پر خود لکھتے ہیں:-

"قطب الزمان جدی شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی نور اللہ مرقدہ"

میردادنی نامی ایک انگریز محقق اور مؤرخ تواریخ حافظ رحمت خانی کی متعلق لکھتے ہیں کہ:-

No 20

“The Tarikh -1-Hafiz Rahmat Khani”

This is a copy of a very unique and rare work, containing an account of the movements of the Yusufzais and other tribes of Pashtunah. I know but of one copy.

(Sd/-) H.W. Rovery, Captain.
3rd Regt. Bombay N.I.

Peshawar. 1862.

P.S. During my forty years researches I have never been able to discover but one copy of this work, viz that from which this is taken. I have translated it and it will be included in my History of the afghans, on which I have been at work for many years past.

(Sd/-) H.W. Rovery, Major.
Bombay Army (Retired)

Milverton, Somerset,
January, 1881.

اس کے علاوہ عبدالحی جیسی لکھتے ہیں کہ:-
”تاریخ قبائلی خشی و فتوحات انہما در وادی ہائے دریائے کابل از خواجہ موسی زئی (غلیل) ۱۱۰۰ (بحوالہ طبقات ناصری جلد دوم از منہاج سرلج تعلیقات عبدالحی جیسی مشتم) پر معظم شاہ ولیدیر محمد فاضل موضع پیرسباک تعلقہ شہر پشاور لکھتے ہیں کہ:- ”حافظ رحمت خان مختلف فنون کی کتابوں اور ہر قسم کے نسخوں کے مطالعہ کی پوری الفت اور بدرجہ اتم رغبت رکھتے ہیں۔ اتفاقاً ایک دن ایک کتاب ”تواریخ افغانہ“ کا مسودہ جو نخعی اور غوری اقوام کے حالات پر مشتمل اور فارسی آمیز پنجتو میں بیشتر یوسف زئی کے حالات کا حامل تھا۔ سرکار فیض آثار تواب بہادر خان قوم افغان کے خان غوری خیل خصوصاً داؤد زئی کے خان مرحوم کے کتب خانہ خاص شہر شاہجہا پور سے پہنچ گیا اور حافظ رحمت خان کی نظر سے گزرا چونکہ حافظ رحمت خان اپنے وقت کے محقق منفرد ہیں۔ اس لئے انہوں نے جب اس مسودے میں بعض واقعات نادرہ اور حکایات عجیبہ کو دیکھا تو انہیں یہ مسودہ بہت پسند آیا۔ مگر چونکہ مسودے کے مصنف سے عبارت کی خامیاں رہ گئی تھیں چنانچہ مجھے فرمایا کہ اگر یہ کتاب اس طریقے سے مرتب ہو جائے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں جلدی آجائے اور مقصد بھی فوت نہ ہو تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ چنانچہ اس امر کے مطابق اس کتاب کا اس طرح اختصار کیا گیا کہ عبارت کم از کم گئی لیکن عبارت کے معنی اور اس کی جامعیت پر اس کا اثر نہیں پڑنے دیا گیا۔ اس طرح کم سے کم الفاظ میں زیادہ معنی سمیٹ آئے ہیں۔ اب اسے ”تواریخ حافظ رحمت خانی“ کے نام موسوم کیا جاتا ہے۔“ (پر معظم شاہ مندرجہ بالا مذکورہ مآخذ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان جملہ مصنفین کی تحقیق و تحریر قریب قریب ایک ہی زمانے کی ہے اور بیانات میں بھی کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کتاب ہذا ”یوسف زئی قوم کی سرگزشت“ کی تیاری پر میں نے کئی اور اہم تواریخ کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

پہ تاربخ د روشنی خان کبہ مستوری
 پُستخانہ تیر شوے ہوئے پہ وقار دی
 دہناغلی روشنی خان تاربخ پہ چہتو!
 پہ چہیٹرو باندے پاخہ بیکل پکار دی!
 د سائل عبد الصمد سادہ پُستوتہ
 پُستخانہ ولور چا پیرہ پہ قطاردی
 (عبدالصمد)

اظہارِ خواہش — ایک درد مند گریہ آمیز شاعر کی زبانی
 سے ہے میری جبرأت اصل اب بھی یہی
 دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی
 جہ میں اُترا تھا ہمارا کاروان!
 اب بھی ممکن ہے کہ خالی ہو مکاں!



میری افسردگی حد سے بڑھی ہے
 چمن زاروں میں گل مڑھانہ جائے
 جگر کو تھم تو رکھا ہے لیکن
 میری آنکھوں میں آنسو آتے جاتے

از
 عبد الصمد صاحب
 موضوع نواں کلی تپہ
 دوزخ تحصیل صواب

داؤسنی پُستون حال

پُستخانہ د نام و ننگہ پہ قرار دی
 حُک کہتے د قومونو پہ دوئی بار دی
 چہ بہ لے مخ نیو د تورے ہو گزار تہ
 نن ہفہ پُستخانہ قبر کبہ عصار دی
 پہ سرو وینو باندے دوئی کھیلے خاورے
 ہفہ خاورے نن پہ لاسود اغیار دی
 زمانہ لعنت پہ ہفہ پُستون وایف
 د بنمنان چہ ددہ خاورے کبہ واکدار دی
 پُستونو دپا جا کپیر منیلے نہ دے
 کہ مہر شوی شوک پہ تورہ یا پہ دار دی
 اتفاق چہ دپُستون وو کورنی کبہ
 دوئی تیر شوے ہمیشہ پہ اقتدار دی
 اتفاق دپُستونو د کورہ لاپہ !!!
 حُک کہتے دوئی نن پہ ملکونو تار پہ تار دی
 د کابل د ہفہ پاکے خاورے زار شم
 چہ لے کانری شے زر راتہ پہ شمار دی
 ہفہ سترکے وچیدے نہ شی د نہ
 چہ لیدے لے ددے خلقو یاد کار دی

نظم نوابو

افغانوں کے اولین محقق و مؤرخ حضرت نواب جومتی زئی کی ایک تاریخی نظم

خدا تر خدائے شمس پہ دا ہے قدرتوںہ
چہ آدم نخواستہ و تاہالہ کینل قلمونہ
قدرتوںہ د بنکارہ کرہ !
تا پیدا کرہ اوو زیک آسمانونہ
دغہ زیک قرار نہ کرہ !!
تا پر کیخول درانہ درانہ لوئے غرونہ
تودے غرونو پیر درانہ دی !
معتبر د دین مرونہ !
د مرونو خائے دے جور کرہ !
د سور غار ، تنجہ خوتہ !
ہنہ خائے لڑ بہ ورشوا !!
چہ نہ لار لری نہ ورونہ
یوہ درخ بہ پکین بند شو
ترقیامت بہ پکین یونہ !
لرغونی سری پوہتی
د یوسف زو و و کوم ملکونہ
ملک لے نیشکے ، مینہ لے کار کے !
غوریا خیل کہ تراوسہ پیخورونہ
غوریا خیلہ پیغور مہ کرہ !!
تہ او خینے یے سرہ روئہ !
خینے ستا لہ لاسہ داغے !!
ہالہ تہ زور آور وے پہ مرونہ

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۱)

اقوام نخی یا خشی (یعنی فاشی یا خشی قبائل) اور غوریا خیل خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرہ اور ان کے توابع کے اصلی اوطان، وہاں سے اُن کے نقل مکانی کرنے کے سبب، مضافات دارالسلطنت کابل آنے، میرزا الخ بیگ شاہزادہ کی یوسف زئی کے ساتھ مخالفت اس کے ہاتھوں یوسف زئی کے سرداروں کے قتل اور ان کے کابل سے پشاور اور اس کے مضافات کی طرف آمد کے بیان میں جہاں وہ اب متوطن ہیں۔



اکثر محققین اور اہل علم کہتے ہیں کہ قوم پختون جن میں یوسفزئی کے آباء و اجداد بھی شامل ہیں۔ شام کے علاقہ موآب شرقی اردن میں آباد تھے۔ جو بعد میں ان کی سکونت کیوجہ سے یہ علاقہ بنی پخت موآب کے نام سے مشہور ہوا۔ اشوریوں اور بابلیوں کے ہاتھوں سے بچتے درجتے یکے بعد دیگرے وہاں سے جلاوطن ہو کر مشرق میں آباد کئے گئے تھے۔ جلاوطنی کا یہ سلسلہ ۱۱ برس قبل از مسیح میں شروع ہوا۔ اور تقریباً ۱۸۰ سال تک جاری رہنے کے بعد نخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی پر ختم ہوا۔ ان میں سترابنی شمال ایران کے علاقہ جات شروان، آرمینیہ، ایشیائے کوچک، گرجستان اور آذربائیجان دغوی میں آباد ہوئے۔ اور سترابنی میں سے خشی قبائل (جن میں یوسفزئی بھی شامل تھے) آذربائیجان میں دریائے صافی کے دونوں کناروں پر آباد کئے گئے۔ جس کا مرکزی مقام مراغہ تھا۔ مراغہ (غورہ مراغہ، غورہ مراغہ) کے متعلق تواریخ سے یہ روایت ہے کہ یوسفزئی اور ان کے نسبی رفقاء کے آباء و اجداد نے شام سے جلاوطنی کے بعد مراغہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور اس کو اپنا وطن بنایا تھا۔ اور ابھی تک خشی قبائل خصوصاً قوم یوسفزئی کے لوگ یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد غورہ مراغہ سے یہاں آئے تھے۔ یہ جگہ وہ فراموش نہیں کر سکے۔

جغرافیہ علافت مشرقی میں درج ہے کہ "مراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر تبریز سے ۱۰ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور

دریائے صافی کوہ سہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا اس شہر تک پہنچتا تھا۔ اور یہاں سے مغرب کی جانب طر کر جھیل ارمیہ میں گر جاتا ہے۔ مراغہ، قرۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے۔ مراغہ نہایت خوشگوار شہر تھا۔ اس کے گرد ایک فصیل تھی۔ اور فصیل کے باہر نہایت بار آور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پھل جس کیوجہ سے یہ جگہ مشہور تھی۔ ایک قسم کا خربوزہ تھا۔ باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا۔ اور مزہ شہد کا رکھتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کے مستحکم فصیلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز شاداب علاقے تھے۔ جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں۔

وہاں پر سیٹھوں برس رہنے کے بعد یہ لوگ مجبور ہو کر دریائے سیحون کے جنوبی کنارے (جواب دوس میں شامل ہے) رہائش پذیر ہوئے۔ اور وہ جگہ ان کے گزشتہ مسکن مراغہ کی نسبت سے مرغینان کے نام سے مشہور ہوا۔ کچھ مدت کے بعد یہاں سے پھر جلاوطن ہو کر دشت لوط کے مشرقی جانب پہاڑوں میں یوسفزئی سمیت تمام خشی قبائل کوہ قفس میں آباد ہو گئے۔ اور پھر حمید لودی کے زمانے میں تمام خشی قبائل قندھار کے جنوب کی طرف دریائے خاشی اور نیشکے میں جا کر آباد ہو گئے۔ جس کا مرکزی مقام گاڑ کے (گرگڑ کوہ) تھا۔

چونکہ اس کی پوری تفصیل مکمل حوالہ جات کیساتھ میں نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں دی ہوئی ہے۔ لہذا یہاں پر اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ قارئین کو اس تفصیل کیلئے "تذکرہ" (طبع چہارم) سے رجوع فرمائیں۔

سپاہی تھے۔

جغرافیہ خلافت مشرقی نے تشریح کی ہے۔ کہ حیرت ہو کرمان میں واقع ہے، کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبل القفص کہتے تھے۔ پونہوی صدی ہجری میں اس کے بعد حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے۔ اور بلوچ (بلوچ) کے قبیلے اس علاقے کی مشرقی سرحدوں پر جسے بادِ ایران کا جنوبی حصہ سمجھنا چاہیے آوارہ گرد رہتے تھے۔ اس دور افتادہ علاقہ کے ایک حصے کو الخواش یعنی قبائل خواش (غاشی قبائل) کا وطن کہتے تھے۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتربان تھے۔ اور ایک وادی میں رہتے تھے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے لینسکر کی کاشت ہوتی تھی۔ یہ وادی اس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو بادِ ایران یا دشتِ لوط کے جنوبی سر اور مکران کے درمیان تک گیا تھا۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے۔

بیان ہو رہے کہ ہر پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا۔ جو اس پر حکمران تھا۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اس زمانے میں گھوڑے نہ تھے عام طور پر وہ گدے جیسے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ بھیر بکریوں کے دیوڑ اور مویشیوں کے مالک تھے۔ بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے۔ اور ان کے علاقہ میں شہر نہ تھے۔ اس پہاڑی علاقہ کے جنوبی حصہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھوٹتے تھے اس علاقہ میں ایک اور شہر منوقان یا منوقان جو حیرت سے پاس میل جنوب میں واقع تھا۔ اس شہر کے ایک حصے کا نام کونین اور دوسرے کا زامان (زمن۔ زمین) تھا۔ اور ایک قلعہ جو اب تک باقی ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں تھا۔ اسی قلعہ میں ایک مسجد تھی

کوہ قفص۔ ایک تاریخی

حضرت عمرؓ کے خلافت کے دوران ابو موسیٰؓ نے جب فارس فتح کیا اور کرمان کے آخر میں کوہ قفص پہنچے تو وہاں اس وقت خشکی پختون قبائل آباد تھے۔ جنہوں نے ان کی اچھی طرح آذ بھگت اور امداد کی اسلامی لشکر کے پاس راشن کی کمی تھی۔ انہوں نے اونٹ اور بھیر بکریاں ذبح کرانے کیلئے پیش کیں۔ اسلامی لشکر کے سربراہ نے قیمت ادا کرنی چاہی۔ تو اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھا کہ بخت (پخت) کے اونٹ ہمارے اونٹوں سے زیادہ موٹے ہیں۔ ان کی قیمت کیا ادا کی جائے؟ جواب ملا کہ قیمت گوشت کے تناسب سے ادا کی جانی چاہیے۔ چنانچہ اس تناسب سے قیمت ادا کی گئی۔

بخت سے مراد یہاں پخت (پختون) ہیں۔ تاریخی طبری حصہ سوم خلافت راشدہ نے فتح کرمان کے بارے میں بھی یہ ذکر کیا ہے اس کے بعد اسلامی لشکروں کا کافروں کے ساتھ چھیڑ پھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں یہ ان کی امداد کرتے تھے۔ چنانچہ جب احف بن قیس نخراسان کے امیر مقرر ہوئے۔ تو صغانیہ کے بادشاہ کے مقابلہ میں ان کے ساتھ ایک ہزار پختون مجاہد اور چار ہزار عرب

جوسیان کہلاتی تھی۔ (یاد رہے کہ زامن یا زمند ایک سڑک بنی
افغان قبیلہ ہے۔ جس کی اولاد محمد زئی، مکتانی، نوشکی، نیکی زئی اور
توخی ہیں۔)

اگے لکھتا ہے کہ "جوئے سلیمان کا آباد و معور شہر دیگان
سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا۔ اس شہر کی زرخیز اراضی ایک
ندی سے سیراب ہوتی تھی۔ جو شہر سے گزرتی تھی۔ شہر کے عین
وسط میں ایک مسجد اور قلعہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ شہر
حیرت کے اعمال میں شامل تھا۔"

ابن ہوکل ایک اور جگہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کومان
سے سجستان کے دارالحکومت زرنج کو جانیوالی سڑک کے کنارے
بالکل بیچ کی منزل پر بادیہ کا تنگ ترین حصہ ایک نخلستان تھا۔
یہاں ایک مختصر سی وادی ہے۔ جس میں چشے ہیں اور ایروانی
اُسے نصرت آباد کہتے تھے۔ اور بلوچی اُسے اسپسی یا اسفی کہتے تھے
اس مقام کا ایک نام اسپیزا بھی پڑھنے میں آیا ہے۔ یہ اسپسی یا
اسفی اور اسپیزا ایک ہی نام ہے۔ (یعنی ایسفرئی) یہ وہ مقام ہے
جہاں یوسف زئی رہتے تھے۔"

شیخ حمید کے ابتدائی دور میں افغان قوم کو پہاڑوں سے نکل
کر میدانی علاقے پر قبضہ کر نیکا موقع ہاتھ آیا۔ لیکن محمود غزنوی
کی مداخلت کے سبب اس کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ پھر
غوریوں کے وقت میں انہیں پہاڑوں سے نکلنے کا دوبارہ موقع
ملا۔ اور وہ اپنے اپنے ساتھیوں کے علاقے پر قابض ہو گئے۔
خاشی قبائل اور غوریان خیل کوہ قفص سے آکر غوریان خیل تو اور گنداب
ترنگ، مقرر اور قرہ باغ پر قابض ہو گئے۔ جو قندھار سے جنوب

کی طرف واقع تھے۔ اور زمن یا زمند قبائل زمند اور پر قابض
ہو گئے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد قبائل زمند علاقہ پشتیس میں
بھی کچھ عرصہ تک آباد ہو چکے تھے۔ لیکن بعد میں کابل کی طرف
گئے۔ خاشی قبائل دریائے نیشک پر جس کا بعد میں نام بھی
دریائے خاشی ہوا قابض ہوئے۔ یہ علاقہ بھی نیشک کے علاقہ کہلاتا
تھا۔ اور اس کا صدر مقام گاڑ کے یا گڑ کوہ تھا۔ شمال کی جانب
گلگانی ترکانی اور جنوب کی طرف جہاں دونوں دریاؤں کا دواہ ہے
اور علاقہ نیشک کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر یوسف زئی
قابض ہو گئے۔ اور گاڑ کے یا گڑ کوہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔

کوہ قفص کی تشریح یوں ہے کہ قفص کے معنی ہیں قید خانہ
یا پنجرہ۔ قید خانہ اس لئے تھا کہ یہ لوگ قید کی صورت میں دنیا سے
اگے تھلگ سینکڑوں سال رہے۔ ادھر ادھر جانا ان کیلئے محال
تھا۔ پنجرہ اس لئے کہ جس طرح پنجرہ میں کوئی پرندہ بند کر دیا جائے تو
وہ موذی جانوروں کے استیصال سے بچ جاتا ہے۔ مطلب یہ
ہوا کہ جیسے جیسے وہ قید و بند میں رہے اُس کے ساتھ ساتھ محفوظ
بھی رہے۔

مُصنّف جغرافیہ خلافت مشرقی، خاش اور گڑ کوہ کی تشریح
یوں کرتا ہے:-

"دریائے خاش علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکل کر دریائے
فرہ اور بلند کے بیچ سے گزرتا ہوا بھیل زرہ میں گرتا ہے۔ ابن ہوکل
نے اس دریا کا نام نہر نیشک لکھا ہے۔ نیشک اس معور مقام کا
نام تھا جو زرہ کے بالکل مشرق میں واقع تھا۔ خواش اس علاقہ کا
سب سے بڑا شہر تھا۔ اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ وہ علاقہ

جو دریائے خاش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا۔ علاقہ نیشک کہلاتا تھا۔ نیشک کے علاقے کا بڑا شہر گرگ کوہ تھا۔ یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل پر تھا۔ زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی شہر کے نام پر باب گرگ کوہ (گاڑ کے) تھا۔ اور یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔

ۛ لرغونی سپری پوہنتی

دیوسفرو و وکوم ملکوتہ

ملک ۛ نیشکے مینہ ۛے کاہ کے

غوریا خیل کہ تراوسہ پیغودنو

یہ وہی مقام اور علاقہ ہے۔ جہاں سے یوسف زئی اور اُن کے متعلقین کابل کی طرف چلے گئے تھے۔



کہا جاتا ہے کہ یوسف زئی قندھار کے جنوب کی طرف اور زرنج کے شمال میں مقام گاڑ کے (گرگ کوہ) اور نیشکے میں اور غوریا خیل خصوصاً خلیل مقام تزنک، مقرر اور قرہ باغ میں آباد تھے۔ کسی سبب سے ان دونوں میں آپس میں لڑائی ہو گئی۔ غوریا خیل نے سارے خنی (خشی) کو شکست دے دی۔ اور ملک اُن سے پھین لیا۔ چنانچہ کل خنی (یعنی یوسف زئی، گلگانی اور ترکانی) بلکہ محمد زئی بھی اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نیشک کے طرف چل کر کابل آ گئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دیوبے اور شکوت کے مالک ہو گئے۔ اور کابل کے مضافات کے تمام حدود کو اپنے زیر تصرف لے آئے۔ کہتے ہیں کہ اُن دنوں مرزا الخ بیگ شاہزادہ ابو سعید تیموری کا بیٹا بہت ہی کم عمری اور خورد سالگی میں محدود سے چند مغلوں کے ساتھ مادراء النہر سے کابل آیا شکستہ حال اور پریشیاں روزگار تھا۔ اُس وقت تمام اقوام خنی (خشی) کا سردار ملک سلیمان شاہ بن ملک تاج الدین بن ملک قاسم بن دژ بن مند یوسف زئی تھا۔ سلیمان شاہ سے مرزا الخ بیگ کا تعلق ہوا۔ تو دونوں کے درمیان بید محبت ہو گئی۔ اُسے بیٹوں کی طرح پالا۔ اور اُس کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ یوسف زئی

قبیلہ گویا کہ مرزا کا لشکر ہو گیا۔ اس پرورش اور تربیت سلیمان شاہ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے۔ جب بڑا ہو جائیگا۔ بادشاہ بنالوں گا۔ اس کی حکومت میری ہو جائیگی۔ اس طرح مخفی (خشی) بالخصوص یوسف زئی بہت معزز اور صاحب جاہ ہو جائیں گے۔ ایک روز مرزا الخ بیگ سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ادھر سے شیخ عثمان بن موتی اور ساخیل ملی زئی خواجہ زئی کا گزر ہوا۔ شیخ عثمان اس زمانے کے صاحب کشف بزرگ اور مشاہیر ادیباء میں سے تھے۔ اور یوسف زئی کے لوگ اُن کے بہت گرویدہ اور معتقد تھے۔ شیخ عثمان نے مرزا مذکور کو سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھا تو ملک سلیمان شاہ سے فرمایا۔ "ملک صاحب یہ کیا کر رہے ہیں؟" سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ "یہ شہزادہ ہے کھلاتا ہوں۔ اگر بادشاہ ہو جائے۔ تو اس کی سلطنت میری ہو جائے گی۔ اور میری قوم اس سے معزز اور موثر بن جائیگی۔"

شیخ نے فرمایا کہ "اس نوخیز نوجوان کی آنکھیں دشمن کی آنکھوں کی طرح ہیں۔"

ملک سلیمان شاہ نے کہا "شیخ جیو! ایسا نہ فرمائیے یہ باتیں آپ کے نمایاں نشان نہیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور کو اس کا علم ہو جائے۔ بادشاہ لوگ کسی کا احسان فراموش نہیں کرتے۔ یہ بادشاہ زادہ ہے جب بادشاہ ہو جائیگا اختیار میرے ہاتھ میں آجائے گا۔ جس سے میری قوم محترم ہو جائیگی۔"

شیخ نے فرمایا کہ "بہت اچھا ملک صاحب! میں نے تو خبردار کیا۔ آگے آپ کی مرضی، پھر نہ کہنا کہ آپ نے کہا نہیں تھا۔"

ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ مذکور کو بطریق مسطور پال پوک کر

بڑا کیا۔ اور اس کی کما حقہ تربیت کر کے کمال تک پہنچایا۔ بعد ازاں اُسے کابل کا بادشاہ بنایا۔ خطبہ اور سکے اس کے نام کے جاری ہو گئے مستقل بادشاہ بن گیا۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہو گئی۔ منل بھی اطراف و جوانب سے آکر اکٹھے ہو گئے اور کابل پایہ تخت ہو گیا۔ اس وقت تک تمام کاروبار حکومت سلیمان شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ اس درجہ یوسف زئی صاحب جمعیت بن گئے اور کابل میں انہیں پورا تسلط ہو گیا۔ اور معاملات حکومت میں رسوخ پیدا کر لیا۔

جن ایام میں مرزا الخ بیگ کابل کا بادشاہ ہو گیا۔ تو بڑی جمعیت اور دہبہ پیدا کیا۔ اور ملک تاج الدین رزق کے چھ بیٹے تھے۔ جن میں سے ہر ایک نامی دگوا می تھا۔ پہلا ملک سلیمان شاہ تھا جو سالہا سال تک خشی قبائل کی مسند ریاست و امارت پر پورے استقلال کے ساتھ متمکن رہا۔ دوسرا سلطان شاہ تھا۔ جو ملک سلیمان شاہ کا باپ جایا بھائی اور ملک احمد کا باپ تھا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ ملک احمد یوسف زئی کے ممالک کا فاتح اور عظیم الشان ملک تھا۔ بلکہ مخفی یا خشی کے تمام ممالک کا فاتح تھا۔ اس کے حالات اپنے محل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ تیسرا بہرام تھا۔ جو تاجروں اور راستوں کے کاروانوں سے محصول وصول کر کے جمع کرتا تھا۔ چوتھا خیر الدین تھا اور پانچواں عیسیٰ، جس کا قائم مقام اس کا بیٹا پائندہ تھا جسے انتہائی زور و قوت اور جسامت کی عظمت کے سبب لوگ ہاتھی کہتے تھے۔ اور اس کا چھٹا بیٹا نیکی تھا۔

یوسف زئی اور گلیانیوں کی مخالفت

فاطمہ نامی سلطان شاہ کی بیٹی اور ملک احمد کی بہن تھی۔ یہ نہایت حسین و جمیل اور کنواری تھی۔ جسے شبلی ابن توری اور حسن ابن چنگا کے عزیزوں میں سے کسی کے ساتھ منسوب کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ شبلی ابن توری اور حسن بن چنگا دونوں چنگازی موسیٰ زئی گلیانی تھے۔ اور اس وقت گلیانیوں میں سرداری اور ملکی انہیں دونوں کی تھی۔ مرزا الخ بیگ کے ہاں بھی یہ دونوں بہت پیش پیش تھے۔ اور مرزا الخ بیگ اُن پر حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ دونوں لوگوں کی چغلیاں کھانے میں مشہور تھے۔

فاطمہ کی نسبت کا وعدہ ابراہیم بن گدائی بن تابے الیاس زئی یوسف زئی سے بھی کیا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فاطمہ کی نسبت کا وعدہ اب ایک گلیانی سے کر دیا گیا ہے۔ تو اس نے اسے اغوا کر لیا اور کابل سے کورمہ لے آیا۔ جو خیشکیوں کا مقام و مسکن تھا۔ لے

گلیانیوں نے اُسے سلیمان شاہ وغیرہ یوسف زئیوں کے ملی بھگت سمجھا۔ اسی سبب سے گلیانیوں کی نیت یوسف زئیوں

لے فاطمہ کی بطن سے ابراہیم یوسف زئی کی اولاد اس وقت ضلع بنوں میں ایک مغرر خاندان کی صورت میں آباد ہے اور ابراہیم کے بھائیوں کی اولاد گدائی زئی کے نام سے بونیر میں آباد ہے۔

کے حق میں خواب ہو گئی۔ مگر یوسف زئی چونکہ ہر طرح سے غالب اور صاحب قوت تھے۔ اس لئے گلیانی ان پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یہ کسی طرح قابو میں آجائیں۔ اور اگر موقع ہاتھ لگے تو یوسف زئیوں کے ساتھ بُرا سلوک کریں۔ ادھر مرزا الخ بیگ بھی جب مستقل بادشاہ ہو گیا تو یوسف زئی کی طرف سے اس کا خیال بدل گیا۔ یوسف زئی ہر حیثیت سے غالب تھے۔ وہ مرزا الخ بیگ کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ملک سلیمان شاہ اور اس کی قوم یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ اس وقت یوسف زئیوں کا ظلم و تعدی بھی کابل شہر اور دیہات میں حد سے زیادہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ سپاہی، شہری اور عوام ان کے ہاتھوں اپنی زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ بد اخلاقی، دست درازی، شراب خوری اور دس فسق و فجور کے کام ان کا پیشہ بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرکت یا مرگٹ کا بیٹا اسماعیل پنج پاؤں ایسوری زئی توری زئی یوسف زئی کی بد مستی اور شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ اھیل اور عزت دار لوگوں کو زبردستی پکڑ کر شراب کے ایک پیالے کے عوض فروخت کر دیتا تھا۔ کابل کے بازار میں دھونس اور دھڑلی سے چیزوں کے نرخ کم کر کے انہیں خرید لیتا تھا۔ اور کوئی بھی اس کی مددک تھا م نہیں کر سکتا تھا۔

پہنچا جب مرزا الخ بیگ لشکر بیکر گلیانیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اور سلیمان شاہ کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے خفیہ طور سے گلیانیوں کو اطلاع بھیج دی کہ مرزا الخ بیگ تمہیں تاخت و تاراج کرنے آ رہا ہے۔ وہ تمہیں تباہ و برباد کر دیگا۔ تم خبردار رہو اور اپنی قوم کو اس سے بچاؤ۔ گلیانی یہ خبر ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر دوسرے مقام کو چلے گئے۔ مرزا الخ بیگ جب وہاں پہنچا تو گلیانیوں کو وہاں نہ پایا جس سے اسے بڑا صدمہ پہنچا۔ اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے گلیانیوں کو پہلے ہی سے اطلاع دیدی ہے۔ اس لئے وہ اپنی جگہ سے بھاگ گئے ہیں۔ تو شکریوں نے کہا۔ واللہ اعلم کس نے انہیں اطلاع دی۔ اب گلیانی لوگ ایسے مقام کو پہنچ گئے تھے کہ مرزا ان کا نہ پھپھا کر سکتا تھا۔ اور نہ ان کو قابو میں لاسکتا تھا۔ آخر مرزا الخ بیگ وہاں سے مایوس اور شرمندہ اٹھے پیروں واپس آیا۔

کابل پہنچ کر اس نے بہت کھوج لگایا۔ اور تحقیق کی کہ آیا اس کی یلغار سے گلیانیوں کو کس نے مطلع کر دیا تھا۔ آخر جب چند ان گزر گئے تو گلیانیوں نے بیوفائی کر کے مرزا الخ بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں آپ کی یلغار کی اطلاع آپ کے مدارالہام ملک سلیمان شاہ نے دی تھی۔ اس نے اپنا ایک مقتد شخص تیز دوڑا کر بھیجا اور ہمیں حقیقت حال سے آگاہ اور واقف کر دیا۔ اس لئے ہم اپنی جگہ سے بھاگ گئے اور تمام اثاثوں کے ساتھ ایسی جگہ چلے گئے جو آپ کے دسترس سے باہر تھی۔ اس وجہ سے آپ ہم پر قابو نہ پاسکے۔ یہ بات سننے کے بعد مرزا اور دوسرے مغلوں کی آزدگی ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم سے حد کمال کو پہنچ گئی۔

گلیانی قوم پر مرزا الخ بیگ کی چڑھائی

الغرض ایک طرف تو یوسف زئیوں کا زور اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ مگر کسی کو ان سے باز پرس کی جرأت نہ ہوتی تھی دوسری طرف فاطمہ کے اغوا کے واقعے کے سبب یوسف زئی اور گلیانی کے مابین منازعت شروع ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گلیانیوں کی طرف سے بھی دست اندازی ہونے لگی۔ اور ایک مستقل فتنہ قائم ہو گیا۔

مرزا الخ بیگ اور مغلوں کو اس سے نہایت خوشی ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان نفاق کا بیج پڑ گیا۔ مخالفت پیدا ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ دشمنوں کی طرح الگ ہو گئے۔ مرزا الخ بیگ کا خیال تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اس طرح دونوں اس کے محتاج ہو کر قابو میں آجائیں گے۔ اس نے اپنے سرداروں سے بھی مشورہ کیا اور کہا کہ اچانک فوج کشی کر کے پہلے گلیانیوں پر ہتھ بول دینا چاہیے۔ اور انہیں تاخت و تاراج کر دینا چاہیے۔ یوسف زئی اور گلیانیوں کے مثال دو بازوؤں کی ہے۔ ایک بازو ٹوٹ جائیگا۔ یعنی گلیانی زبردست ہونے لگے۔ تو یوسف زئی بھی ہمارے محتاج ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ تنہا رہ جائیں گے۔ گلیانیوں پر چڑھائی اور انہیں تاراج کر نیکایہ مشورہ مرزا نے ملک سلیمان شاہ کے ساتھ بھی کیا۔ ملک سلیمان شاہ ایک جہاندیدہ اور دور بین شخص تھا۔ اس نے ظاہر میں تو مرزا الخ بیگ کی ہاں میں ہاں ملا دی مگر اس کا دل گلیانیوں کے قتل و غارت پر راضی نہ تھا۔

سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم کے ساتھ مرزا الغ بیگ کا بغض و حسد انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ رات دن ان کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اور اپنے مقرنین کے ساتھ ہر وقت خلوت و جلوت میں مشغول رہنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن مرزا نے گلگانیوں میں سے موسیٰ زئی کے دو سرداروں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری کو جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اپنے حضور بلا کر صلح کر لی اور انہیں قسم قسم کے اعزازات و مدارات سے سرفراز کرنے کے بعد کہا کہ میں تمام افواج کے ساتھ تمہارا مددگار و معاون ہوں۔ اور یوسف زئی سے بیزار ہو گیا ہوں مجھے ان کا اعتبار نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم جاکر اپنے لشکر کو جمع کرو اور پوری مستعدی کے ساتھ یوسف زئی قوم سے جنگ کے لئے نکل آؤ۔ ہم تمہارے ساتھ شامل حال ہو جائیں گے۔ یوسف زئی تمہارے بھی دشمن ہیں اور میرے بھی۔ جب بھی بس چلے ان کی رعایت نہ کرو اس پر فریقین نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں۔ اور قول و قرار ہوا۔ مرزا نے کہا کہ پہلے تم یوسف زئی کے مقابلے میں نکلو، جنگ شروع کرو۔ میں بھی فوراً اپنی جمیعت کے ساتھ پہنچ جاؤں گا۔

بالآخر گلگانیوں کے ملک مرزا الغ بیگ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچ گئے۔ جو کابل کے نواح میں آباد تھے۔

یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گلگانیوں سے جنگ

گلگانی اپنا لشکر جمع کر کے پوری طرح تیار ہو گئے تو یوسف زئی کے مقابلے میں جنگ کیلئے میدان میں نکل آئے۔ حسب قرارداد مرزا

الغ بیگ بھی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آکر گلگانیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور ہیئت اجتماعی کے ساتھ یوسف زئی کی طرف بڑھنے لگے۔ کچھ گلگانی فوج سے آگے نکل گئے اور یوسف زئیوں کے مویشی پکڑ لائے۔ یوسف زئی کو اطلاع ملی تو جگہ جگہ سے مسلح ہو کر ان کے تعاقب میں نکلے۔ گلگانیوں نے یوسف زئیوں کا شکر دیکھا تو گلگانیوں کا اور منلوں کا شکر چار صفوں (قطاروں) میں تقسیم ہو گیا۔ یوسف زئیوں نے انہیں چار صفوں میں دیکھا تو خود بھی چار صفیں بنائیں۔ اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر مقابلے اور مقابلے کی نیت سے آمنے سامنے آ گئے۔ اور دونوں لشکروں کے درمیان عظیم جنگ واقع ہو گئی۔ لیکن یوسف زئی ان پر ایسے ٹوٹ پڑے اور مردانگی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ منلوں اور گلگانی دونوں کو منلوب کر کے شکست فاش دیدی۔ بہت سے منلوں اور گلگانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میدان جنگ جو کابل کے نزدیک ایک سبزو زار تھا۔ منلوں اور گلگانیوں کے مقتولین کے خون سے سُرخ اور تہ بہ تہ ہو گیا۔

الغرض جب مرزا اور گلگانی دونوں شکست کھا گئے تو مرزا کابل لوٹ گیا۔ اور گلگانی اپنی اپنی بستیوں میں چلے گئے۔ مرزا اس واقعہ پر بیکہ شرمندہ تھا۔ اسے اس شکست پر بہت ملال ہوا۔ اس کے دل میں یوسف زئیوں کے خلاف غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس نے حسن بن چنگا اور شبلی ابن توری گلگانی سے کہا کہ یوسف زئیوں کے نیست و نابود اور قتل کی نکر پھر سے کمائی ہے۔ حسن اور شبلی نے اسے مشورہ دیا کہ یوسف زئی نرمی اور دلا سے کے بغیر قابو میں نہ آ سکیں گے۔ آپ ان سے صلح کی بات چیت کریں۔ اور آشتی کا رویہ اختیار کریں۔ اس طرح شامدہ

دھوکہ کھا جائیں۔ اور آپ کے ہاتھ آجائیں۔ مرزا نے کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ صلح کر لوں اور مدارات و ملائمت سے انہیں یہاں لے آؤں تو ان کی ہڈی کون توڑے گا۔ اور کون انہیں قتل کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ غدر و معذرت اور دلا سے ان کے سرداروں اور جوانوں کو بلا لیں۔ پہلے انعام و اکرام سے نوازیں۔ پھر انہیں قابو میں کر کے ان کے ہاتھ بندھوا لیں۔ اور ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم انہیں تہ تیغ کر دیں گے۔

جب مرزا اور گلیانیوں کے سرداروں حسن اور شبلی وغیرہ کے درمیان یہ بات طے پا گئی اور وعدہ مستحکم ہو گیا تو مرزا نے غدر و معذرت شروع کی اور یوسف زئی کے سرداروں کو ایسے خطوط لکھے جو لطف و مہربانی اور انعام و اکرام کے مضامین پر مشتمل تھے۔ یہ خطوط اپنے ایک مقدمہ خاص کے ہاتھ بھیج دیئے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ:

"میں نے آپ کے کردہ و ناکردہ اور دانستہ و غیر دانستہ تمام گناہوں کو اپنے خلوص و صفائے قلب سے معاف کر دیا۔ پس آپ لوگ آئیں اور صلح و آشتی کے ساتھ یگانگت کے تعلقات کو ایک در سہ کے ساتھ پھر مستحکم کر دیں۔ اور جس طرح پہلے اخلاص و محبت سے باہم زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی طرح پھر زندگی گزاریں۔"

مرزا نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ کچھ نقد روپے بھی بطور تحفہ بھیج دیئے۔ مرزا کے آدمی پر خلوص اور محبت آمیز خطوط اور گرواں قدر رقومات کے ساتھ یوسف زئی کے پاس پہنچ گئے۔ تو یوسف زئی کے سردار مرزا الخ بیگ کے فریب میں آ گئے۔

اور اس ضرب المثل کی مطابقت کہ:-

۱۔ زربلادی اسیل بندہ کا!

چہ طمع نہ وی پد شاہانہ بن خندہ کا

"۲۔ زرا ایسی بلا ہے جو اسیل اور شریف کو غلام بنا دیتی ہے اور جس میں طمع نہ ہو وہ بادشاہوں پر بھی ہنستا ہے۔"

یوسف زئی سردار ان خطوط اور رقومات سے ایسے متاثر ہوئے کہ انہیں آپس میں تقسیم کر لیا اور اصل منصوبے سے غافل ہو کر ان کے جال میں پھنس گئے۔ یوسف زئی خوش ہو کر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کتنا اچھا ہوا کہ مرزا اور گلیانیوں کو شکست بھی دی۔ فتح بھی ہمیں نصیب ہوئی اور مرزا ہمارا پھر محتاج ہو گیا۔ اب منت سماجت اور زاری و الحاح کے ساتھ ہمیں بلانا ہے۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اب وہ ہمارے ساتھ یقیناً اچھا سلوک کرے گا۔ آخر اس بلا دے پر یہ عقل یوسف زئی راضی ہو گئے۔ اور مرزا کے اخلاص پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا۔

سلیمان شاہ یوسف زئی سرداروں کی ایک جماعت کیساتھ مرزا کے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو کر مرزا کی خدمت میں کابل پہنچ گئے۔ مرزا بھی اپنے امیروں سمیت یوسف زئی کے ملکوں سے استقبال کیلئے نکل آیا تھا۔ اور پوری عزت کیساتھ انہیں اپنے محل میں اتارا۔ اور درجہ بدرجہ قیمتی خلعتیں پہنائیں۔ اور رستم وافر مرحمت کی۔ مہربانیوں اور شفقتوں بھری توجہ مبذول فرمائی۔ جب تک یوسف زئی سرداروں کی جماعت مرزا کے حضور میں رہی۔ مرزا روزانہ ان کی مہمانی میں مصروف اور محفلیں

منعقد کرتا رہا۔

اتفاق سے اس موقع پر بعض خوش رنگ اور من چلے دلیر نوجوانوں نے جو یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شہزادہ کی خدمت میں آئے ہوتے تھے۔ اپنی تلواریں اور پیش قبضیں نیاموں سے نکال کر دیواروں اور ستونوں پر ضربیں لگاتے اور بدتمیزیاں کرتے رہے ان کی یہ شوکت شہزادہ اور دوسرے مغلوں کو بہت بڑی لگی۔ مگر یوسف زئی کے خوف اور لحاظ سے قطعاً دم تک نہیں مار سکتے تھے۔ اس واقعہ سے مرزا الغ بیگ اور مغلوں کا جذبہ قہر و غضب یوسف زئی کے حق میں اور بھی تیز ہو گیا۔ مگر چونکہ یوسف زئی سب کے سب مسلح ہو کر آتے تھے۔ اس لئے مرزا اور مغلوں کا ان پر بس نہ چل سکا۔ مرزا مصلحتاً بھی خاموش رہا۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور ان کے گھروں کو رخصت کیا۔

چونکہ یوسف زئی سردار بید سر فرازی کے ساتھ اپنی قوم میں لوٹ کر گئے تھے۔ اور وقتی طور پر بہت خوش تھے۔ اس لئے پہلے سے بھی زیادہ بدست اور متکبر ہو گئے۔ اور عاقبت نااندریشی میں اور بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے۔

مرزا الغ بیگ کا یوسف زئیوں کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا

چند دنوں کے بعد مرزا نے دوسری بار عذر خواہی کی بنیاد رکھتے ہوئے ملک سلیمان شاہ اور دوسرے یوسف زئی سرداروں

کے نام اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ:-
”میں نے شاہی ضیانت کرنے اور آپ سب کو ہر کسی کی شان کے لائق اعلیٰ خلعتوں اور پیرے پیرے انعامات دینے کا دل میں فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ آپ سب حاضر ہو جائیں تاکہ ہر ایک کو شاہی مرحمتوں سے سرفراز کروں۔“

جب یوسف زئی کے کان میں یہ بات پہنچی تو اپنی بے عقلی اور بے فکری کے سبب امیدواری کے شوق و مستی میں ایسے متخرق ہو گئے کہ مرزا الغ بیگ کے عزائم اور اس کے ارادوں کو نہ بھانپ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں سردار، ملک ادیا کوئی دلیر جوان تھا، حتیٰ کہ بوڑھے اور بزرگ تک سب کے سب جمع ہو گئے۔ اس طرح یوسف زئی کے سات سو مشہور و معروف معززین کابل کیلئے روانہ ہو گئے۔

مرزا کے دیار (یعنی حدود شہر) میں پہنچے تو مرزا کے آدمیوں نے انہیں بتایا کہ مرزا نے حکم دیا ہے کہ کوئی تیغ و اسلحہ کے ساتھ شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے جس کے پاس اسلحہ ہے وہ یہاں چھوڑ دے۔ تب شہر میں قدم رکھے۔ اور آداب و تہنات بجالائے۔ اگرچہ یوسف زئی کا ہر شخص مسلح تھا لیکن ہر طرح سے مطمئن اور بے فکر، اس لئے ہر ایک نے حسب امر اپنے اپنے ہتھیار و ہتھیار چھوڑ دیئے۔ شرائط تسلیمات بجالائے اور خالی ہاتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

مرزا نے سارے ملک صاحبان پر شفقت فرمائی۔ اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے تمام خوانین اور امراء کو جو اس وقت حاضر تھے۔ یہ حکم دیا کہ وقت بیوقت ہو گیا ہے۔ (دیر

ہو گئی ہے، اس لئے چاہیے کہ یوسف زئیوں کو تقسیم کر کے اپنے اپنے گھروں کو بجاؤ۔ اور ان کی بے مثال ضیافت کرو۔

چنانچہ ان سات سو یوسفزے معزین کو اپنے امراء اور خوائین میں تقسیم کر دیا۔ اور یوسف زئیوں سے کہہ دیا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ اس وقت میرے امراء تمہیں آپس میں تقسیم کر کے ہر ایک ایک تمہاری ضیافت کریگا۔ اور میر بانی کے فرائض انجام دیگا۔ تم ایک ایک امیر کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ سات سو یوسف زئی مختلف مغل امیروں کے ساتھ ہوئے۔ اور وہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ مہانی کے بہانے سے جگہ جگہ اپنے گھروں میں بٹھا دیا۔

اس کے بعد مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور خان سے جا کر کہا کہ تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھ کر حاضر کرو۔ چنانچہ ان تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے گئے چونکہ وہ مختلف امیروں کے گھروں میں منتشر، غیر مسلح اور بے خبر و بے پرواہ ضیافت کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ اس لئے اپنے بچاؤ کیلئے بھی کچھ نہ کر سکے۔ مغل امراء اور خوائین ان سے کہتے تھے کہ ہم نے تمہیں باندھ دیا تو کیا ہوا۔ تم فکر نہ کرو مرزا پھر تم پر مہربان ہو کہ تمہیں ضرور رہا کر دیگا۔

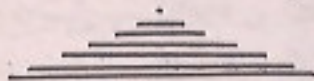
کابل میں مرزا الغ بیگ کا ہجرۃ یوسف زئی کو باندھنا

غرض یہ کہ ملک سلیمان شاہ کے سوا ان تمام سات سو یوسفزئیوں

کے ہاتھ مرزا کے امراء نے پیچھے کی طرف باندھے اور مرزا کے دربار میں حاضر کیا۔ ملک سلیمان شاہ کو اس لئے نہیں باندھا تھا کہ مرزا اس کا زیوردار احسان تھا۔ اور اس کے مرتبے کی بہت رعایت اور لحاظ کرتا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ جب یوسف زئی باندھ لئے گئے تو مرزا نے حکم دیا کہ انہیں دست بستہ لے آؤ اور ان کے بعد ان کی گردنیں اڑا دو چنانچہ مرزا کے خوائین اور امراء نے سات سو یوسف زئیوں کو دست بستہ مرزا کے دربار میں حاضر کر کے کھڑا کر دیا۔ ملک سلیمان شاہ آزاد مگر بہت حیران و پریشان تھا۔ یوسف زئی اور مرزا کے درمیان پھرتا تھا۔ اور یوسف زئی کی رہائی کے لئے مرزا سے گڑ گڑا کر سفارش کرتا تھا۔

مرزا اس وقت دیوان خانے سے دور کسی دوسری جگہ چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں یوسف زئی رائے زئی کے پانچ چیدہ لوگ جن میں ایک ملا حسین رائے زئی اتما زئی کا فرزند کوثر بھی تھا، ان حالات سے بے خبر اچانک یوسف زئی سے ملنے آئے اور ان دست بستہ یوسف زئیوں میں گھر گئے۔ بعض یوسف زئیوں نے ان سے کہا کہ "بندگانِ خدا! تمہیں ہمارے پاس کون سا گناہ لے آیا۔ انہوں نے جو یہ حالت دیکھی تو حیرت زدہ اور سرسیم ہو گئے۔ مغلوں نے بول ہی انہیں دیکھا، ان پانچوں کے ہاتھ بھی پیچھے کی طرف مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے۔"



سلیمان شاہ زار و قطار روتا ہوا اس درمیان میں پھر رہا تھا۔ آخر مرزا نے اس سے کہا کہ ملک صاحب! آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ آپ کو تو قتل نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ کو تو معاف کر دیا گیا۔ اس لئے کہ آپ تو میرے باپ ہیں۔

سلیمان شاہ نے کہا کہ میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر ایک بات کی حسرت رہ گئی۔ وہ یہ کہ جب تم بچے تھے ایک دن میرے رانوں پر بیٹھے تھے اور میں تمہیں کھلا رہا تھا۔ ہمارے شیخ عثمان نے تمہارے متعلق ایک بات کشف سے مجھ سے کہی تھی۔ اور اس حال سے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہ دن آپہنچا اور میں نے تمہارا حال دیکھ لیا! مرزا نے کہا کہ تم مت ڈرو، تم میرے باپ ہو! سلیمان شاہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں اپنی گود میں کھلایا۔ اپنے زانو پر بٹھا کر بڑا کیا۔ تمہیں بادشاہ بنایا۔ تمہارے ساتھ بہت سی نیکیاں کیں۔ اور تم نے بھی مجھے باپ بنایا تھا۔ تمہارے ذمے میرے بہت سارے حقوق ثابت ہیں۔ ان کا لحاظ کرو۔ اور ان لوگوں کو قتل نہ کرو۔ اور اگر میرے ان حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو میری تین عرض ہیں وہ ضرور قبول کرو۔ مرزا نے پوچھا وہ تین عرض کون کون سی ہیں۔ کہو۔

ملک سلیمان شاہ نے کہا:-

(۱) پہلی عرض تو یہ ہے کہ مجھے سب سے پہلے قتل کرو کہ میں انہیں اپنے سامنے قتل ہوتا ہوا نہ دیکھوں۔ اور ان کے خون کا گناہ میرے ذمے نہ ہو جائے۔ کیوں کہ شیخ عثمان نے مجھے تمہارے اس حال سے خبردار کیا تھا۔ اور میں نے تمہیں مانا تھا۔ تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تمہیں بادشاہ بنادیا۔

شیخ عثمان اوساخیل ملی زئی یوسف زئی کا مکاشفہ

حضرت عہد الاولیا، شیخ عثمان بن موتی اوساخیل ملی زئی بھی ان مظلوموں میں دست بستہ کھڑے تھے۔ انہوں نے ان پانچوں رائے زنیوں کو آواز دی کہ "خدا تمہیں کہاں سے لے آیا" انہوں نے عرض کیا کہ "ہماری قوم یہاں آئی تھی۔ ہم ان کے پیچھے آگئے ان حالات سے آگاہ نہ تھے" شیخ عثمان نے کہا کہ میں نے منبر سے جن سات سو یوسف زئیوں کو دیکھا تھا کہ سب ایک ہی جگہ قتل کر دیئے گئے ان میں تم نظر نہیں آئے تھے۔ پھر تمہیں کہاں سے خدا لے آیا۔ انہوں نے پھر یہی کہا کہ قوم سے ملنے کے خیال میں آگئے تھے۔ ہمیں حالات کا کچھ بھی علم نہ تھا۔

القصد جس دن مرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کا انتظام کیا گلگیا نیوں کے سردار بھی موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے چیدہ سات سو مردان یوسف زئی، دست بستہ تمہارے حوالے ہیں۔ اور لاف زنی بھی تمہاری تھی۔ کہ پہلے ہم ان کا زور توڑیں گے۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو اور اپنا عہد پورا کرو باقی سب کی گردنیں میرے جلاّد اڑا دیں گے۔

آخر گلگیا نیوں کے ملک اور مرزا کے جلاّد ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں لئے ان دست بستہ مظلوموں کے طرف بڑھے۔

ملک سلیمان شاہ نے بہت دُور دھوپ کی اور یوسف زئی کے رہائی کیلئے مرزا کی بہت منت سماجت کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

(۲) اور دوسری عرض یہ ہے کہ میری جگہ میرے بھتیجے ملک احمد سلطان شاہ کے فرزند کو جسے باندھا گیا ہے بخش دو۔ اُسے قتل نہ کرو۔

محفی نہ رہے کہ ملک احمد بن سلطان شاہ بن ملک تاج الدین اس وقت تقریباً پندرہ سال کا بے ریش نوخیز (نوجوان) تھا۔ بچپن ہی سے رشد و قابلیت کے آثار نمایاں اور بزرگی و ریاست کے اطوار اس کی پیشانی میں جلوہ گر تھے۔ بے انتہا عقل و فراست کا مالک، خوش بیان اور بلا کا مقہر تھا۔ اس لئے ملک سلیمان شاہ اُسے اپنے سگے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور اس نے اس کی اچھی تربیت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُسے بھی وہ اس دفعہ اپنے ساتھ مرزا کے سلام کے لئے لایا تھا۔

(۳) تیسری گزارش یہ ہے کہ ہم سات سو افراد جو یہاں موجود ہیں۔ احمد کے سوا سب کو قتل کرو۔ لیکن اس کے بعد یوسف زئی قوم سے تعرض نہ کرنا۔ قتل و غارت قید و بند سے باز رکھنا۔ اور ہمارے بعد یہ لوگ جہاں جانا چاہیں انہیں جاننا۔ کوئی روک ٹوک نہ کرنا اور ان پر کوئی پابندی نہ لگانا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت ملک سلیمان شاہ ملک احمد کی رہائی کے کیلئے مرزا سے عرض کر رہا تھا۔ اس وقت حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گیلیانی مرزا کے پاس حاضر تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سلیمان شاہ کی عقل ماری گئی ہے۔ کد چشم ہے۔ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ کہ ساری قوم کا سہارا اور آبادی کا باعث ہے۔ اور احمد کی رہائی کی درخواست کر رہا ہے۔ جو ابھی ناچختہ ذہن اور ناتجربہ کار بچہ ہے۔ یہ قوم کی کیا رہنمائی کرے گا۔

ملک سلیمان شاہ نے یہ بات سنی تو اُن سے کہا کہ میں سے اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں۔ اور احمد ابھی نوخیز جوان ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ قوم کو ضرور پہچالے جائیگا۔

الغرض مرزا الخ بیگ نے سلیمان شاہ کی تینوں باتیں قبول کر لیں۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا ملک صاحب میں نے تمہاری تینوں عرض قبول کر لیں اسی طرح کروں گا۔ اس نے احمد کو زندہ چھوڑ دیا۔ اور اس کی جگہ ملک سلیمان شاہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ ملک مذکور اُن دست بستہ لوگوں میں چلا گیا جو قتل کیلئے جانے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ کیا ہم میں سے آج کا دن کسی صاحب کشف اور باطن کے سوار کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا ہم میں کوئی ایسا صاحب بصیرت نہیں تھا جو ہمیں آج کے دن کی تباہی سے بچاتا؟

شیخ عثمان علیہ الرحمۃ نے یہ بات سنی تو اُن سے کہا تم اپنے ملک سے پوچھو کہ میں نے آج سے بہت پہلے اس سے کہا تھا؛ میں نے اسے اس واقعے سے آگاہ کر دیا تھا یا نہیں؛ ملک سلیمان شاہ نے کہا "شیخ سچ کہتے ہیں بے شک انہوں نے مجھے اس حال سے آگاہ کیا تھا لیکن میں نے ان کی بات کی پودا نہیں کی تھی۔ آج یہ ان سے جس کی یہ خبر دے رہے تھے۔ میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے بعد شیخ عثمان نے بلند آواز سے کہا؛

"چہ دا دودم و لید و پلنارگہ نے او ریدہ

دخدائے پہ کروائے لاس نہ رسیدہ

(کہ یہ منظر ہم دیکھ رہے تھے اور شور و فریاد سن رہے تھے

مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا۔
 شیخ عثمان نے مزید کہا کہ جو واقعہ میں دیکھ رہا تھا وہ پیش آگیا۔
 پر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے میں تور نامی قوال بھی
 ہمارے ساتھ ہوگا۔ حالانکہ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ کیسی بات
 ہے۔ اچانک اسی گھڑی تور قوال بھی وہاں پہنچ گیا۔ تور سیر کیلئے
 قذہار گیا ہوا تھا۔ عین اسی وقت دربار میں داخل ہوا۔ اُسے
 کچھ خبر نہ تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ بونہی دور سے دکھائی دیا
 شیخ نے کہا کہ دیکھ لو وہ تور قوال بھی آگیا اور اس واقعے میں
 ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ اب ہمارے قتل کیے جانے میں
 کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ وہ واقعہ سچا تھا۔ بالتحقیق اسی شکل میں
 دیکھ رہا تھا جیسا کہ سامنے آیا۔

تور قوال یوسف زئی کے نامی اور مشہور شیخوں اور درویشوں
 میں سے تھا۔ اور ملی زئی میں رہتا تھا۔ اس وقت بھی یوسف زئی
 میں ایک گمروہ اس کی اولاد سے موجود ہے جو قوال خیل کے نام
 سے یاد کئے جاتے ہیں۔

قصہ مختصر جب گلیانیوں کے سردار اور مرزا کے جلا دیوسف زئی
 کے قتل کرنے کیلئے ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ تو سب تلواریں
 سونت لیں۔ اسی حالت میں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری
 گلیانی نے ملک سلیمان شاہ کو یہ شعر سنایا:-

لکہ وایوہے دینہ لاس تہلی خدا دا کوری
 اوس بہ موژنو لکہ پسونہ

یعنی قوال خیل اس وقت عثمان زئی کے موضع ایلی بونیر میں آبا ہیں۔

ترجمہ :- جیسے ہم کہتے ہیں ویسے ہی واقعہ ہے۔ کہ دست
 بستہ خدا نے تمہارے حوالے کر دیا۔ اب ہم بھیڑ بکریوں کی طرح
 قتل کریں گے۔

ان کے جواب میں ملک سلیمان شاہ نے یہ رباعی کہی:-
 کد جناب وے پہ برغونہ : تہ بہ دانغلے پہ مردونہ
 لکہ نئے لاس تہلی دد کورو : اوس موژنہ لکہ مردونہ
 ترجمہ :- گلیانیو! اگر میدان میں زور بازو کی جنگ ہوتی تو
 تم کبھی مردوں کی طرف رخ نہ کرتے۔ مگر اب جب کہ دست بستہ
 ہم تمہارے حوالے کر دیئے گئے ہیں تو اب بھیڑ بکریوں کی طرح
 قتل کرو۔

اس کے بعد پہلے حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری نے ملک
 سلیمان شاہ کا سر قلم کر دیا۔ اور بعد ازاں انہوں نے دوسروں
 کو قتل کرنا شروع کیا۔ بہت سے معززین اور نامی گرامی لوگوں
 کی گردنیں اڑا دیں۔ اور پھر مرزا کے جلا دوں نے ہر طرف سے
 تلواریں چلائی شروع کر کے سب کی گردنیں اڑا دیں۔ شیخ عثمان کی
 گردن مادر کو سرتن سے جدا کر دیا گیا۔ مگر خدا کے حکم سے بہت
 دیر تک جنبش کرتا رہا۔ اور زبان سے حق حق کی آواز بلند ہوتی رہی
 اس کا جسم بھی کافی دیر اسی جگہ سر بریدہ کھڑا رہا۔ کہ کئی بدبخت
 جلا دوں نے ہاتھ سے زور کے ساتھ دھکا دیکر زمین پر گرا دیا اس
 کے بعد سر حرکت کرنے اور زبان حق حق کہنے سے لگ گئی۔ شیخ
 عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کے مشاہدے سے جلا دوں
 پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ کوثر
 ابن ملا حسین رائے زئی اتما زئی کے قتل کی نوبت آئی۔ اور جب

جلاد نے شمشیر ہواں سے زور کے ساتھ اس کی گردن مارنی چاہی تو تلوار بالکل کارگو نہ ہوئی۔ جلاد حیران و پریشان رہ گیا۔ کہ یہ کیسا بزرگ ہے۔ کہ تیز دھار تلوار کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا۔ آخر وہ جلاد فی الفور مرزا کے پاس گیا۔ اور شیخ عثمان کے تن اور سر اور کوثر بن ملا حسین کی گردن پر تیز دھار شمشیر کے اثر نہ ہونے کی متعلق عرض کیا۔ مرزا حیران ہوا مگر کہنے لگا تم بھوٹ بولتے ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مرزا نے جلاد کے ساتھ اپنا ایک معتد آدمی بھیجا تاکہ وہ لوٹ کر مرزا کو حقیقت حال سے آگاہ کرے۔ جلاد نے اس کے سامنے کوثر پر پھر تلوار چلائی لیکن ان کے خواہش تک نہ آئی۔ مرزا کے آدمی نے آکر اسے بتایا کہ جلاد سچ کہتا ہے۔ میرے سامنے اس نے کوثر کی گردن پر تلوار چلائی مگر تلوار کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر مرزا نے حکم دیا کہ کوثر کو لے آؤ اس کیلئے آنا ہے جب مرزا کے آدمی وہاں جا کر اسے چھوڑنے گئے تو کوثر نے کہا کہ مجھے تنہا مت چھوڑو، اگر میرے ان چار ساتھیوں کو بھی جو میرے ساتھ آئے ہیں، چھوڑتے ہو تو مجھے بھی چھوڑ دو اور اگر انہیں نہیں چھوڑتے تو مجھے بھی نہ چھوڑو۔

مرزا کے آدمیوں نے پھر اس کے پاس جا کر ان کا حال بیان کیا۔ مرزا نے کوثر کو ان کے چاروں ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح مہمکدہ عظیم سے کل چھ افراد کوثر، اس کے چار ساتھی اور احمد بن سلطان شاہ، ملک سلیمان شاہ کے بھتیجے کے سوا ان سات سو آدمیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ سب کو شہید کر دیا گیا۔

سلیمان شاہ ملک تاج الدین کا بیٹا تھا۔ اور ملک تاج الدین بڑا عالی جاہ اور صاحب شوکت مرد تھا۔ جس زمانے میں خاشی قبائل یعنی یوسف زئی، گگیانی اور ترکانی قندھار کی نواحی وادی گلڑکے، نیٹکے اور دریائے خاش دہلند کے گرد و نواح میں سکونت پذیر تھیں۔ سب اس کی تابع اور فرمانبردار تھیں۔

غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو مرزا الخ بیگ نے حکم دیا کہ ان تمام مقتولین کو شہر کاٹے باہر لیجا کر دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق تمام مقتولین کو کابل سے دوہین تیروں کے فاصلے پر مشرق اور شمال کے درمیان موضع سیاہ سنگ میں دفن کر دیا گیا۔ لوگ اس دفن کو "شہیدان یوسف زئی کا احاطہ" کہتے ہیں۔ اور آج تک معلوم و مشہور ہے۔ اور شیخ عثمان بن موتی اور انیل ملی زئی قتل سترہ کی قبر بھی وہاں معروف اور مشہور ہے لوگ ان کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ اور اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ کل چھ افراد پر کوثر اپنی قوم میں پہنچے۔ اور باقی تمام یوسف زئی سردار اور نوجوان شہید کو دیئے گئے۔ یوسف زئیوں کے لئے وہ دن گویا قیامت کا دن تھا۔ ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اور نار و شیمون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

مرزا نے اس وعدے کی مطابق جو اس نے ملک سلیمان شاہ سے کیا تھا۔ یوسف زئیوں کے اہل و عیال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ البتہ ایک فوج اس غرض سے بھیج دی کہ ان کے علاقے کو تاخت و تاراج کرے۔ اور ان کے مال و مویشی لے آئے یہاں تک کہ پہنے ہوئے کپڑے بھی اتر والے جاؤں اور انہیں تہید ست و برہنہ کر کے چھوڑ دیا جائے اور وہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ

لشکر گیا۔ اور اس کے حکم کی مطابقت عمل کیا۔

یوسف زئیوں سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا۔ اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس حادثے میں کسی کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ البتہ موسیٰ ابن ایسکو اکوزنی کا خزانہ محفوظ رہ گیا زان بعد انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ ان کی سمجھ میں جو آئیں کریں۔ اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں، جائیں۔ کوئی ان کے مانع نہیں آئے گا۔

الغرض حجب ملک احمد پانچ نفر دڑے زئیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو تمام یوسف زنی جو اپنے گھروں میں تھے۔ اور زندہ بچ گئے تھے۔

فی الفور جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ اس کے بعد ہمارے لئے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ہمارا آب و دانہ ختم ہو گیا ہے۔ اب یہاں سے چلا جانا چاہیے۔ جب اس پر یوسف زنی متفق ہو گئے تو آستانہ دار مشائخ سے عرض کیا۔ کہ آپ حضرات فرمائیں کہ یوسف زئی کا ملک کون ہے۔ اب ہم کہاں جائیں؟

شیخ زنگی ابن ملا غلیل لاٹھی زنی خواجہ خیل (اللہ ان پر ان کی قبر روشن کرے) جو اس وقت یوسف زنی کے آستانہ داروں میں کشف و کرامات میں مشہور اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے یوسف زئیو! ہمارا ملک سوات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا۔ مگر سوات میں باڈوان کے مقام پر زراؤ کی ڈھیری (مٹی کا ٹیلہ) ہے۔ وہ میرا نمکونہ کر کے مجھے دیدو۔ چنانچہ انہوں نے زراؤ ڈھیری کے نام پر ان کا شکر نہ کیا۔ اور اس وعدے پر سب نے دعاء خیر پڑھی۔ پھر سارے یوسف زئیوں نے ملک سلیمان شاہ کے فرمودہ کے

مطابق جو انہوں نے شہادت کے وقت کہا تھا کہ یوسف زنی کی سرداری ملک احمد کی ہو۔ یہ قوم کے وجود اور عزت کو برقرار رکھے گا۔ اور ان کی تعمیر کر لے گا۔ ملک احمد کو اپنا سردار بنالیا۔

لاحسن ابن اتمان دڑی زنی اتمان زنی، کوثر کے والد یوسف زنی مستجاب الدعوات تھے۔ ملاحسن کا گھرانہ یوسف زئیوں میں اب ہم آستانہ دار تھے۔ کوئی بھی اہم معاملہ ہو اور ان کے گھرانے کا آدمی حاضر ہوگا تو اس میں کامیابی کیلئے دعاء وہی کرے گا۔ ملاحسن کی احمد بن سلطان شاہ کے حق میں دعاء کے بعد یوسف زنی بڑے شاد و آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے یوسف زنی اس کی اولاد کی دعاء کو ایک نال سمجھتے ہیں۔ اور حجب کوئی مہم یا ضرورت پیش آ جاتی ہے تو اس سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ ملاحسن کے گھرانے کے فرد ہیں۔ ہمارے لئے دعاء کریں۔ کہ اللہ ہماری حاجت پوری فرمائے۔ ملاحسن کی اولاد آج تک موجود ہے۔ جو سین خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ اس وقت موضع بٹ خیلہ ضلع سوات میں آباد ہیں۔

غرض یہ کہ ملاحسن جبرگہ یوسف زنی کے درمیان سے اٹھے۔ اور ایک شاخ (چٹری) کاٹ کر احمد کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دی۔ کہ جاؤ میں نے تمہیں قوم کا سردار (ملک) بنا دیا یہ ٹکلی اور سرداری تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد ہر شخص نے ملک احمد کو سردار بننے کی مبارک باد دی اور دعاء خیر کی۔

اس دن کے بعد سے ملک احمد ساری یوسف زنی قوم کا سردار بن گیا اور ملک سلیمان شاہ کی جگہ یوسف زنی کی سرداری کی مسند پر ٹکٹن ہو گیا۔ اور دن گینی رات چوگینی اس کی ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ولت

دشمت کی معراج پر پہنچ کر عظیم الشان مراکب کا فاتح بند۔ اس کے تفصیلی حالات مناسب موقع پر بیان کر دیئے جائیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ یوسف زئی بالکل خوار و زار اور حیران و پریشان ہو کر نواح کابل سے بچے پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارے یہ لوگ قلعہ بے نادر راہ، خالی ہاتھ، بغیر بار بڑاری کے، پیدل، تھکے ماندے تھے۔ مغلوں نے انہیں ایسا تاراج کیا تھا کہ کسی کے ہلے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ مگر اللہ پاک کے حکم سے موسیٰ ابن اسکندر ابن سوہل ابن بازید ابن اکو یوسف زئی کا خزانہ باقی رہ گیا تھا۔ موسیٰ یوسف زئی میں بڑا نامدار سردار گورا ہے۔ اور اس کی اولاد بھی پشت و در پشت سرداری چلی آئی ہے۔ چنانچہ موسیٰ خیل اس کی نسل سے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم تاراج سے بچا لیا تھا۔ اس لئے کوٹھ کرتے وقت اسے اپنے ساتھ اٹھا کر کے لے آئے۔ موسیٰ نے اپنی رفیقہ حیات سے کہا کہ ہمارا خزانہ اللہ نے اس ہمہ گیر تاراج میں بچا لیا۔ اور باقی قوم کا خزانہ لوٹ لیا گیا ہماری قوم پر اس سے زیادہ اور کونسا وقت آئیگا۔ چاہیے کہ اس تنگ دستی کے وقت میں ہم یہ خزانہ ان میں تقسیم کر دیں کہ ہماری قوم اس سے تازہ دم ہو کر آرام کی سانس لے سکے۔ اور ہر کسی کو کھانے پینے کا سامان میسر آ سکے۔ نیک بخت بیوی نے کہا۔ آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ آپ ضرور ایسا کیجیے۔ یہ بہت بہتر ہوگا۔ بالآخر موسیٰ نے اپنا سارا خزانہ ہونقہ کی شکل میں تھک یوسف زئیوں میں تقسیم کر دیا جس سے قوم شاد و آباد ہو گئی۔

لے موسیٰ خیل اس وقت مواضعات کوٹھ، ابوہہ اور زونیکے سوات میں آباد ہیں۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۲)

کلیانی میں رہنے والے دلزاک سے
جنگ، پشاور، دوآبہ، باجوڑ اور اشغر کا
دلزاک سے لینا اور ان کے ملک پر قبضہ کرنا

لے کلیانی (کلیانڑی) مالکنڈ کی سرک پر مردان اور تخت بھائی کے درمیان گوبڑگوڑھی کے پاس ایک قصبہ تھا۔ قصبے کے دیوان سے ایک ندی گزرتی تھی۔ جو ایک پل کے ذریعہ کلیانی کے دونوں حصوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ یہ ندی اب بھی باقی ہے۔ قصبے کے نام پر اُس ندی کا نام بھی کلیانی پڑ گیا۔ اور اب تک اسی نام سے موسوم ہے۔ لیکن قصبہ گردش زمانہ سے غیب آباد و برباد ہو گیا۔ اب اس کے صرف آثار باقی ہیں۔ اور اس مقام پر کلیانی نام کا ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس علاقے کا قدیم ترین قصبہ یہ بھی کلیانی تھا۔ اور اُسے وہی حیثیت حاصل تھی جو اب ہوتی اور مردان کو حاصل ہے۔ ہوتی اور مردان بعد میں آباد ہوئے۔ اُس وقت مردان کا نام دشتان تک نہ تھا۔

چاہیے۔ اس فیصلے کے بعد یوسف زئی سے کہہ دیا کہ ہم نے دو آپہ تم کو دے دیا۔ مبارک ہو جاؤ۔ اس پر آباد ہو جاؤ۔

ملک احمد نے ان سے کہا کہ اے دلزاک بھائیو! میری قوم مصیبت کی ماری کمر در اور ناتواں ہے۔ اس کے بہت سے لوگ کابل اور دوسری جگہوں میں رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ ایک دم گھر چھوڑ کر روانہ ہو جائیں۔ ابھی صرف وہ لوگ جو قوت اور استعداد کے مالک تھے۔ یہاں آگئے ہیں۔ جو لوگ وہاں رہ گئے ہیں۔ بعد میں وہ لوگ بھی ہمارے پاس آجائیں گے اس لئے صرف دو آپہ کا علاقہ ہمارے لئے ناکافی ہے۔ میری

پوری قوم اس میں نہیں بس سکے گی۔ اور نہ اس کی پیداوار پر ہماری گزر اوقات ہوسکے گی۔ دلزاک نے کہا اچھا دو آپہ سے متصل دانشکول، عنبر اور باجوڑ کے علاقے اور ان کے ملحقات و مضافات سمیت بھی تمہیں دے دیے۔ جاؤ وہ بھی تمہارے

ہو گئے۔ اس پر ملک احمد خوش ہو گیا۔ اور ان ملک کو قبول کر لیا اس کے بعد دلزاک نے ملک احمد سے یہ بھی کہا کہ اشغر بھی دو آپہ سے ملحق ہے جب کچھ زور اور قوت پکڑ لو تو اشغر اپنی طاقت اور زور سے شلما نیوں سے لیکر اپنے تصرف میں لے آنا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اشغر دلزاک کے قبضے میں نہیں تھا۔ اس پر شلما نی قابض تھے۔ شلما نی ذات کے لحاظ سے افغان قوم سے ہیں۔ یہ لوگ غوریوں کے لشکر میں تیراہ کے توابع شلمان اور سڑمان سے آئے تھے۔ ان کا اصل وطن شلمان اور کڑمان تھا۔ اس کی نسبت سے شلما نی کہتے ہیں۔

القصد اشغر پر اس وقت شلما نیوں کا قبضہ تھا۔ اور وہی

القصد کابل کی اس کھلی شاہراہ پر سارے یوسف زئی اپنے بچے کچے آٹا شے سمیت کوٹ کر تے ہوئے خیبر کے راستے پشاور پہنچے یوسف زئی جو اس وقت پشاور پہنچے۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خیبر میں سرس کا ایک تناور درخت تھا۔ یوسف زئی کے سب مردوزن، چھوٹے، بڑے اس کے نیچے بیٹھ گئے اور سب اس کے سائے تلے سہا گئے۔ بس اتنے ہی یوسف زئی تھے۔

یوسف زئی خیبر سے ہو کر پشاور میں وارد ہوئے۔ اس وقت پشاور میں مقیم دلزاک بڑے زور آواز اور مہاک گیر تھے۔ وہ ان مہاک پر غوریوں کے عہد میں قبضہ کر کے مضبوطی کیساتھ اپنے قدم جما چکے تھے۔ چنانچہ پشاور، دو آپہ، باجوڑ، ننگر پار، کلیانی، ہزارہ اور علاقہ چچہ و مرگہ ملک تمام مہاک دلزاک کے قبضے میں تھے۔ اور ہر مقام پر یہی لوگ آباد تھے۔ اس لئے یوسف زئی نے آکر ان سے التجا کی اور ان کے پہلو میں مقیم ہو گئے۔ دلزاک نے یوسف زئی کو ملک (علاقہ) عطا کرنے کے سلسلے میں آپس میں جو گر کیا کہ انہیں ایک ملک دینا چاہیے جس پر جا کر یہ آباد ہو جائیں کیونکہ یہ ایک گاؤں جتنے لوگ آئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایک ملک ان کو دے دیں۔ آخر دلزاک کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دو آپہ یوسف زئی کو دے دینا

تمام محصولات وصول کرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ تمام شلمانی سلطان پھل کی رعیت اور اس کے مالکزار تھے۔ سلطان پھل سوات کا بادشاہ تھا۔

کہتے ہیں کہ اشغر سے اوپر بگیاڑے حصار بول، پلنی، شیرخانہ مورنامی پہاڑ تک، سوات اور ٹوٹے، ٹروبی، سیوری، ملاکنڈ کی چوٹی تک اور سارا سوات اپنے توابع اور مضافات سمیت اور سارا بونیر سلطان پھل کے زیر تصرف تھا اور ہر جگہ اس کے حاکم شہداد اور گاشتر (محفل) مقرر تھے۔ شلمانی اس کے حکم سے اشغر میں بستے تھے اور حاکم اشغر حصار میں ہوتا تھا۔

سلطان پھل خود منگور کے قلعہ میں رہتا تھا۔ جو سلاطین سوات کا پایہ تخت تھا۔ یہ قلعہ سلاطین سوات کے عہد میں نہایت آباد تھا۔ اندر اور باہر رنگارنگ مکانات اور عجیب عجیب حویلیاں، اونچے اونچے قصر اور قلعے کے اندر عظیم المثال نہریں بہتی تھیں۔ باہر پورونق اور دکانیں بھی ہوئی تھیں۔ سوات کے تمام سلاطین سلطان پھل وغیرہ سلطان جہانگیر کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ غوریوں کے لشکر میں علاقہ ورغٹر، کوہ گبر اور دریا نے توجی کے وادی سے آئے تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی پشتوں تک سوات پر حکومت کی۔ ان کا آخری سلطان، سلطان اویس تھا۔ جسے یوسف زئیوں نے متعدد عظیم ٹرائیوں کے بعد وہاں سے بیدخل کر کے سوات پر خود متصرف ہو گئے

نہ حصار بول آج کل "سری ہالول" کہا جاتا ہے۔ تخت بھائی سے مردان کی طرف تقریباً دو میل کے فاصلے پر مٹی کا ایک بڑا ٹیلا ہے۔ جس پر اب ایک گاؤں آباد ہے۔

سلطان اویس وہاں سے فرار ہو کر نیاگ میں کوہ کفار کے درمیان ایک مستحکم قلعہ بنا کر اس میں رہنے لگا یہاں تک کہ اجل کے سواروں نے اس پر حملہ کر کے اس کے وجود کو ختم کیا۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ سلطان اویس، سلطان پھل کا فرزند تھا۔ ان تمام سلاطین کے حالات اپنے محل میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیے جائیں گے۔

واقعے کی طرف رجوع

جب دلزاک نے ازراہ ہمدردی اور بطور احسان کے یوسف زئی کو مذکورہ ممالک دے دیے۔ تو یوسف زئی نے اپنے اثاثے اور مال و اسباب سمیت پشاور سے کوچ کیا۔ اور دو آبے میں آکر مقیم ہو گئے اس کے بعد وہ بیوانیں، یتیم اور یوسف زئی کے دیگر افراد جو کابل کے نواح میں رہ گئے تھے۔ اور تجارت پیشہ بھی جو کاروبار میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور پہلے قافلے کے ساتھ نہ آ سکے تھے۔ رفتہ رفتہ آنا شروع ہو گئے۔ اور دو آبے میں مقیم ہوتے رہے۔ یوسف زئیوں میں جو لوگ مال و اسباب اور مولیٰ رکھتے تھے وہ اپنے گھرانوں کے ساتھ میر جمال بن بازید منڈر امان زئی کے ساتھ (جس کا ذکر اپنے محل میں آئے گا) اوپر دانشکول اور عنبر چلے گئے جن میں سے کچھ دانشکول اور عنبر میں رہ گئے اور بعض منڈر کے بڑے بڑے نامور گھرانے، زیادہ تر خواجہ زئی مثلاً ناصر بن شریف، علاؤ الدین زئی اور مبارک بن پانڈہ ملی زئی پانڈہ خیل اور الیاس بن دلنگ ملی زئی سلطان خیل اور اکی بن احمد حسن خیل شامیزئی، جو نامور سردار تھے باجوڑ کو پہلے گئے اور لاشوڑہ کے مقام پر جہاں اب قطب الزمان

شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی ترنکی قدس سرہ کی قبر واقع ہے، سکونت پذیر ہو گئے۔ اس ارادے سے کہ باجوڑ بھی بہادر ہے دلاک نے دیا ہے۔ اس میں آباد ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ ملک ہیو بن جتہ دلاک عمر خیل جو اس آوان میں پڑا نامور اور بہت اہم شخصیت کا مالک تھا، تقریباً ایک ہزار عمر خیل گھرانوں کے ساتھ باجوڑ میں جندول کے مقام پر آباد تھا، اور عمر خیل دلاک میں بہادر قید تھا۔ پشاور کے دلاک نے جس جگہ میں دو آب، عنبر اور باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کیا تھا اس میں ملک ہیو موجود نہیں تھا۔ جو گے نے اس سے پوچھے بغیر باجوڑ بھی دے دیا تھا۔ جب ملک ہیو نے یہ سنا کہ یوسف زئیوں کو باجوڑ بھی دیدیا گیا۔ اور وہ اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے۔ تو اسے سخت غصہ آیا اور کہا کہ اگر دوسرے دلاکوں نے باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا ہے تو کیا ہوا، میں انہیں باجوڑ پر ہرگز قبضہ نہیں کرنے دوں گا۔ دلاک کون ہیں جو میر ملک یوسف زئیوں کو دے دیں۔ ملک ہیو سخت مشتعل تھا اور ڈینگیں مار رہا تھا کہ یوسف زئیوں کی کیا مجال کہ جندول میں قدم رکھیں۔ یوسف زئیوں نے متعدد قاصد اور خطوط ملک ہیو کے پاس بھیجے کہ جو گے کے فیصلے کا احترام کرو۔ اگر تمام دلاکوں نے یہ اتفاق رائے باجوڑ ہمیں دے دیا ہے تو تم بھی اسے واکزار کر دو۔ اور میدانی علاقے میں جہاں دوسرے دلاک آباد ہیں وہیں تم بھی چلے جاؤ ہری اور لڑائی اختیار نہ کرو۔ ملک ہیو نے جواب میں کہا کہ اللہ کی وحدانیت

لے لے ایک قبیلے کا نام ہے جو بستان میں قندہار کے جنوب میں دریائے گنداب کے کنارے واقع تھا۔ شیخ میرداد خلیل کو ترنگاؤں کے رہائش کی نسبت سے ترنگی کہا گیا۔

کی قسم ہے کہ جنگ اور زور کے بغیر میں باجوڑ ہرگز واکزار نہ کروں گا۔ دلاک کو اس کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنے اور جو گے کا احترام کرنیکا مشورہ دیا اور سب نے متفقہ طور پر ملک ہیو کے نام خط لکھا کہ ایسا نہ کرو۔ باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ تمام دلاکوں نے انصاف، یگانگت اور اخوت کے جذبے کے تحت کیا ہے۔ تم بھی باجوڑ ان کیلئے چھوڑ دو۔ اور اپنا سامان اٹھا کر باجوڑ سے آجاؤ۔ ہمارے پاس اب بھی بہت سارے ملک ہیں ہم سب مل کر یہاں رہیں گے اور کٹائیں کھائیں گے۔ مگر ملک ہیو نے کسی کا کہنا نہیں مانا۔ اس نے اپنے دل میں جنگ کی ٹھان لی تھی۔ آخر ان یوسف زئیوں نے بھی جو بال بچوں اور مال و اسباب سمیت جاکر لاشوڑہ میں مقیم ہو گئے تھے یہ فیصلہ کیا کہ جندول پہنچ کر اس پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ علاقہ باجوڑ میں سب سے بہتر ملک تو جندول ہے، یوسف زئی یہاں تک پہنچنے بھی جندول ہی کے ارادے سے تھے۔

ملک ہیو پوری رعوت اور غضب کے ساتھ اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ جندول سے کوچ کرتے ہوئے جنگ کی نیت سے آیا اور اوپر کھینکے "گاڑے ہوئے پتھر کے ستون" کے پاس جواب تک لاشوڑہ کی ندی کے شمال میں عین کنارے پر ایستادہ ہے، پڑاؤ کیا، ادھر یوسف زئی کا لشکر میر جمال امان زئی منڈ کے ساتھ ٹوپ اور چڑنی میں پڑا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان تمیٹا ایک میل کا فاصلہ تھا۔ خواجہ مورخ اپنے جذبہ گوار شیخ میرداد خلیل کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

"جب یوسف زئی موضع لاشوڑہ میں آکر مقیم ہوئے تو اس کے تقریباً ایک سال کے بعد قطب زمان جدی شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے، بھی اپنے افغانہ مریدوں کی ایک

جماعت کے ساتھ جو کم و بیش تین سو پچاس نفر تھے اور زیادہ تر انصاف میں غلیل لوگ تھے جو اپنی قوم سے ریجیدہ ہو کر ترک، ارگنداب اور قلعت نواح قذہار سے آکر موضع لاشوڑہ میں یوسف زئی کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یوسف زئی کے بہت سے لوگ بھی شیخ میرداد غلیل کے معتقد ہو گئے تھے۔ اور پھر ایک مدت کے بعد ایک حادثے کے سبب سارے غلیل اپنے بال بچوں کے ساتھ کوچ کر کے شیخ میرداد کے پاس چلے آئے تھے اور لاشوڑہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔

چونکہ غلیل کا مرنا جینا یوسف زئیوں کے ساتھ تھا اس لئے غلیل بھی اس معرکے میں ان کے ساتھ متحہ ہو گئے اور ہیروں جت کے مقابلے میں جنگ کیلئے میدان میں نکل آئے۔ ادھم دو آجے کے یوسف زئیوں کو ملک ہیرو سے بگڑے ہوئے حالات کی خبر پہنچی تو وہ بھی ایک لشکر کے ساتھ مسلح ہو کر اپنی قوم کی مدد کیلئے باجوڑ آ گئے۔ یوسف زئی اور غلیل دونوں مل کر لاشوڑہ کے میدان کی طرف بڑھے جہاں اس زمانے میں متہی عرب کا قلعہ اور غار نامی شہر آباد تھا۔ ہیرو نے جب ان کے لشکر دیکھے تو اپنے لشکر کے ساتھ جو پوری طرح مسلح و مستعد تھا "کک تیکہ" سے مقابلے کی نیت سے آگے بڑھے۔ یوسف زئیوں اور غلیل نے جو اس کا لشکر دیکھا تو ہیبت سے پسپا ہو کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک ہیرو نے دیکھا کہ یوسف زئی پیچھے ہٹ گئے ہیں تو سمجھا کہ یوسف زئیوں میں مقابلے کی تاب نہیں اس لئے وہ بے کھٹکے ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا اور لاشوڑہ کی ندی کو (جنوب کی طرف) پار کر لیا۔ یوسف زئی اور پیچھے ہٹ گئے۔ اب اس نے وہاں قدم جمائے جہاں پہلے یوسف زئی کھڑے تھے۔ یوسف زئیوں نے یہ صورت دیکھی تو

تو اور پیچھے ہٹ گئے۔ یہ اور بھی دلاور ہوتا گیا۔ غرض یہ کہ یوسف زئی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے گئے اور یہ ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا گیا، بالآخر یوسف زئیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کہاں تک پیچھے ہٹیں گے اگر ہم اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو یہ ہمارے جوانوں پر قابو پالیں گے۔ جنگ سے چھٹکارا نہیں، آگے بڑھو اور جوانمردی کے جوہر دکھاؤ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت ترکلانی لوگ لغمان میں اور مہند کابل کے نواح میں تھے اور اس وقت ملک سرخابی بن شمو ترکلانی قبیلے کا نامور سردار تھا، وہ بابر بادشاہ کا قریبی مصاحب و محترم تھا اور ملک گھگرہ مہند قبیلے کا سردار اور شجاع وقت تھا۔ ان دونوں کو جب اس نزاع کی خبر پہنچی تو وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور باجوڑ پہنچ گئے تاکہ فریقین میں مصالحت کی کوشش کریں۔ یہ دونوں سردار فریقین کے درمیان صلح کرانے کیلئے پھرتے رہے، لیکن دل سے وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ جس طرح دوسرے دلاوروں نے باجوڑ کا علاقہ یوسف زئی اور غلیل کو دے دیا ہے، ملک ہیرو کو بھی چاہئے کہ یہ ملک ان کیلئے چھوڑ دے اور خود اپنے عزیزوں کے ساتھ میدانی علاقے میں جا کر سکونت پذیر ہو جائے جہاں ان کی اکثریت رہتی ہے۔

ملک سرخابی اور ملک گھگرہ نے ہیرو کو نصیحت کی کہ خدا نے تمہیں بہت سارے مالک عنایت کئے ہیں، اختلاف و جنگ کا راستہ اختیار نہ کرو یہ ملک برضا و رغبت یوسف زئی کو دیدو۔ مگر ہیرو کو یہ نصیحت پسند نہیں آئی اور وہ صدائے انا ولا غیر (صرف میں ہوں میرا کوئی مد مقابل نہیں ہے) بلند کرتا رہا۔ وہ اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ملک سرخابی اور گھگرہ تو صرف صلح و صفائی کرنے والے ہیں ہمارے

مقابلے میں جنگی فریق بننا پسند نہیں کریں گے اس لئے جیسوبے دھڑک ہو کر یوسف زئی اور غلیل کے گھروں اور بال بچوں پر چڑھ آیا اور تیر برسانا شروع کر دیئے۔

ملک سرفانی اور گھگر کے لشکر ایک طرف کو کھڑے تھے اب ان کیلئے صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی۔ خوفی قربت داری کے جذبے نے بے اختیار کر دیا۔ وہ غصے سے پھر گئے۔ چنانچہ ایک دم اپنے لشکر کے ساتھ ہیپو کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور یوسف زئی اور خلیل کو بھی لٹکارا۔ اچانک وہ بھی حمل آور ہوئے اور ایک ایسی بے پناہ جنگ شروع ہوئی کہ تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشیتے لگ گئے۔

کہتے ہیں کہ ملک سرخانی ترکانی، ملک گھگڑ مہمند اور میر جمال بن یازید بن حسام دولت زئی امان زئی مندڑ نے سب سے پہلے دلاک پر حملہ کیا تھا۔ ازاں بعد دوسرے سواروں نے بھی ان کی پیروی کی۔ ہر کسی کی نگاہ ہیپو پر لگی ہوئی تھی۔ دوسری جگہ وہ اپنے آپ کو نہیں پھنسانا چاہتے تھے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ درمیان میں رُکے بغیر اُس تک پہنچ جائے۔ چنانچہ بہت سے عمر خیل کے دلاک بہادروں اور شہسواروں کو قتل کرتے ہوئے ہیپو تک پہنچ گئے اور ہیپو اور اس کے بھائی بہان شاہ کو تہ تیغ کر کے زمین پر گرادیا۔ ہیپو پر سب سے پہلے پائندہ ترکلانی ککازئی نے تلوار کا وار کیا پھر برہان ترکلانی ککازئی نے تلوار سے اس کی گردن پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر گر گیا۔ میر جمال امان زئی مندڑ نے گھوڑے سے کود کر اس کی زہ اتار لی اور تلوار بھی اپنے قبضے میں کر لی۔

سمتے ہیں کہ ملک ہیبیو کی زرہ اور تلوار دونوں قیمتی تحفیں، میر جمال کی اولاد کے پاس وہ زرہ ۳۰۰۰ روپے، تلوار کے طور پر محفوظ اور سارے یوسف

منظرہ بکد خشتی قبائل میں مشہور ہے۔ اس کے لئے کہ کئی سو روپے تک کی پیش کش کیگئی لیکن میر جلال کی اولاد نے اُسے دینے سے انکار کر دیا۔ ملک ولی بیگ ترکمانی نے بھی اس کیلئے بڑی سعی کی اور ہاتھ پیر مارے کہ یہ یادگار پتھر اس کے پاس آجائے۔ یاد جو دیکھ یہ آپس میں قہر مٹی غر زبھی تھے اور دو سال تک یہ زہر اس کے گھر میں پٹری رہی تھی اور کوشش کی کہ یہ ان کے گھر سے نہ نکلے لیکن میر جلال کی اولاد نے نہیں مانا اور زہر اس سے واپس لے لی۔

۱۰۳۱ھ میں یہ ذرہ میر جہاں کی اولاد کے گھر سے ملک باؤا بن میر اہل
ابن یحییٰ (ادین زئی) عللاوالین زئی سرخیں فروخت کرنے کی غرض سے
لایا تھا اور کوئی شخص تین سو روپے دے رہا تھا مگر اس نے نہیں
دی اور واپس لے گیا۔ اُس وقت میر جہاں کی اولاد شیر درہ میں آباد تھا۔
اور وہ شخص جس کے پاس یہ تاریخی ذرہ تھا وہ بھی شیر درہ میں امان زئی
کے ساتھ رہتا تھا۔

القصہ جب ملک پیسہ اور اس کا بھائی جہان شاہ دونوں قتل ہو گئے
 و دلاک پسپا ہو کر دو آہ جندول کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، یوسف زئی
 و ان کے حریف ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے
 یہاں تک کہ انہیں جندول کے رود (ندی) کے پار کر دیا اور یہ ٹوپ،
 مخمڑی میں اپنے اپنے مکانوں کو لوٹ آئے۔ ملک سرخابی اور ملک گھگر
 نے یوسف زئی اور خلیل سے کہا کہ ہم نے تمہیں فتح دلادی اور یا جوڑ
 تمہارے لئے جیت لئے اب تم دونوں امن سے رہو اور کھاؤ پیو، ہم اپنے
 گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک سرخابی اور ملک گھگر اپنے
 لشکروں کے ہمراہ اپنے اپنے گھروں یعنی کابل اور لغمان کو روانہ ہو گئے۔
 دلاک جو زندہ بچ گئے تھے جندول چلے گئے، لیکن اب حالات پر ان

قابو نہ تھا اور ان کے قدم اکھڑ چکے تھے اس لئے سب نے وہاں سے کوچ کر کے بچنے کی طرف جائیکا فیصلہ کیا مگر لاشوڑے کے راستے پر یوسف زئی اور خلیل کا قبضہ تھا اور وہ انہیں پھوڑ نہیں رہے تھے آخر کو موریا کی مور والی درے کی چوٹی پر چڑھ کر غنبر اور دانشکول پہنچے اور اکٹھے رہنے لگے۔ یوسف زئی اور خلیل نے باجوڑ کا علاقہ آپس میں تقسیم کر لیا۔ لاشوڑے سے ہندو راج تک اور چارمگ سے ناوگئی تک مع توابع اور ملحقات کے خلیل کے حصے میں آیا اور جندول، باقرہ مع مضافات یوسف زئیوں کے حصے میں۔ دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور جو یوسف زئی بطور کمک دو آبے سے گئے تھے پھر دو آبے کو لوٹ آئے۔

عرصہ دراز تک یوسف زئی اور خلیل نے آپس میں بہت اچھے تعلقات استوار رکھے لیکن پھر خلیل کی طرف سے بگاڑ کا آغاز ہوا۔ وہ یوسف زئی پر تعرض اور زیادتی کرنے لگے۔ فساد کی نشانیہ تھی کہ میر جمال بہت مالدار تھا اور گھوڑوں کا بہت گلہ رکھتا تھا جن سے بہترین گھوڑے پیدا ہوتے تھے اور فروخت کئے جاتے تھے۔ اتفاقاً پائی بن سالار خلیل ہاروزئی، ملازئی، عمرزئی نے جو ایک نامی شخص تھا، میر جمال سے چند گھوڑے بطور قرض ایک مہینہ مدت کی ميعاد پر لے لیے جب ميعاد پوری ہو گئی اور میر جمال نے اپنی رستم کا مطالبہ کیا تو پائی نے بد معاہدگی شروع کی اور ٹال مٹول کرنے لگا حالانکہ وہ ایک مالدار شخص تھا اور قرض کی ادائیگی اس کیلئے کچھ مشکل نہ تھی مگر بد معاہدگی اور شرارت اس کی طبیعت بن گئی تھی اور فتنہ انگیزی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ ہر چند کہ میر جمال اس سے ملائت اور نرمی سے قرض مانگتا تھا اور جرگے بھیجتا تھا مگر وہ قرض کی ادائیگی میں برابر لیت و دلت

سے کام لے رہا تھا۔

آخر میر جمال ہر طرح سے کوشش کر کے تھک گیا۔ اسی طرح دوسرے خلیل نے بھی شرارت، بد معاہدگی اور دست اندازی کو اپنا شعار بنالیا۔ یوسف زئی کے مال اور فصلوں پر رات کو چپاؤ کرتے اور لوٹ لیجاتے۔ گھی اور دوسری چیزیں یوسف زئی سے خریدتے تھے اور قیمت نہیں دیتے تھے، آخر تمام یوسف زئی میر جمال کی طرح خلیل سے عاجز آ گئے اور خلیل کے بارے میں ان کی رائے بہت خراب ہو گئی۔ ایک دن میر جمال اور پائی کے درمیان قرضہ مذکورہ کے سبب ہاتھ پائی ہو گئی۔ اس کے بعد گویا کہ یوسف زئی اور خلیل قومی حیثیتوں میں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور لاشوڑے اور باقرے کی حد، باریکاب کے دریا اور در سک کے مقام پر جنگ ہو گئی۔

ورسک وہ مقام ہے جہاں سے باجوڑ جاتے ہوئے بابر بادشاہ نے گبر کوٹ گبروں کے سردار حیدر علی سے پھینسا تھا اور بہت سے گبروں کو قتل کیا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک بلند چٹان ہے اور دوسری طرف بابر نے ایک بڑی خندق کھدوا کر اس کے ارد گرد زبردست حصار بنایا تھا۔ پھر زین خان کو کہنے اکبر بادشاہ کے عہد میں جب وہ یوسف زئی کی مہم پر آیا تھا، مٹی کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام چار قلعہ رکھا تھا اس قلعے کے کھنڈرات تا حال موجود ہیں۔

انقص یہ کہ خلیل نے اس جنگ میں یوسف زئیوں کو شکست دے دی اور تعاقب کر کے جندول کی ندی کے پار پنجکوڑے کے مقام تک انہیں چھگادیا مگر خلیلوں نے یہ احسان کیا کہ ان کے بال بچوں اور دیہات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہ دیہات جندول اور باقرے کی شاہراہ پر واقع تھے۔ خلیل اس جیت سے خوش ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور

یوسف زئی کی ساری قوم کیا باجوڑ اور کیا دو آبے کی اس شکست پر اور اپنے مردوں پر جن میں نامی گرامی لوگ شامل تھے، نجل اور منفعل ہو گئی۔ اس لئے باجوڑ کے یوسف زئی پھر شکر کی فکر میں لگ گئے وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی فیصلہ کن جنگ لڑیں جس میں ہمیشہ کیلئے فیصلہ ہو جائے کہ باجوڑ میں کون رہتا ہے، یوسف زئی یا خلیل؟

آخر باجوڑ میں یوسف زئی کے سارے ملک جمع ہوئے اور مشورے سے یہ طے پایا کہ پہلے جرگے کی شکل میں دو آبے میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے جائیں گے۔

آخر یہ صلاح ناصر بن شرغہ اکوڑی خواجوزی علاؤ الدین زئی اور مبارک بن پائندہ ملی زئی پائندہ خیل اور الیاس بن دلچک ملی زئی سلطان خیل اور الکی بن احمد خواجوزی شامیری سنیل اور کد بن مترک منڈر ماموڑی اور تاجک بن معروف ملک زئی رزڑ جو یوسف زئی کے نامور ملک تھے بطریق جرگہ دو آبے گئے اور اپنی ساری قوم کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا انہیں اپنی سرگذشت سنائی اور انہیں بتایا کہ خلیل نے کس طرح بد خصلتی اور تعدی کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ اور ناحق ہم پر شکر کشتی کی اور ہمیں قتل و غارت کیا پھر ان کی یہ بدی اور شرارت اب بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ مسلسل جاری ہے۔ چنانچہ گاڑ کے اور نیشکے کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اب باجوڑ بھی ہم سے چھین لیا۔ چنانچہ ملک احمد جو سب کا سردار اور سربراہ تھا اور شیخ ملی بن پیر کی اکاند فی اتمان منڈر جو مشاہیر میں سے تھا اور ملک احمد کاشانی، ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی منڈر خان، کچوکا پدر بزرگوار جو اپنے زمانے کے نامی لوگوں میں سے تھا اور ملک محمود بن یحییٰ اکوڑی خواجوزی علاؤ الدین زئی اور خواجہ خضر بن شیخ عثمان

بن موتی ملی زئی اوسا خیل جن کے مقامات عالیہ کا ذکر اس سے قبل گزر چکا ہے اور شیخ سینا ابن نیکی خواجوزی نیکی خیل جو یوسف زئی کے مقتداؤں میں سے تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام مشاہیر وقت نے ان حقائق کو بالاتفاق تسلیم کیا اور کہا کہ فی الحقیقت خلیل "گاڑ کے" اور "نیشکی" کے زمانے سے ہمارے درپے آزاد رہے ہیں۔ وہاں بھی ہم پر تعدی اور فتنہ انگیزی کرتے تھے پہلے قندار سے ہمیں نکالا پھر جب ہم یہاں آ گئے تو یہ یہاں بھی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ان کی بیوفائیوں اور تمام برائیوں کے باوجود جب ان پر بُرا وقت پڑا اور یہ یہاں آئے تو ہم نے ان کے ساتھ یہ احسان کیا کہ آدھا باجوڑ ان کو دے دیا۔ لیکن ہمارے اس احسان کے باوجود نہ تو انہوں نے ہمارا احسان مانا اور نہ ان کی سرشت بدلی۔ اپنی بد اعمالیوں پر نادم ہونے کے بجائے اپنی بُرائی بد خلقی پر اتر آئے۔ چنانچہ بعد صلاح و مشورے پایا کہ اس وقت خلیل تنہا ہیں۔ مہمند اور داؤد زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں اس لئے ان پر لشکر کشی کرنے اور باجوڑ سے انہیں نکال باہر کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں داؤد زئی اور بعض مہمند جو مقررہ قرہ باغ سے آئے ہوئے تھے، کابل کے نواح میں سکونت پذیر تھے اور بعض مہمند ابھی ارگنداب، مقررہ قرہ باغ ہی میں تھے اس لئے یہ صلاح ہوئی کہ، هجوم و اقدام میں جلدی کریں تاکہ مہمند اور داؤد زئی ان کی مدد کیلئے نہ آسکیں۔ یوسف زئی نے یہ عجلت تمام شکر کا انتظام کیا اور جمعیت تمام اور ہیئت عظیم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ان ایام میں یوسف زئیوں نے پھر اشغر پر قبضہ

کر لیا تھا۔ حصار اشغفر کے نالے سے حصار بالول، حصار بیغی، کائننگ، سنگاؤ، شیر خانی، بازدرے، مورا نامی پہاڑ اور ٹوٹٹی تک کا جگہ سیوری، مالکاند تک تمام میدانی، پہاڑ کے دامن تک تمام علاقہ شلمانوں سے جنگ میں انہیں شکست دے کر چھین لیا تھا اور جا بجا اس میں آباد ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں اشغفر کے ساکنین شلمانی تھے اور اشغفر کے ماسوا سارے علاقوں میں دہندگان لوگ آباد تھے جو سلطان پھل کی رعیت تھے۔ سلطان پھل سوات کا سلطان تھا جس کا ذکر اپنے محل میں (انشاء اللہ تعالیٰ) آجائے گا۔

القصد یوسف زئی اپنے تمام شرکاء اور ہمسایوں مثلاً گدوت، کنار اور اتان خیل وغیرہ کے ساتھ جو اس وقت تک یوسف زئی کے ساتھ رہتے تھے، شکر بنا کر پنڈیالی اور کرپہ کے راستے روانہ ہوئے اور دانشکول پہنچ کر پڑاؤ کیا۔

ٹھیک اس زمانے میں جب باجوڑ کے یوسف زئیوں کا جرگہ دو کہہ جا رہا تھا دوسرا جرگہ میر جمال امان زئی منڈر کی سرگردگی میں دانشکول روانہ کیا گیا تھا تاکہ دلزاک سے صلح و صفائی کر کے انہیں اپنی مدد کیلئے آمادہ کریں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت میر جمال امان زئی ملک ہیپو کے یہاں ہر طریق جرگہ اور گناہ بخشوانے جا رہا تھا تو میر جمال اور اس کے فرزند احمد دونوں نے تلوار اور کفن لگے میں ڈال لئے تھے۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں ملک ہیپو کے گھر میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ میر جمال ہیپو کے گھر میں داخل ہو گیا، اس نے جاکر مسجد میں یہ بات کہہ دی۔ مسجد والوں نے ہیپو کی بیوہ کے پاس آدمی بھیجا کہ میر جمال کے ساتھ عزت و حرمت کا سلوک اور خاطر مدارات کرو صبح کو ہم احوال معلوم کریں گے۔

ملک ہیپو کی بیوہ نے میر جمال کی اچھی طرح مدارات کی۔ صبح کو عمر خیل دلزاک ملک ہیپو کے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ گئے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کی اُس کے بعد دریافت کیا کہ خیر سے آپ کا آنا کیسے اور کس مطلب سے ہوا ہے؟ میر جمال نے کہا کہ مجھ سے تقصیر ہوئی ہے آپ کا قصور وار ہوں، یہ رہی تلوار اور کفن، آپ کو اختیار ہے خواہ مار ڈالیں خواہ معاف کر دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھ بدسلوکی خلیل نے کی ہے یوسف زئی نے نہیں کی، اگر خلیل نہ ہوتے تو یہ بدسلوکی بھی نہ ہوتی اس فساد کا سبب دہی لوگ تھے اب وہ آپ کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے بھی قیدی دشمن ہیں۔ گاڑ کے اور نیشکے کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ آزار رسائی اور برائی کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ ہم نے ان پر احسانات کئے تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کس شان سے بدسلوکی کی، میں اب جو گے (منوائے) کے طریق پر آیا ہوں ہمارے ساتھ شکر کریں کہ ان کے ساتھ جنگ کریں باجوڑ یا ہمارا ہو جائے یا ان کا، ان کے ساتھ شریک رہنا اب ہم سے نہیں ہو سکتا۔

دلزاک عمر خیل نے میر جمال سے کہا کہ میر جمال! اب جبکہ تم معافی مانگنے آئے ہو اور ہم کی غرض سے آئے ہو، تم ہمارے عزیز ہو ہم تمہارے ساتھ شکر بھی کر دیں گے اور تمہاری ہم کو تکمیل تک پہنچا دیں گے۔

یوسف زئیوں کا شکر دانشکول پہنچا تو میر جمال ابھی تک وہیں تھے۔ انہوں نے حالات کو اپنی منشاء کے مطابق درست کر دیا تھا۔ اب دو کہہ کے یوسف زئی اور میر جمال اور عمر خیل کا لشکر سب کا سب دانشکول پر جمع ہو گیا سب نے باہم مشورہ کیا کہ عمر خیل اور

باجوڑ کے یوسف زئی میر جمال کے ساتھ شارع عام پر چار منگ پہنچیں تاکہ خلیل کے لئے سرکوب (چوٹی) کا راستہ بند کر دیں اور ناوٹھے کے راستے کی بھی دیکھ بھال کر لیں تاکہ خلیل پشت کی طرف سے کوٹر کے راستے لمخان (کابل) نہ بھاگ جائیں اور یہ عظیم شکر بھی اور ہم رشت (یارخت) کی چوٹی پر سے باجوڑ میں بخیریت اتر جائیں۔

آخر الامر میر جمال اپنے عزیزوں اور دلزاک کی معیت میں چار منگ کے راستے اور دوسرے قبائل کا زبردست شکر رخت کی چوٹی کے راستے باجوڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میر جمال کے شکر نے چوٹی کو سر کر لیا تو نیچے لاشوڑے کے میدان میں ایک بڑے لشکر پر اس کی نظر پڑی (یہ ایک خطرے کی علامت تھی)۔

میر جمال ملک ہیبو کے گھر دانشکول جا رہا تھا تو اپنے اعیانی بھائی ابوبکر نامی سے جو ساری قوم میں بہت بہادر اور اپنے وقت کا بے نظیر شخص تھا، کہا تھا کہ تم اپنے مابقیہ عزیزوں کے ساتھ ہمیشہ نکل کر اپنے گاؤں اور گرد و نواح کی پاسبانی اور حفاظت اور حدود کی نگہداشت کرتے رہنا۔ چنانچہ ابوبکر مذکور میر جمال کی ہدایت کے مطابق سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ روزانہ پاسبانی اور حفاظت کرتا تھا۔ خلیل کو یہ معلوم ہوا تو اس کی تاک میں رہنے لگے اس روز خلیل نے ابوبکر کی تلاش میں اس جگہ جہاں پر شیخ اسماعیل بن محمود مہند قدس سترہ کی قبر واقع ہے پھپ کر بیٹھ گئے۔ جب ابوبکر اس کے قریب پہنچ گیا تو اچانک پناہ گاہ سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا اور ابوبکر کو سواروں سمیت قتل کر دیا۔ میر جمال کو جو خطرہ تھا اور جس کے پیش نظر اس نے جاتے ہوئے اپنے بھائی سے چوکنا رہنے

کی تاکید کی تھی وہ پیش آپ کا تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ خدا نخواستہ میرے بھائی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہو! اس نے اپنے بیٹے احمد کو ساتھ لیا اور شکر سے آگے نکل گیا راستے میں اپنے فرزند احمد سے کہنے لگا، کاش ابوبکر کو زندہ دیکھ سکوں! مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ابوبکر مردہ پڑا ہے۔ دونوں بہت رنجیدہ ہونے میر جمال نے بیٹے سے کہا کہ جلدی سے اتر کر ابوبکر کے دھڑ کو دو ٹکڑے کر دو نصف تم لے لو اور آدھا مجھے دے دو تاکہ آسانی کے ساتھ اٹھا کر لے چل سکیں۔ احمد نے غمزہ بچے میں کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میر جمال نے اس پر غصے کا اظہار کیا اور خود اتر کر ابوبکر کی لاش کے دو ٹکڑے کیے آدھا حصہ خود لیا اور آدھا احمد کو دے کر روانہ ہو گئے اور شکر سے جا ملے۔ اہل شکر نے اس پر بڑا فسوس کیا۔ شکر نے لاشوڑے کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ خلیل بھاگ کر ہندو راج کے درے میں اکٹھے ہو گئے۔ عمر خییل نے جنگ کا نقشہ اس طرح بنایا تھا کہ میر جمال اپنے عزیزوں کو ساتھ لیکر چار منگ کے راستے ہندو راج پہنچیں اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کر کے وہاں کے باشندوں سے کہیں کہ ان کا شکر ہندو راج کی چوٹی پر خلیل کا راستہ روک لے تاکہ وہ اسے پار کر کے دوسری طرف نہ جاسکیں۔ سرکوب کے راستے کی ناکہ بندی عمر خییل کہہ کر کرنی تھی اور ایک شکر کو نیچے کی طرف سے خلیل پر حملہ کرنا تھا اور اس طرح گھیر کر ان کو قتل کرنے اور ہمیشہ کے لئے عمر خییل دلزاک اور یوسف زئیوں کے درمیان سے اس کا نٹے کو نکال دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور یہ تصفیہ بھی کر لیا گیا تھا کہ چوٹی کے اس طرف کا علاقہ یوسف زئیوں کا اور اس طرف کا عمر خییل دلزاک کا ہو جائیگا۔ چنانچہ اس جنگی منصوبے کے مطابق میر جمال نے ہندو راج پہنچ

کر وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکبندی
کر دی۔ مورخ خواجہ یحییٰ کہتے ہیں کہ:-

”کوہ ہندو راج کے متصل ایک بڑے پہاڑ کا درہ ہے اور ہندو
راج ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو ہندو راجی کہتے
ہیں۔ اس وقت جب کہ ۱۰۳۲ء اس کے جنوب کی طرف اسماعیل زئی
ترکلائی آباد ہیں اور شمال کی طرف پرانے زمانے سے اب تک کفار رہتے
ہیں اور سارا علاقہ ان کے تصرف میں ہے۔“

الغرض میر جلال نے ہندو راجیوں کے ساتھ مل کر کوہ ہندو راج
کی چوٹی پر قبضہ کر لیا اور نیچے کی طرف سے بڑے لشکر نے پیش قدمی
کی۔

جس وقت بڑا لشکر دو میل کے فاصلے پر درے کے سنگم پر
پہنچ گیا۔ خلیل کا لشکر بھی پوری تیاری اور کامل جمعیت کے ساتھ اپنی
پناہ گاہوں سے نکل آیا۔ اس میدان میں جہاں اب ملک یار حسین ابن
پیر ترکلائی اور یازئی کا قبیلہ آباد ہے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے
کے آمنے سامنے آ گئے اور ایک سخت معرکہ پیش آیا۔ دونوں
فوجوں نے خوب ٹٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ کوئی کسی کو شکست
نہ دے سکا ابھی معرکہ کار زار گرم تھا کہ میر جلال اور ہندو راجی پیچھے سے
سنگم پر چڑھ آئے، خلیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہو گئے۔
اور بہت بار بیٹھے اور سنگم کی طرف پسا ہونے لگے، بعض میدان جنگ
میں مارے گئے اور بعض پسا ہونے میں مارے گئے اور اکثر سنگم میں
اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ بہت سے لوگ جو
پہنچ گئے تھے وہ ناگوئی کی طرف بھاگ نکلے۔ سنگم غارت و تباہ ہو گیا اور
عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں اس قدر لوگ قید ہو گئے تھے کہ بعض
یوسف زئیوں نے معنی کے برتنوں کے عوض قیدی فروخت کئے۔ چنانچہ
یوسف زئی خلیل کو اب تک یہ طعنہ دیتے ہیں۔ جس جگہ خلیل نے پڑاؤ
کیا تھا اُسے ابھی تک سنگم درہ کہتے ہیں اسی جگہ لشکر نے رات گزاری
ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے آپس میں مشورہ
کر کے خلیل کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جس جس کے یہاں قیدی تھے
سبھوں نے چھوڑ دیے۔ پھر بھی بعض لوگوں نے پھپھائیے۔ زان بند
سب خوش و خرم فتح کے شادیاں بجا تے دو آہے کو واپس آ گئے۔
کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب کہ یوسف زئی کابل سے آکر دو آہے
میں سکونت پذیر ہو گئے تو کچھ زمانے کے بعد دلاک کے اشارے پر
اشنغر پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ اس وقت اشنغر کا حاکم
میر ہندابن آرزو تھا جو قوم کا دھکان اور نسلا دودال (دودان)
سے متعلق تھا۔ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا نامور اور بہادر تھا، جو
اشنغر کے قلعے میں رہتا تھا اور اُس طرف سلطان اویس سوات کا بادشاہ
تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر سلاطین سوات کے سلسلے میں اپنے مقام پر
آئیگا۔ سوات سے لیکر شیر خانے، بازدرہ، برمول، سنگاؤ، حصار
بالول اور حصار بیغم اور حصار اشنغر اس کے تصرف میں تھے اور ان
تمام ممالک کے لوگ سلطان اویس کی رعیت تھے۔

اس زمانے میں تمام ملک اشنغر میں شلمانی قوم آباد تھی۔ اشنغر
کا قلعہ اس زمانے میں بڑا سنگین اور مضبوط تھا جو اونچے پتھروں پر اس
جگہ واقع تھا۔ جہاں ملک فتح خان بن ملک سعید خان بن ملک خضر خان
بن نصرت خان محمد زئی بارک زئی اشنغری کا مسکن اولین تھا جسے
قلعہ اشنغر کہا جاتا تھا اب یہ قلعہ ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گیا ہے۔

القصہ جب یوسف زئی نے اشغفر کے ملک پر قبضہ کا قصد کیا تو یوسف نامے کے چند نوجوانوں کو چھاپہ مارنے کی غرض سے اشغفر بھیجا ، تاکہ شلمانوں کے مال و مویشیاں چراگاہ سے پکڑ لائیں یہ چھاپہ مار اشغفر گئے اور شلمانوں کے مویشیوں کو پکڑ کر لے بھاگے لیکن میر ہندا اور شلمانوں کو واقعہ کی خبر مل گئی ، انہوں نے ان کا پیچھا کر کے اپنے مویشی چھڑا لیے یہ بیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ دو آبے واپس آ گئے ۔

صبح کو مندر نے خوب تیاری کر کے کچھ سواروں اور پیادوں کو پار بھیجا ۔ سوار تاک میں چھپ کر بیٹھ گئے ۔ پیادوں نے جاکر شلمانوں کے مویشی ہٹا دیے ۔ میر ہندا اور شلمانوں کو پھر اطلاع مل گئی ۔ انہوں نے پوری قوت اور کامل جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا : شلمانی تعاقب کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں مندر کے سوار چھپے ہوئے بیٹھے تھے تو اچانک سواروں نے ان پر ہلہ بول دیا اور ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے ۔ اس اثنا میں یوسف نامے کے لوگ بھی امداد کیلئے پہنچ گئے اور باہم لڑائی چھڑ گئی ۔ آخر میر ہندا اور شلمانوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہ تعاقب کرتے رہے تاکہ شلمانوں نے قلعے میں گھس کر دروازے بند کر لیے اور یوسف زئی نے ان کا محاصرہ کر لیا ۔

مؤرخ خواجہ کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے اشغفر پر قبضہ کرنے کی نیت کر لی تو اشغفر میں جہاں جہاں شلمانی مقیم تھے وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر اپنے مال و اسباب سمیت حصار (قلعہ) میں داخل ہو گئے تھے ۔ یوسف زئی نے حصار اشغفر اور جیند دریا کے درمیانی علاقے کی ناکہ بندی کر کے ان کا پانی بند کر دیا ۔ تین چار دن کی محصوریت سے بہت عاجز اور مضطرب و مجبور ہو گئے اور ملک احمد کو پیغام بھیجا

کہ ہمیں خدا نے شرمندہ کر دیا ، اب عاجز و لاچار ہیں راستہ دیدیں ۔ کہ یہاں سے چلے جائیں اور اس قدر سہولت دیدیں کہ جو مال و اسباب اپنے ساتھ لے جاسکیں لیجائیں ۔

ملک احمد اور دوسرے سرداروں نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دیدی ۔ تمام شلمانی اور میر ہندا اپنی فوج کے ساتھ جس قدر مال و اسباب اٹھا کر لے جاسکتے تھے اٹھا کر رات کے وقت قلعے سے نکل کر حصار بالول کی طرف روانہ ہو گئے اور بقیہ مال و اسباب سب وہیں چھوڑ گئے ۔ ساری رات کو توج کرنے کے بعد صبح کے وقت حصار بالول میں پہنچ گئے جو سنگین اور محکم تھا ۔ صبح تڑکے یوسف زئی حصار اشغفر میں داخل ہوئے اور بقیہ تمام مال و اسباب کو غارت کر دیا اور سارے اشغفر کو اپنے تصرف میں لے آئے اور دو آبے سے ہر نسل اور ہر قبیلے سے برابر برابر لوگوں کو لیکر اشغفر میں آباد کر دیا ۔ اس کے بعد میر ہندا کے تعاقب میں روانہ ہو گئے ۔ جب میر ہندا کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حصار بالول سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا اور حصار بیغم میں پناہ لی ۔ یوسف زئی حصار بالول سے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے ، اسے یہ معلوم ہوا تو وہ حصار بیغم سے بھی فرار ہو کر شیرخانہ کو چلا گیا ۔ مخفی نہ رہے کہ قلعہ بالول اور قلعہ بیغم دونوں چھوٹے ، مگر سنگین قلعے تھے اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں ۔ دونوں قلعے موضع کلپاڑی کے محلانے میں واقع تھے ۔ قلعہ بیغم بند ٹیلے پر واقع تھا اور حصار بالول سے خوبصورت تھا مگر اب لوٹ پھوٹ گئے ہیں ۔ دونوں قلعوں کے درمیان اڑھائی میل کا فاصلہ ہے ۔

یوسف زئی اس طرح میر ہندا کے تعاقب میں بڑھتے رہے اور وہ آگے آگے فرار ہوتا رہا۔ کسی جگہ بھی اس کے پیر نہ مل سکے یہاں تک کہ میدانی علاقے میں دیہگان قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔ سب کے سب مورانامی پہاڑ کی چوٹی کو عبور کر کے سوات چلے گئے میر ہندا کا گھر تنھانہ میں تھا اور اس کا قبیلہ ڈوڈال بھی تنھانہ میں رہتا تھا وہ بھی تنھانہ چلا گیا۔ تنھانہ سوات میں ایک مشہور گاؤں ہے۔

اس کے بعد یوسف زئی واپس لوٹ آئے اور دامن کوہ اور میدانی علاقے کے تمام ممالک حصار اشغر کے جیندے منے سے لیکر اشغر، حصار بالول، حصار بیغم، شیر خانی، کالنگ، سنگاؤ، بازوہ، مورانامی پہاڑ تک شلمانوں اور دیہگانوں سے خالی کرالئے اور اپنے تصرف میں لے آئے اور اس طرح اپنے مقابلے میں ان ممالک کے کسی دعویدار کو باقی نہ چھوڑا۔ مگر اتفاقاً اس اثناء میں یوسف زئی اور پشاور کے دلزاک کے مابین مخالفت پیدا ہو گئی۔

ان حالات کی تفصیل یہ ہے۔ کہ پشاور کے دلزاک چوری چھپے رات کو اور دن کو بھی پانڈا کر یوسف زئی کے گرد و نواح میں پھرتے رہتے تھے اور جوں ہی موقع پاتے نقصان پہنچاتے تھے جب ملک احمد اور دو سکسہ داران یوسف زئی، ان سے شکایت کرتے تو یہ جواب میں کہتے سکا ہم کسی کے ساتھ برائی کرنے کے

لے دیہقان یا دیہگان وہ شخص جو امور میں تصرف پرستی کیساتھ قادر و توانا ہو، دانائے کار، رئیس وہ۔ یہ دیہگان کا معرب ہے۔ ،
(نکوالہ فتوح البلدان ، اردو مترجم سید ابو الخیر مودودی ص ۳۳)

روادار نہیں ہیں آپ پور و چکار سے ہوشیار رہیں۔ بالآخر دلزاک کے دھاڑوں اور چوریوں سے یوسف زئی لاپار ہو گئے۔ ملک احمد نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایک رات پار چاکر دلزاک کے مویشی ہانک لائیں شاید وہ اس طرح ڈر کر بُرائی سے دہشت بردار ہو جائیں۔ چنانچہ ایک رات یوسف زئی کے ڈاکو پار گئے اور ملک محمد خان دلزاک کی خاص سواری کا گھوڑا اڑا لے اور شیخ علی اکا زئی مندر کو دیدیا۔

دلزاک کو اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے بہت پیچ و تاب کھاتے اب وہ کھلم کھلا یوسف زئی کو نقصان پہنچانے پر کمر بستہ ہو گئے شب و روز پار آتے اور ایذا پہنچاتے تھے۔ شیخ علی ہمیشہ محمد خان کے اسی گھوڑے پر سوار ہوتے اور رات کے وقت چند سواروں اور پیادوں کے ساتھ قوم کی نگہبانی اور گرد و نواح کی حفاظت کرتے بالخصوص درمیانی گزرگاہ کی تو ساری رات بالا و پائیاں نگہبانی ہوتی تھی کہ مبادا دلزاک پار آکر نقصان پہنچائیں۔

ایک رات جو ہڑا بن کیمل اور بعض دلزاک جو اس وقت کے شجاع تھے کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ شبنون مارنے کیلئے بہرہ اور تنگی کے اور اس جگہ کے مقابل جہاں علی کی زیارت ہے پھپ کر پار آ گئے ان میں سے کچھ دریا کے کنارے پہاڑ میں تنگی کی گزرگاہ کے قریب پھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگ یوسف زئیوں کے دیہات کے نزدیک جہاں اس زمانے میں زیتون کے درختوں کا جنگل تھا، گئے اور پھپ کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مویشی آجائیں تو پہرہ کر لے جائیں۔ شیخ علی اس شب کو بھی اپنی عادت اور معمول کیطابق کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میچنے کی گزرگاہ سے بہت نیچے

صبح نشانہ باز تھے، یوسف زئی کے بھی کافی تیر انداز تھے اور میچنے کے پہاڑ کے قریب تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور جنگ چھڑ گئی۔

دریا کے دوسری طرف کنارے کنارے دلاک کے دیہات تھے ملک محمد خان دلاک کا گاؤں بھی دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ محمد خان جاکر برسر کے پہاڑ ورسک میچنے کی گزرگاہ کے بالمقابل بیٹھ گیا اور جو کام اور جنگ کے قابل آدمی تھے ان سب کو شناساؤں پر بار کرادیا، اور بوضعیت اور کمزور تھے وہ اس کے ساتھ دیں بیٹھ گئے اور جنگ کا تماشا دیکھنے لگے۔ میدان جنگ وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ طرفین نے جنگ میں کوئی کمی نہ کی۔ تیر اندازی کے بعد دست بدست تلواریں چلنے لگیں مگر شکست کسی نے نہ کھائی۔ طرفین سے کوئی مرجاتا یا زخمی ہو جاتا تو اسے میدان جنگ سے ہٹایا جاتا۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو جانبین نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ آئیں یہ تمہاری مردانگی اور ہمت پر اب جب کہ رات ہو گئی ہے اور دونوں طرف کے لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور اپنے مقتولوں کو دفن اور زخمیوں کی مرہم پہن کریں۔ آخر طے پایا کہ ایک جانب کے لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور دوسری جانب کے لوگ اپنے مقتولوں کو یہاں دفن کریں۔ دوسرے دن دوسری جانب کے لوگ آجائیں گے اور وہ اپنے مردوں کو دفنائیں گے۔ چنانچہ اس قرار داد کی مطابق دلاک نے وہیں رات گزاری، صبح کے وقت انہوں نے اپنے مردوں کو اٹھایا اور وہ شمال کی طرف کے گہریوں کی چوٹی کے دامن میں ہموار زمین میں دفن کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی آئے اور اپنے مردوں کو

اس مقام تک پہنچ گئے جہاں شیخ عباس کے والد حاجی محمد کی قبر ہے اور دوسری طرف دریا کے کنارے دلاک کا گاؤں تھا جس میں یوسف زئی کی ایک خاتون بیابھی گئی تھی جسے دلاک کے اس چچا کو اور غارت گری کا علم تھا کہ وہ شیخوں کی غرض سے پار چلے گئے ہیں، یہ خاتون اپنی قوم (یوسف زئی) کی خیر خواہی کے سبب دریا کے کنارے آگئی اور بلند آواز میں رمز و کنایہ کے طریق پر کہا کہ اے سوارو! میں تمہاری بہن ہوں ہماری طرف سے سب ڈاکو تمہاری طرف لینگے ہیں اور تمام بہترین سبب ان میں شامل ہیں۔ پس خبردار رہو۔ اس قول سے اس کی مراد یہ تھی کہ دلاک کا دھاڑا پار گیا ہے اور دلاک کے بہترین سوار اس میں شامل ہیں۔ شیخ ملی نے جوں ہی اس نیک سرشت بی بی کی بات سنی اُسے پہچان لیا اور اس کے کنارے کو بھی سمجھ گیا کہ دلاک کا دھاڑا شیخوں مارنے اس طرف آ گیا ہے۔

دلاک اور یوسف زئی کی جنگ

شیخ ملی نے فوراً اپنے دیہات میں قاصد بھیج دیے اور لوگوں کو خبردار کر دیا۔ چاشت کے وقت تک تمام لوگ نکل کر جمع ہو گئے یعنی ہر طرف کے دیہات سے دھاوے آگئے گاؤں کے قریب دلاک کو دیکھا اور پیچھے ہولے۔ دوسری طرف سے شیخ ملی بھی دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف آ رہا تھا۔ سب آکر پیچونی (موڑ) کے بالمقابل جمع ہو گئے۔ دلاک بھی سب آکر پیچونی کے دلاک سے پہاڑ میں آکر مل گئے۔ یوسف زئی کے پیادے اوپر کی طرف سے آگئے اور سوار نیچے کی طرف سے اوپر چڑھ گئے دلاک تیر زنی میں مشہور اور

اٹھا کر دلزاک کے مقبرے کے متصل پانچ چھ گز کے فاصلے پر دفن کیا۔ دونوں قبرستانوں کے درمیان سے کڑپے کو راستہ جاتا ہے، باجور کا راستہ یوسف زئی کے مقبرے کے پاس الگ ہو گیا ہے اور گبریوں کا راستہ بھی یہاں سے الگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ راستے سے مغرب کی طرف دلزاک کا مقبرہ ہے اور مشرق کی جانب یوسف زئی کا۔

اس مقام پر سفید مٹی اور سنگ ریزے بہت زیادہ ہیں چنانچہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بھی سفید سنگ ریزے ڈال دیئے ہیں اس لئے دور سے وہ جگہ سفید دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس مقام کو "سپین خاک" کہا جاتا ہے۔ گرد و نواح کے بسنے والے والوں میں یہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

یوسف زئی کیساتھ لڑنے والے دلزاک کا لشکر جمع کرنا

یہ سانحہ دلزاک پر بہت سخت گزرا اس لئے انہوں نے لشکر جمع کرنے میں بہت کوشش کی اور لشکر بڑا جمع کر کے روانہ ہو گئے اور میچنے تنگی کی گزرگاہ پر، بربر کے مقام میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس زمانے میں یوسف زئی کثرت اور طاقت کے لحاظ سے کوئی خاص حیثیت نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ ابھی نئے نئے کابل سے یہاں پہنچے تھے۔ مرزا الخ بیگ کے حوادث نے انہیں پہلے ہی شکستہ حال کر دیا تھا۔ پھر بھی جس طرح ممکن ہوا لشکر اکٹھا کر کے میچنے کی گزرگاہ پر بربر کے لشکر کے مقابلے میں مودچے سنبھال لئے۔ مگر یوسف زئی بڑے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کا لشکر قلیل تھا۔ اس موقع

پر ملک احمد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا:-
 "اے میرے عزیزو! دلزاک بہت بڑی نسل ہے۔ ان ممالک میں ہر جگہ یہی لوگ آباد ہیں۔ چنانچہ پشاور، ننگرہار، تیراہ، کلپاٹری سے پیہور تک جو دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور پچھم، ہزارہ، کمرنگ جو دریائے سندھ کے آسن پار واقع ہیں۔ ہر جگہ یہی لوگ بستے ہیں اور ہم سڑبئی قبیلے کے اس ملک میں یہی محدودے چند دیہات ہیں وہ بھی ان ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ ہمارے سڑبئی میں سے گنگیانی اور محمد زئی کابل میں رہ گئے ترمکافی لمخان میں اور غودیاخل مقرر، ارگنداب اور قزو باغ میں رہ گئے ہیں۔ پس ہمارے اندر ان کے ساتھ جنگ، مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے میں قوم کی بہتری اس میں ہے کہ میں ملک محمد خان کے پاس بطور حبرگہ (ننواتے) چلا جاؤں۔ شاید وہ ہمارا یہ قصور معاف کر کے اپنے لشکر کو منتشر کر دے۔ اور آئندہ الی تباہی سے ہم بچ جائیں۔"

تمام یوسف زئی نے اس کی اس رائے کو سہا ہا۔

دلزاک کے ساتھ صلح کو نیکی غرض سے ملک احمد کا ملک محمد خان کے یہاں جانا

القصہ ملک احمد چند پیادوں کی معیت میں لشکر سے نیچے کیطرف روانہ ہوا اور میچنے کی دوسری گزرگاہ سے جو پہاڑ کی انتہا پر واقع ہے، دریا پار کر کے چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کے گھر وہ پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا وہ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ محمد خان اس وقت لشکر

میں تھا۔ اس کی بیوی نے جو بہت جواں مرد اور عاقلہ تھی اس سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ اور کس غرض سے آئے ہیں؟ ملک احمد نے کہا کہ میں ملک احمد یوسف زئی ہوں اور ملک محمد خان کے پاس بطور جبرگہ (نوائے) آیا ہوں۔ یہ سن کر اس نے انہیں غرت سے بٹھایا اور اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اپنے ایک معتد آدمی کو خفیہ طریقے سے ملک محمد خان کے پاس بھیجا اور اُسے مطلع کر دیا کہ ملک احمد بطور جبرگہ آیا ہے۔ اس نے قاصد کو اچھی طرح سمجھا دیا، کہ دیکھو خبردار ہو ملک محمد خان اور باقی عوام کی مرضی اچھی طرح بھانپ لینا اور فوراً مجھے آکر اطلاع دینا۔

قاصد گیا اور خفیہ طور سے ملک محمد خان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور آپس میں مشورہ کیا، لیکن یہ بات شکر والوں پر عیاں ہوئی تو ان میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ چونکہ جنگ میں ہر کسی کے بھائی اور عزیز قتل ہوئے تھے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا نے ہمیں ملک احمد دیا ہے ہم اُسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور بہت سے لوگ زور و شور، جوش و خروش، فہر و اشتعال اور غصے سے بہرہ ملک احمد کو قتل کرنے کی غرض سے ملک محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک محمد خان اور اس کے رشتہ دار ملک احمد کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کے ارادہ نہ تھے۔ اس لئے دلاڑم سے کہا کہ گھر میں منت سماجت کیلئے آتے ہوئے لوگوں کو آج تک کسی نے قتل نہیں کیا۔ اس میں ہماری بڑی بدنامی ہے اس طرح ان کا قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ ملک محمد خان نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا مگر لاماصل۔ سارا لشکر محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمد خان بھی ان کے

ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کی بیوی کے قاصد نے جو بے نقبہ دیکھا تو اس نے شکر سے پہلے پہنچ کر اُسے ان حالات سے باخبر کیا اور اُسے بتایا کہ سارا لشکر ملک احمد کو قتل کرنے پر تیار ہوا ہے اور ملک محمد خان کی بات کوئی نہیں سنتا۔ ملک محمد خان کی بیوی نے یہ سنا تو ملک احمد سے کہا:-

”سارا لشکر آپ کو قتل کرنے کیلئے چلا آ رہا ہے اور ملک محمد خان کی مخالفت اور نصیحت کچھ سود مند نظر نہیں آتی، قوم اور عوام کا زور بڑا ہے آپ فوراً اس تہہ خانے میں کپڑوں کے پیچھے چھپ جائیں۔ اپنی حفاظت فرمیں۔“

ملک احمد نے کہا: ”جیسے آپ مناسب سمجھیں، اس میں بہتر ہے ہوگی“ ملک احمد اندر گھس گیا اور ان بندلوں کے پیچھے چھپ گیا۔ یہ بتا کر ملک محمد خان کی بیوی نے پہلے سے سوچ لی تھی۔ اور بندلوں کے پیچھے اس نے اسی غرض سے جگہ بنا دی تھی۔

ملک محمد خان کی بیوی نے ملک احمد کو تہہ خانے میں چھپا کر اپنے راز دار آدمیوں سے کہا کہ گلیوں میں پھیل جاؤ اور آوازیں لگا دو کہ ملک احمد بھاگ گیا۔ ان آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق گاؤں میں فوراً یہ بات مشہور کر دی کہ ملک احمد بھاگ گیا ہے۔

دلاڑم کا لشکر ملک محمد خان کے گاؤں پہنچا اور ملک احمد کے فرار ہو جانیکا اسے پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان میں جو دانا اور سنجیدہ تھے انہوں نے بہت پیشانی اور تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ جب کبھی افغان قبیلے ایک دوسرے سے لڑائی کریں اور ایک قبیلے کے معزز لوگ بطور جبرگہ منت سماجت کیلئے آجائیں تو پھر برائی کو دلوں سے نکال دیا جاتا ہے اور جوگے کے لوگوں کو غرت اور آہنہ

کے ساتھ اپنے گھروں سے رخصت کرتے ہیں۔
افسوس! ہم نے کتنی بے عقلی اور نادانی کا ثبوت دیا کہ ملک احمد
جیسا معزز آدمی ہمارے گھر منت و سماجت کیلئے آیا اور ہم اس کی
توقیر کے بجائے اس کے قتل کے درپے ہو گئے وہ بے آبرو ہو کر ہمارے
ہاں سے چلا گیا، تمام افغان قوموں اور قبیلوں میں ہم بدنام ہو گئے۔
اس کے بعد ہم پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔

لوگ ملک محمد خان کو بھی ملامت کرتے تھے کہ افسوس ملک احمد
جیسا معزز آدمی اس کے گھر منت و سماجت کیلئے آیا اور اس نے اپنے
گھر کی لاج نہیں رکھی اور ملک احمد اس کے گھر سے بے آبرو ہو کر چلا
گیا۔ ملک محمد خان کی بیوی بھی اُسے ملامت کرتی تھی کہ آپ اپنے
گھر کی حیاء لاج اور آبرو بھی نہ رکھ سکے اور محمد خان اور اس کے عزیز بھی
اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے کہ یہ بہت بُرا ہوا ہم تو منہ دکھانے کے
نہ رہے۔ سارے قبیلوں میں رسوا اور بدنام ہو گئے۔

جب ملک محمد خان کی بیوی نے دیکھا کہ دلزاک اپنے ارادے پر
واقعی پشیمان ہیں تو اس نے شوہر سے پچکے سے کہا کہ اگر آپ ملک احمد
کو دلزاک کے شر سے بچا سکتے ہیں اور اس کی منت و سماجت قبول
کر دے سکتے ہیں تو میں ملک احمد کو بوا سکتی ہوں۔ ملک محمد خان نے
کہا کہ اگر تم ملک احمد کو بوا سکو تو اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی۔ ہم
تو اس وقت خدا سے یہی دُعا مانگتے ہیں کہ ملک احمد مل جائے اور ہم
اُسے اپنے گھر سے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کریں تاکہ ہم سب
کی آبرو قائم رہ جائے۔ اب تو دلزاک بھی پشیمان ہیں اور ہر کوئی
آرزو کرتا ہے کہ کاش! ہم ملک احمد کو آبرو کے ساتھ رخصت کر دیتے
پس اگر تم اُسے بوا سکو تو بہت اچھا ہوگا اب اس کی جان اور

عزت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم اسے عزت و تکریم کے ساتھ رخصت
کریں گے تاکہ ہماری آبرو اور بھرم قائم رہ جائے۔

غرض یہ کہ پورے اطمینان کے بعد ملک محمد خان کی بیوی نے اُسے
بتایا کہ ملک احمد کہیں نہیں گیا میں نے اس گھر کی عزت قائم رکھنے کے
لئے یہ افواہ پھیلانی تھی کہ ملک احمد بھاگ گیا، میں نے اسے تہہ
خانے میں کپڑوں کے بندلوں کے پیچھے چھپا دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گئی
اور بندلوں کو ہٹا کر ملک احمد کو تہہ خانے سے نکال لائی۔ ملک احمد
اگر ملک محمد خان سے ملاقی ہوا۔ ملک محمد خان اس سے مل کر اپنی بیوی
کے کمال ہوشیاری پر بہت خوش ہوا۔ اس نے ملک احمد کی مدارات
اور دل جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس کے بعد ملک محمد خان نے عزیز واقارب کو بلایا اور انہیں
ان حالات سے آگاہ کیا وہ بھی اگر ملک احمد سے ملے اور بہت خوش
ہوئے۔ پھر محمد خان نے سارے لشکر کو بوا بھی دہیں موجود تھا آگاہ
کیا۔ اس خبر سے ہر کوئی بہت خوش ہوا اور ملک احمد کی طبع تسلی
کی۔ فسطح مسرت سے ڈھول اور نقارے بجائے اور خوشیاں منائیں
آئندہ میں ملک احمد نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ:-

”اے دلزاک بھائیو! آپ نہایت قہر دست اور زور آور لوگ
ہو، ہم تھوڑے سترے بنی یہاں آکر آپ کے زیر سایہ پڑے ہوئے ہیں
باقی ہماری قوم یہاں نہیں ہے۔ اس دفعہ ہمارے گناہ کو معاف
کر دیجیے۔ دیکھئے میں اپنی جان کی بازی لگا کر ایسے وقت میں آپ
کے آستانے پر منت اور معذرت کے لئے آیا ہوں۔ خدا را اس
لشکر کو منتشر کر دیں اور ہم سے اس غلطی کی باز پرس نہ کریں۔
دلزاک نے کہا۔ ملک احمد! جب آپ ہمارے ہاں آئے تو

آپ کے طفیل ہم نے آپ کی قوم کو معاف کر دیا مگر اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کریں۔ پھر مصافحہ کر کے قسموں کے ساتھ صلح کے اس معاہدے کو مستحکم کیا۔ اُسے خلعت سے نوازا اور زین لگا ہوا ایک نہایت عمدہ گھوڑا ملک احمد کو دیکر پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت دلاڑک محمد خان کے گھر میں جہرگہ تھے۔ نقارے بج رہے تھے اور ملک احمد کے بارے میں مشورے کر رہے تھے دلاڑک کا ایک قدیمی مطرب جس کا نام پیر کی تھا وہ بھی اس وقت حاضر تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ پیر کیہ باتم بھی کچھ کہو نا۔ پیر کی نے کہا میں کیا کہوں اور اگر کچھ کہوں تو تم مجھ پر غصہ کرو گے۔ جو سمجھ دار اور ہوشیار لوگ تھے اور اس کی شیطنیت اور فتنہ انگیزی سے باخبر تھے انہوں نے کہا آخر کچھ تو کہو۔

پیر کی نے بلند آواز سے کہا:-
"اے دلاڑک! احمد خدا نے تمہیں دیا ہے۔ اُسے چھوڑنا مت اگر تم نے اسے زبردہ چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کی ایسی تیسی کرفیے گا۔"

مگر اس کی بات کسی نے نہ مانی اور وہ یہ کہہ کر بھاگ گیا لوگوں نے اس کا بہت پیچھا کیا، اُسے پتھر مارے، گالیاں دیں مگر اُسے جو کہنا تھا کہہ کر صاف نکل گیا۔

غرض یہ کہ ملک احمد کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر کے دلاڑک نے اپنا شکر منشر کر دیا۔ ملک احمد اپنے شکر سے آگلا اور پھر شکر سمیت دو آبے واپس آگیا۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ ملک احمد کو مبارکباد دی اور کہا کہ الحمد للہ! اللہ پاک نے آپ کو سلامتی

کے ساتھ ہم میں پہنچا دیا اور ہمیں دلاڑک کے شر سے محفوظ کر دیا ملک احمد نے اُن سے کہا کہ اب دلاڑک سے تعرض نہ کرنا۔ اب تم سوات کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اگر سوات پر قبضہ کر لیا تو سمجھو کہ ہم نے مغل اور دلاڑک دونوں سے چھڑکارا پالیا۔

سوات:- چونکہ ملک سوات کا ذکر بار بار ہو رہا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ ملک سوات کے قدیم باشندوں کے متعلق بھی کچھ ذکر ہو جائے۔

مترجم منشی دوار کا پر شاد اُنق کھنوی کا بیان ہے کہ:-
"کھیرلی گڑھ کی سیہات قوم ایک شمالی قوم ہے، گو مورخان حال اس کے حالات سے بالکل لاعلم ہیں مگر بھٹی قوم کی تاریخ میں ان مقبوضات کا بار بار ذکر ہے۔ جو انہوں نے دریا کے بھینس (دریا گوات) کے دونوں ساحلوں پر وسیع کئے تھے۔ اس قوم کی سکونت (موجود) سواد میں تھی جو صوبہ اشغر کی ایک قسمت (یعنی ضلع) ہے اور جہاں سکندر کے عہد کی قوم اساکانی بودو باش رکھتی تھی، غالباً یہ اُس اساکانی فرقے ہی کی ایک شاخ ہے جس نے سکندر سے مقابلہ کیا تھا۔"
(ماڈ راجستان جلد اول ص ۴۸۲-۴۸۱)

ایک منل مورخ لکھتے ہیں:-
"سوات کے قدیم باشندے ہندو تھے جو سوات کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے زمانہ میں اس خطہ کو پٹھانوں نے فتح کیا۔ (جن کو اب سواتی پٹھان کہتے ہیں) اور ریاست بنایا۔ ایک عرصہ بعد یوسف زئیوں نے ان پٹھانوں کو اس خطے سے خارج کیا۔"

(تاریخ ہندوستان ص ۸۵۹)

مولوی ذکا اللہ دہلوی سوات کے متعلق لکھتا ہے کہ:-

افغانوں سے پہلے اصل باشندے یہاں کے ہندو معلوم ہوتے ہیں جو غالباً "پارو پائی ساکے ٹیا" (اساکانی) کی اولاد میں سے ہوں گے۔ یہ نسبتاً زمانہ حال کا واقعہ ہے۔ کہ بعض خاص افغانوں کی قوموں نے (غوریوں کے زمانہ میں) اس ملک کو فتح کیا اور ان افغانوں کو بھی تنخواہ برسر کا عرصہ گزرا ہوگا کہ یوسف زئیوں نے جو قندھار کے قریب رہتے تھے اپنے وطن سے جلا وطن ہو کر ان افغانوں کو نکالا ہو۔ اور ان کے ملک پر قبضہ کیا ہو۔

(اقبال نامہ اکبری جلد ۵ ص ۵۳۵)

الغرض سواتی پٹھان کسی ایک خاندان یا قبیلے سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کئی افغان قبیلے تھے جو شہاب الدین محمد غوری کے ساتھ آئے تھے اور سوات میں آباد ہو گئے تھے۔ بعد میں باہر کے لوگ انہیں الگ الگ قبیلوں کے نام سے پکارنے کے بجائے سوات سے وطنی نسبت کی وجہ سے سواتی پٹھان کہنے لگے۔ اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں اس کے حکم سے سوات اور باجوڑ کی راہ لی تھی۔ اور وہاں سے قدیم باشندوں کو جو کافر تھے نکال کر اس علاقہ پر قابض ہو گئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قابض رہے۔

یوسف زئیوں کی سرگزشت

باب (۳)

یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور
بابر بادشاہ کی یوسف زئیوں کو فتح کرنی غرض سے آنا۔

واضح رہے کہ یوسف زئی مغلوں سے تنگ ہو کر جب کابل سے ہجرت کر کے پشاور پہنچے تو قوم دلاک اور سلطان سوات زئیوں یوسف زئی کے ساتھ بڑی ہمدردی اور اسان مندی سے پیش آئے تھے لیکن افسوس کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مغل اپنی اس خواہش و سازش میں کامیاب ہوئے۔ وہ یہ کہ یوسف زئی کے برخلاف قوم دلاک اور سلطان سوات کو بدگمان کر کے ان کے بدخواہ بنادے اور ان کو اپنے جن سلوک پریشان کر کے اس بات پر کہ کسے کہ وہ یوسف زئی سے اپنے دیئے ہوئے مراعات اور علاقے واپس لے لیں۔ لہذا وہ رات دن یوسف زئی کے بچ بکٹی کی تدبیریں سوچنے لگے اور نازیبا حرکتیں شروع کیں۔ اسی سبب سے آپس کے تعلقات خراب ہونے لگے۔ حتیٰ کہ نوبت پر جنگ رسید۔

تھا اگر آپ کو ہم سے ناظر پسند ہو تو دوسرا رشتہ حاضر ہے اور اگر
اہانت ہو تو میں خود بھی آپ کے یہاں فاتحہ کیلئے آؤں۔ سلطان اویس
نے ملک احمد کے قاصد کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ جو مقدر میں تھا وہ
ہو گیا اگر آپ کی مرضی یہاں آنے کی ہو تو ضرور آئیں۔ چنانچہ ملک احمد
ایس آدمیوں کو لے کر اپنی ہمیشہ کی تعزیت کے لئے بگیاڑے سے
منگلور کیلئے روانہ ہو گیا۔ (بگیاڑہ کا ملک سے تھینا ۹ میل کے فاصلہ
پر واقع تھا)

منگلور سوات کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں ایک بڑا اور مضبوط
قلعہ تھا۔ یہ مقام سلاطین جہانگیری کا پایہ تخت تھا۔
قلعے میں تمام سلاطین اور بعض جہانگیری امیروں کے عجیب
اور رنگین محلات و قصور تھے۔ قلعے کے چاروں طرف شہر آباد تھا۔
جس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ جب یوسف زئی نے سوات فتح
کر لیا تو شہر کو ویران کر دیا مگر قلعہ اور قصور و محلات جو پختہ اور
سنگین تھے سب کے سب سستہ بھری میں قائم اور ایستادہ
رہے۔

منگلور کا یہ شہر اور قلعہ، سوات کے آخری سکر پر مشرق کی
جانب پہاڑ کے دامن میں دونوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں
دریاں چھ میل آگے جا کر دریا سے سوات میں گر جاتی ہے۔
سلاطین جہانگیری، سلطان جہانگیری کی اولاد ہیں جو اسی کی طرف
مستوطن ہیں۔

واضح رہے کہ سلطان اویس کی بیوی جے نامی شہید کر دیا گیا
تھا ملک احمد کی سگی بہن تھی اور سلطان اویس کے ساتھ نسبت
کی وجہ محض یہ تھی کہ جس وقت یوسف زئی لوگ خوار و خستہ حال تھے

تو تاریخ اناغذ کے مصنف خواجہ مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب یوسف زئی
کی آبادی مور نامی پہاڑ تک پہنچ گئی تو سلطان اویس سوات کے
بادشاہ پر یہ بات ناگوار گزری وہ اُن سے رنجیدہ اور خائف ہوا اور
اپنے امیروں اور سرداروں سے کہا کہ یوسف زئی کا اتنے قریب تک
آجانا اچھا نہیں ہے۔ یہ سوات کے زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوات
سے اس قدر قریب آباد ہونے سے اُن کی غرض سوات پر قبضہ کرنا
ہے۔ اس امر کی فکر کرنی چاہیے۔ امیروں نے کہا کہ آپ اپنی بیوی
کو جو ملک احمد کی ہمیشہ سے قتل کر دیں تاکہ یوسف زئی کی آمد وقت
یہاں سے منقطع ہو جائے اور اُن تک ہمارے حالات کی خبر نہ پہنچ
سکے۔ سلطان اویس نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنی بیوی
کو نہایت بربریت کے ساتھ چھریاں مار مار کر ہلاک کر دیا اور منگلور میں
دفن کر دیا۔

لکھتے ہیں کہ وہ بہت پارسا اور نہایت صالح عورت تھی۔ ملک
احمد اور دوسرے یوسف زئیوں نے جب یہ بات سنی تو سلطان اویس
کا یہ ظلم نامردا اُن پر سخت گراں گزرا۔ مگر چونکہ ملک احمد نہایت
ذریعہ، صاحب عقل اور دانا شخص تھے۔ انہوں نے صبر و تحمل سے کام
لیا اور بطور تعزیت رسم کے مطابق ایک سو گائے، بیل سلطان کے
پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ حکم الہی یہی تھا جس سے کوئی چارہ نہ

میں آکر آباد ہوئے تھے تو پریشان حالی اور تنگدستی کے سبب مختلف
اشیاء، گڑ، پٹائی وغیرہ سوات لیجایا کرتے تھے اور فروخت کر کے
گذر اوقات کرتے۔ یوسف زئی روزگار کے سلسلے میں سوات کو آتے
جاتے رہتے تھے۔ اس آمدورفت میں سلطان اور ملک احمد کا غائبانہ
تعارف ہو گیا۔ تعارف نے دوستی کی شکل اختیار کر لی۔ سلطان کو
معلوم ہوا کہ ملک احمد کی کنواری بہن گھر میں موجود ہے۔ تو اس نے
نکاح کی آزد ظاہر کی، یہ چونکہ سوات کا بادشاہ تھا اور ملک احمد اور
اس کی قوم اس وقت سلطان سوات کے محتاج تھے۔ اس لئے ملک
احمد نے اپنی ہمیشہ کا عقد اس سے کر دیا۔ سلطان نے اپنے خاص اور
معتد امراء کو عروسی کے وقت بھیجا۔ وہ دہن کو دو آبرے سے لے گئے۔
یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب یوسف زئی ملک احمد کو اپنے
تصرف میں لے آئے اور اس میں آباد ہو گئے۔ تو سلطان اویس ان
کے اس قرب سے خوف زدہ ہوا اور سمجھا کہ یہ لوگ اسی طرح آہستہ
آہستہ آگے بڑھیں گے اور ایک دن سوات کو بھی ٹرپ کر لیں گے۔ اس
لئے اس اندیشے کے پیش نظر وہ سوات کی حفاظت اور یوسف زئیوں
کو وہاں (ملک احمد) سے ٹکوانے میں لگ گیا۔

چنانچہ اس کے ایک مشہور امیر میر ہندا نے مور نامی پہاڑ کی
چوٹی پر چوکی بنائی اور شاہ اویس اور فرخ زاد نے بھی جو اس کے نامور
امیر تھے۔ ملائند کی چوٹی پر چوکیاں بنائیں۔

الغرض سلطان کو ملک احمد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ
منگھور سے تھانے آگیا۔ سلاطین سوات کا یہی دستور تھا کہ جب
کبھی کوئی مہم پیش آتی تو منگھور سے تھانے آ جاتے۔ وہاں اپنے
اعیان اور سرداروں کو بلا کر جرگہ اور صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ اسی

پہاڑ اس موضع کو "اٹن جاتے" یعنی جرگے کی جگہ کہتے تھے
تھانہ سوات کا ایک مشہور موضع ہے جو منگھور سے آدھے دن
کی مسافت پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ یہاں شروع ہی سے
بہت نامور لوگوں کی سکونت اور آبادی رہی ہے۔ ۱۳۲۵ء میں یہاں
بابوزئی آباد تھے اور اب یعنی ۱۳۵۵ء میں یہاں بابوزئی خیل، کندا
خیل، سمیل خیل، علی خیل، اولاد خانابن شاہ بیگ، بابا خیل سولیزئی
اکوڑی آباد ہیں۔ سیل خیل جے ناگوال بھی کہتے ہیں جن کی نسبت ناگوال گاؤں کی سکونت ہے۔
جب ملک احمد تھانے کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے
اپنے آدمیوں کو اس کے استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ ملک احمد
کو تھانے کے متصل کسی مقام پر اتار دیں۔ سلطان کے آدمیوں نے
اس کے حکم کے مطابق دوتین تیروں کے فاصلے پر اس جگہ جسے اس
وقت "بختی ڈیرہ" کہتے ہیں، جانے اقامت دے دی۔ بختی میر شاہ
بابو خیل شہزادی کے بیٹے کا نام تھا جو پہلے وقتوں میں یہاں آباد
تھا۔ بعد میں یہ موضع اس کے نام پر موسوم ہو گیا۔ اس وقت سے
آج تک اسے بختی ڈیرہ ہی کہتے ہیں۔ یہ ایک ناہموار جگہ ہے۔ آج کل
یہاں بندی پر ایک مسجد آباد ہے۔

الغرض ملک احمد وہاں اقامت پذیر ہوا تو سلطان کے قاصد
نے جا کر ملک احمد کو ایک خدمت گار کے ساتھ مدعو کیا۔ ملک احمد
سلطان کو آداب بجالایا، تعزیت کی اور فاتحہ پڑھ کر بختی ڈیرہ کی کوٹ
آیا۔ دو ستر دن پھر حاضری کا موقع دیا۔ ملک احمد ابھی سلطان کے
پاس سے واپس نہ آیا تھا کہ میر ہندا ملک احمد کی قیام گاہ پر آیا۔
ملک احمد کے آدمیوں نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی مگر وہ غصے سے بھرا
ہوا تھا۔ بیٹھ کر اپنے آدمیوں سے اشتعال انگیز باتیں کرنے لگا۔

میر ہندا نے ملک احمد کے لوگوں سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم یوسف زئی لوگ سوات پر قبضہ کرنے کے خیال میں ہو۔ ایتا بھی کوئی تم میں سے جو اس مرد ہے جو میرے مقابلے میں آجائے۔ ملک احمد کے آدمیوں نے ملک احمد کے پاس خاطر سے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر وہ برابر اسی طرح لاف زنی کرتا رہا۔ اس کا غصہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتا گیا اگرچہ یوسف زئی اس بات سے انکاری رہے اور اس کی تعریفیں کرتے رہے، لیکن اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

آخر یوسف زئی کے ایک بہادر اور جوان مرد کریم داد بٹ عثمان بن الیاس اہل زئی اکو زئی سے ضبط نہ ہو سکا۔ میر ہندا سے کہنے لگا کہ ہم تو سوات کا خیال دل میں نہیں رکھتے اور جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر یوسف زئی یہاں آتے تو یہ کروں گا وہ کروں گا تو اس کا فیصلہ تم ابھی کر سکتے ہو۔ میں ایک عام یوسف زئی ہوں اسی وقت تمہارے مقابلے کیلئے تیار ہوں۔ اس پر دوسرے ساتھیوں نے کریم داد سے غصے سے کہا کہ تم خاموش رہو یہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے۔ اس پر میر ہندا اور غضبناک ہوا اور اُسے گالیاں دیں کہ اے کتے گو جبر! تمہاری یہ جبروت! تم میرے مقابلے پر آؤ گے۔ میر ہندا کے نوکر بھی ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے مگر میر ہندا نے انہیں منع کیا کہ سلطان بڑا مان جائیگا۔

میر ہندا بھی یہیں موجود تھا کہ ملک احمد کے ساتھیوں کے لئے سلطان کی طرف سے نواں آگیا۔ لانیوالے خدمتگاروں نے انہیں روکے ادب میر ہندا کے زہرو رکھ دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چند نقے لے لئے اور پھر حکم دیا کہ یہ چاول زمین پر گرادو۔ خدمتگاروں نے چاول باہر صحن میں پھینک دیئے۔ میر ہندا اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے چانیکے بعد ملک احمد

کے ساتھیوں نے اٹھ کر چاول اپنے اپنے دامن میں بھر لئے اور شوق سے کھالیے۔ انہوں نے اس بات کو نیک فانی پر محمول کیا کہ میر ہندا نے تکبر اور غرور کر کے سوات کے چاول زمین پر گرادیتے اور ہم نے اکٹھے کرتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح سوات ان کے ہاتھ سے کل کر ہمارے قبضے میں آئیگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنا کام خود زمین پر اکیلے دیا۔

یہ لوگ ابھی بائیں کر رہے تھے اور چاول کھا ہی رہے تھے کہ ملک احمد نے سلطان سے روانگی کی اجازت لے کر اپنے ڈیرے میں پہنچا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے حقیقت حال بیان کی، ملک احمد نے حقیقت معلوم ہو گئی۔ چلو اب گھر چلیں خدا ہمیں ضرور سوات دیگا۔ چنانچہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

سوات سے آنے کے بعد ملک احمد نے یوسف زئی کے بڑے بڑے سرداروں اور مشیروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ سوات کے راستوں کی حقیقت معلوم ہو گئی اور سلطان کے حالات اور بڑے نیت و ارادے کا علم بھی ہو گیا اب تاخیر و تعطل کے بغیر لشکر کو اکٹھا کرو اور سوات پر چڑھائی کر دو۔ اللہ ہمیں سوات دیگا۔ مشورہ سب اہلکین جبرگ کو پسند آیا۔ کامیابی کیلئے دعا مانگی گئی۔ وہ آج سے بیکر مورنامی پہاڑ تک کے تمام علاقوں سے لشکر بلا لیا گیا اور موراکے جنوبی دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ موراک کی چوٹی پر میر ہندا کے نوکر بیٹھے ہوئی تھی۔ اور مالاکند کی چوٹی پر شاہ اویس اور فرخ زاد کی چوکیاں بھی قائم تھیں۔ یہ تینوں امیر کبیر تھے۔ یوسف زئیوں نے کئی بار مورے کی چوٹی پر ہت بول دیا مگر چونکہ چوکی بہت محکم اور مضبوط تھی اور چوٹی سخت ناہموار اور بلند تھی اور راستے میں دشوار گزار

گھائییاں تمھیں، جس کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ کم و بیش دو ماہ تک اسی جگہ ڈیرے ڈالے رہے۔ آخر اسی راستے سے نامید ہو کر مالکنڈ کی چوٹی کیلئے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں نے اگر اطلاع دی کہ وہاں کے لوگ غافل اور بے خبر ہیں اور راستہ بھی ہے۔ اس پر قبضہ کرنا آسان۔

اس پر ملک احمد، شیخ علی، محمود بن یحییٰ ادین زئی (علما و الدین زئی) اور ملک قرہ نے حکم دیا کہ رات کے پہلے پہر میں مالکنڈ کی چوٹی پر دھاوا بولو اور کسی قدر آدمی ڈھیرے میں چھوڑ دو جو جا بجا ڈیروں میں آگ جلاتے رہیں تاکہ مورے کی چوکی والے یہ سمجھیں کہ لشکر یہاں مقیم ہے۔

چنانچہ کچھ لوگ ڈیروں میں رہ گئے جو آگ جلاتے رہے، باقی لشکر نے کوچ کرنا شروع کر دیا۔ ساری رات چلتے رہے تاکہ صبح کے وقت مالکنڈ کی چوٹی کو سر کر لیا۔ شاہ ادیس اور اس کی چوکی والے خواب غفلت میں محو تھے۔ لشکر نے پڑھ کر چوکی والوں کو قتل کر دیا۔ شاہ ادیس اور فرخ زاد دونوں بھاگ کر تھانہ پہنچ گئے۔ میر ہندا کو بھی خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی نے مالکنڈ کی چوٹی سر کر لی ہے اور اچھر آرہے ہیں اس لئے وہ بھی وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر تھانہ آگیا اور تھانے کی حفاظت میں لگ گیا۔

یوسف زئیوں نے جب مالکنڈ کی چوٹی سر کر لی تو چھ سات میل (دکروہ) آگے جا کر ڈاک میں ڈیرے ڈال دیئے اس مقام کو آس پاس کے کثرت دیہات (اور مرکز) کے سبب "خار" بھی کہتے ہیں۔ یہ سہولہ میدان تھا اور ساتھ دریا بہتا تھا۔

سلطان اور سوات کی رعایا کو جب خبر پہنچ گئی تو نہایت ہراساں

ہو گئے اور کہنے لگے کہ بلا سوات میں گھس آئی۔ اب اس کا دفعیہ مشکل ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے جملہ اُمراء اور رعایا کے ساتھ موضع تانڑہ میں مقیم ہو گیا اور تانڑہ "خار" سے جہاں یوسف زئی کا لشکر اقامت گزریں تھا۔ تھینا تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ "خار" کی آب دہوا بہت اچھی اور علاقہ ہموار ہے اور سوات کا ایک تنہائی حصہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے چوٹی کو سر کر کے نیچے اتر گئے تو چوٹی کے نیچے "سکوت" نام کا ایک سنگین قلعہ تھا۔ جس میں چوکی والے سامان رسد کا ذخیرہ رکھتے تھے اور کھانے پکانے کیلئے آتے جاتے رہتے تھے۔ یوسف زئیوں نے اسے غارت کر دیا۔ یہاں سے بہت سامان و اسباب اُن کے ہاتھ لگا۔ یوسف زئی اسی طرح آگے بڑھتے رہے اور سواتیوں کے دیہات کو ہر طرف آباد تھے تا نخت تاراج کرنے رہے۔ اسی طرح دوسرے دیہات کو بھی تباہ کرتے رہے۔ البتہ جو کوئی اگر اطاعت قبول کر لیتا تھا، اسے امان دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے خار پر قبضہ کر لیا تو گویا ایک تنہائی سوات اُن کے تصرف میں آگیا۔ اس لئے دوسرے یوسف زئی پیچھے سے اپنے اُناشے لیکر آتے اور مقبوضہ حصہ سوات میں آباد ہوتے جاتے اور سوات کی رعایا کو تسلی و تشفی دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے لوگ واپس آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے لگے۔ اس طرح سے ہر گاؤں میں چند گھر یوسف زئی کے ہو گئے۔ باقی سوات کے لوگ بستے تھے۔ یہ بہار کا موسم تھا۔ یوسف زئی سواتیوں کی چیزیں کھانے تھے اور فصلوں میں گھوڑے چراتے تھے۔ سارا لشکر انڈ ڈنڈ اور شیکر گاؤں میں پراثر ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان اس وقت تھانے میں مقیم تھا۔

اور جنگ کی تیاری کو رہا تھا۔ جب یوسف نے اپنے گھوڑوں کو تازہ دم کر لیا تو شکر جنگ کے ارادے سے کوچ کرتا ہوا تمھانے کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف سے سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر تمھانے کے ڈیڑھ میل آگے بڑھ آیا۔ دونوں لشکروں کا آمناسامنا ہوا۔ جنگ میں سلطان کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یوسف زئی ان کا تعاقب کرتے ہوئے تمھانے سے مشرق کی جانب بارہ میل آگے دریا کے پار ترہنگ نامی گاؤں تک چلے گئے اور سلطان کا لشکر نہایت خراب و خستہ حالت میں ترہنگ میں داخل ہوا۔ راستے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے مال و اسباب غارت ہو گیا۔ ترہنگ سے یوسف زئی لوٹ کر پھر تمھانے میں آکر مقیم ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں جب سلطان نے شکست کھائی تو اس کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ یوسف زئی کا لشکر ان کا پیچھا کرتا رہا سلطان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ صبح براہ کھوکھ غلط راستے پر جا پڑا اور لڑائی میں جو ترہنگ گاؤں کے بالقابل دریا کے اس پار ہے۔ لشکر سے جدا ہو کر تلنگ نزد چرخلی چلا گیا۔ وہاں سے مضافات ابواب تک اور پھر وہاں سے فُرکر بری کوٹ اور گروتنی کے درمیانی پہاڑ کے اوپر جاتے ہوئے شمال کی طرف دریا پار کر کے سوئی گلی کی چوٹی کے راستے دمغار ہوتا ہوا منگلور پہنچ گیا۔

سلطان جب لڈاکہ میں راستہ کھو گیا۔ خوف اور پریشان حال میں جنوب کی طرف ملک حسن متراوی کے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ملک حسن متراوی اس کا دشمن تھا۔ علاقہ بھی اس کا آگ تھا۔ اور ہمیشہ سے سلطان کا مخالف تھا۔ اس لئے سلطان سسریم ہوا کہ ایک بلا سے جان بچوٹی تو دوسری مصیبت میں پھنس گیا۔

متراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل اور شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور متراویوں کے ماہرین اسباب کا بیان ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف زئی ہیں۔ "ان کا یہاں آنا اس طرح ہوا کہ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ قنبار کی حدود میں موضع گاڑ گئے اور نیشکے میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے سوا ذات زمانہ کے سبب آگے ہو گئے اور یہاں آکر متوطن ہو گئے اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔"

بہر حال سلطان نے اس خوف سے کہ کوئی متراوی اسے نہ دیکھے ورنہ قتل کر دیگا۔ اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑ کے دائیں طرف ایک دے پر ہو لیا جسے بت یا بھٹ کہتے ہیں اور کفار کے زمانے سے وہاں بکرت بُت پڑے ہوئے تھے۔ جب وہاں یوسف زئی کا غلبہ ہو گیا تو انہیں توڑ ڈالا۔ یہ جگہ ابوبہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

اس راستے پر سلطان جہاں تک سوار ہا سکتا تھا، سوار ہو کر گیا اور جب گھوڑے کے جانے کا امکان ختم ہو گیا تو اتر پڑا اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ ہتھیار اور شاہی لباس وہاں اتار پھینکا اور پیدل درے میں پڑھتا رہا۔ تیس دن نہایت خراب اور خستہ حالت میں تمھکا ماندہ گھر پہنچ گیا۔ گھروالے اسے روپیٹ کر بیٹھ رہے تھے۔ سویم کی رسوم یعنی تیسرے دن کی خیرات دنا تم بھی ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو جب کئی دن تک آل کی خبر نہ ملی تو انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ جنگ میں کام آیا۔ اب وہ زندہ گھر پہنچا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان کے بہت سے عزیز و اقارب اور امیر مارے گئے۔ منبلہ ان کے شاہ ادیس اور فرخ زاد اور میر سواتی وغیرہم بڑے بڑے نامور اور مشہور امیر تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار

رعایا اور عوام دانشدار مارے گئے تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ میر ہند کے علاوہ دوسرے کوئی امیر زندہ نہ رہا۔ اس جنگ کو "جنگ تھانڈا" کہتے ہیں۔ اور نیز معلوم رہے کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر سے جدا ہو کر پریشان حال جنگ رہا تھا تو یوسف زئی کے چند سواروں نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے تعاقب میں چلے گئے۔ مگر وہ بھاگتے تھے کہ یہ سلطان ہے جب کچھ دور تک گئے تو سب نے دیکھا کہ وسط دریا میں سونے کی دو بالیاں ایک رومال میں بندھی ہوئی پڑی ہیں یہ بالیاں سلطان نے اپنے کانوں سے نکال کر رومال میں باندھ کر اس خوف سے گرا دی تھیں کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ سلطان ہے تو قتل کر دے گا۔ سوار رومال دیکھ کر اتر پڑے اور اسے اٹھا لیا، کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی دو بالیاں تھیں۔ اس آئنا میں سلطان بہت درد نکل گیا۔ اس کے آگے پھر متراد یوں کی بستیاں تھیں، چنانچہ یوسف زئی سوار وہاں سے واپس لوٹ کر اپنے لشکر سے آئے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام سلاطین سوات کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو اس کے دونوں کانوں میں سونے کی دو بالیاں ڈال دی جاتی تھیں۔ سلطان کے علاوہ کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہن سکے۔ یہ سلطان کا خاص امتیاز تھا۔ بڑے بڑے امراء چاندی کے حلقے کانوں میں ڈالتے تھے۔ ابتداء میں جب یوسف زئی سوات پر قابض ہوئے تو وہ بھی اسی دستور کے مطابق اپنے کانوں میں سونے کے حلقے ڈالنے لگے، مگر وہ کشمیریوں کی رسم کے مطابق خوبصورت اور منقش ہوتے تھے۔ خصوصاً منڈر میں اکثر بہزاد خیال صدوزی منڈر ڈالتے تھے اور یوسف نامہ میں اکثر اکوزی خصوصاً اسخیل ملی زئی ڈالا کرتے

تھے اور دوسری بات یہ واضح رہے کہ اس لڑائی میں جب جانبین کی صفیں مقابل آگئیں۔ کریم داد بن عثمان ایسا زئی ابا زئی نے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ میر ہند کو سلطان کی صف میں دیکھا تو فارسی میں اُسے یوں لکھارا کہ:-

"اے میر ہند! اگر تم مرد ہو اور جنگ کا خیال رکھتے ہو تو آجاد میں حاضر ہوں"

اس زمانے میں یوسف زئی لوگ نئے نئے کابل آئے تھے۔ فارسی خوب بولتے تھے، پس جب میر ہند نے کریم داد کی لکار سنی تو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر میدان میں نکل آیا۔ دونوں نے فارسی زبان میں دعوت جنگ دی کہ تم پہلے وار کرو۔ دوسرا کہتا تھا نہیں تم پہل کرو۔ آخر دونوں نے نیزے کے دو دو وار کئے مگر دونوں زہر پوشش تھے اس لئے کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ میر ہند نے زہر کے اوپر قبا پہنی تھی۔ کریم داد جب نیزے کا وار کرتا قبا میں سے ردئی نکال لیتا۔ نیزہ اور کچھ زخمی سکا تھا اس آئنا میں دونوں لشکر بھی برسرِ پیکار ہو گئے۔ ابھی ایک دوسرے پر دو دو ہاتھ بھی نہ اٹھائے پائے تھے کہ سلطان کا لشکر شکست کھا گیا۔ میر ہند بھاگنے لگا تو کریم داد نے اُسے آواز دی کہ اے میر ہند! مت بھاگو، بھاگنا مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ تم لاف زنی کرنے لگے۔ مگر میر ہند کہاں ٹھہرنے والا تھا۔ بھاگ گھڑا ہوا۔ کریم داد دو تین میل تک اس کا تعاقب کرتا رہا اور وار کرتا رہا۔ مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر کریم داد نے نیزے کی آبی اس کی زرخے کے غریبان کے اندر کر دی اور بہت زور لگایا کہ میر ہند گرجائے مگر وہ نہ گرا کیونکہ اس کا گھوڑا بہت عمدہ تھا اور وہ خود بھی قوی ہیکل شخص تھا۔ اس کے

مقابلے میں کریم داد سبک انداز تھا اور اس کے گھوڑے نے تازہ
 نوید کھائی تھی۔ اس میں آنا زور اور قوت نہ تھی۔ اسی طرح یہ دونوں
 آگے چلتے رہے۔ جب ہموار زمین سے نکل کر دریا کے قریب خراب اور
 ناہموار زمین پر پہنچ گئے تو میر ہندا کو گرجانے کا ایک خطرہ پیدا ہوا اس
 نے اپنے ایک پیادے سے جسے "ہفت منی" کے نام سے پکارتے
 تھے، کہا کہ اے ہفت منی! یہ سوار تو مجھے نہیں چھوڑتا نظر آتا۔
 ہفت منی نے اس پر تیر چلایا جو ہر پہنہ جگہ پر ایسا لگا کہ کریم داد گھوڑے
 سے نیچے گر گیا اور وہیں مر گیا اور کریم داد کے نیزے کی آبی میر ہندا کی
 زرد میں اٹکی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ آگے جا کر نکالا۔ یوسف زئی میں
 کریم داد کے علاوہ اور کوئی نامور آدمی اس لڑائی میں نہیں مارا گیا۔
 یوسف زئی نے اس جنگ کی بدولت سوات کے تہائی حصے پر
 قبضہ کر لیا اور ہر کسی نے سمجھ لیا کہ یوسف زئیوں کی قسمت کا ستارہ عروج
 پر ہے۔ اور سلطان کے اقتدار سورج کو گہن لگ چکا ہے اور دوسری
 بات یہ بھی تھی کہ یوسف زئی ان دنوں بڑے خوش اخلاق اور نیک
 معاش تھے، اس لئے لوگ چاروں طرف سے آکر ان کے مقبضہ سوات
 میں آباد ہونے لگے۔ ان کے پہلو پہ پہلو ہر گاؤں میں یوسف زئی کے
 چند گھرانے آباد ہوتے رہے۔

سوات کا ایک تہائی حصہ جس پر سلطان اور ملک حسن مترادوی
 کا قبضہ تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ سوی گلی کی چوٹی سے اوپر خنڈریہ
 اور منگلور تک سلطان کے قبضے میں تھا اور شاہ میلے کی چوٹی سے
 لڑاکی اور مورے تک جو آبی اور سرسبز علاقہ تھا حسن مترادوی کے زیر
 لے گندم اور جو کی تازہ اگی ہوئی فصل جس کے پودے نرم اور کچے ہوتے
 ہیں اور جس میں غذائی قوت کم ہوتی ہے، نوید کہتے ہیں۔

تصرف تھا۔ یوسف زئی کا لشکر خارا، تھانہ، چکدرہ اور راموڑہ میں پڑا
 ہوا تھا اور ہمیشہ سلطان کے زیر نگین دیہات پر شبخون مارتا، دھاوا
 بولتا اور قید و بند اور قتل و غارت میں دریغ نہ کرتا تھا۔ دیہات
 چلتا اور تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ لیکن مترادویوں کے علاقہ سے کوئی
 تعرض نہ کرتا تھا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ سلطان کا ملک مستحضر
 کریں تو اس طرف متوجہ ہوں۔ بیک وقت دونوں طرف دست
 اندازی مناسب نہ تھی۔

کچھ دنوں کے بعد یوسف زئیوں کا لشکر منگلور کی طرف روانہ
 ہو گیا۔ دماغ سے آگے حسین ڈیری کے راستے سے آگے بڑھ کر
 صلاح و مشورہ کیا۔ یوسف نامے نے کہا کہ یارو! منگلور کا قلعہ سخت
 سنگین ہے۔ راستہ تنگ اور سلطان بذات خود اس میں مقیم
 ہے۔ لشکر بھی اس کا بہت زیادہ ہے۔ اس پر قبضہ کرنا بہت
 مشکل ہے۔ ہم اپنے آپ کو ان کے نرغے میں دے دیں گے اور کچھ
 بھی نہ کر سکیں گے۔ اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ منگلور نہ جائیں
 اور کبھی ایک سرے اور کبھی دوسرے سرے کے دیہات پر دھاوا
 ہوتے ہیں۔ اس سے وہ خود بخود تنگ آجائیں گے۔ مگر منڈر اس بات
 کو سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ انہیں منگلور چلنے پر اصرار تھا۔

آخر منڈر دریا سے پار اتر گئے۔ کہتے ہیں کہ منگلور جانے کے
 لئے زیادہ زور انکی بن بہنراد صد زئی منڈر لگا رہا تھا۔ اور وہی پہل بھی
 کر رہا تھا جو ملک قرہ کا حقیقی بھائی اور نامور شہسوار تھا۔ آخر
 منڈر تنہا روانہ ہو کر منگلور پر حملہ آور ہوئے اور قلعہ کے باہر شہر منگلور
 کو تاراج کیا۔ لوگوں کو تہہ تیغ اور پابند سلاسل کیا۔ مگر سلطان قلعہ
 سے باہر نہ نکلا۔ دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے گئے تھے۔ اس

تھا کہ یہاں ان کی ناکہ بندی کر کے اپنے مویشی ان سے بچھڑا دیں گے مگر وہ وہاں پہنچے تو یوسف زئی کے سوار مویشی وہاں سے گوارا کر آگے نکل گئے تھے۔

جب تالاشی کاٹ گلے کے میدان میں پہنچے تو یوسف زئیوں کے سواروں سے ان کی مدد بھڑ ہوئی۔ جب اس مقام سے گزر کر اُدھر گئے تو وہاں رباط نام کا ایک مقام تھا جس میں مکانات پختہ اور اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ اور پانی آبادی تھی۔ ایک بلند تودہ پر جس کے نیچے ایک عمیق خشک ندی تھی۔ ایک پیادہ تالاشی محمود بن شامان یوسف زئی اکوڑی، ابانڈی کے تعاقب میں پہنچ گیا اور کچھ نے کیلے ہاتھ بڑھایا۔ محمود چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر گیا۔ دونوں کشتی بڑھتے بڑھتے نیچے ندی میں گر گئے۔ مگر اللہ نے محمود کو اس کے اوپر کر دیا۔ محمود نے پھری نکال کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا اور چاندی کے دو حلقے اس کے کانوں سے نکال کر پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سواروں سے آکر مل گیا۔ اور سب مل کر درے میں داخل ہو گئے۔ مگر تالاشیوں نے پھر ناکہ بندی کر لی تھی۔ جسے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یارو! محصور ہو گئے۔ مردانگی کرو، وقت مردانگی ہے۔ اس طرح اکثر سوار ادھر پڑھ کر پہاڑ کی طرف نیچے آ گئے اور بعض شاہراہ پر درے میں داخل ہو گئے اور پھر سب نے مل کر تالاشیوں پر ہل بول دیا۔ سیکڑوں کو تہ تیغ کر دیا کہڑے اور اسلحہ چھین لیا اور صحیح سلامت درے سے نکل کر اپنے لشکر سے آئے۔

کہتے ہیں کہ مزید بن ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی منڈ، خان گجو کا تعلق بھائی جو شجاعت میں بے نظیر اور نہایت حسین و جمیل نوجوان

لئے قلعے پر منڈ کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ بالآخر لشکر اسی دس وہاں سے لوٹ کر دمخار آ گیا۔ من چلے نوجوان شکار کے طریق پر ہمیشہ جاتے اور سلطان کے گرد و نواح کے دیہات پر دھاوے بولتے۔ آخر چند دن قیام کرنے کے بعد سارا لشکر دمخار سے کوچ کر کے تھانے گیا اب سلطان کی طرف سے یوسف زئی کیلئے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

کہتے ہیں کہ انہی تپاس میں عید آ گئی۔ اکثر یوسف زئی نوجوان میدان میں نکل کر تماشے کرنے گئے۔ سوار نیزہ بازی کر رہے تھے، اسی آئنا میں بعض سر پھرے نوجوان شکار اور دھاڑا ڈالنے کے طریق پر بغیر پوچھے اور بزرگوں سے مشورہ کئے بغیر تلاش گئے۔ تالاش تھانے سے شمال کی جانب ۱۵/۱۶ میل کے فاصلے پر دریائے سوات کے اُس پار اور ۸/۹ میل دریا لے پچھوڑے سے اس طرف دونوں دریاؤں کے بیچ میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ بڑا ذخیر علاقہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر کفار کے عہد کا قلعہ تھا۔ قلعے کے سامنے انار کے باغات تھے۔ تالاش کے میدانی علاقے میں اُس وقت دیہگان کافر رہتے تھے۔ جو شجاعت میں مشہور تھے۔ ان کے اشراف و اعیان قلعے میں رہتے تھے اور عیا سب کے سب نیچے رہتے تھے۔ یوسف زئیوں کا یہ دھاڑا وہاں پہنچا۔ اور تالاشیوں کے مویشی کو پکڑ کر ہانکنے لگا۔ کچھ سواروں کو تو ان کے پیچھے لگایا اور تجربے کا شہسوار دُنبال میں رہ گئے۔ تالاشیوں کو پتہ چل گیا، وہ اپنے مویشیوں کو چھڑانے کیلئے دوڑ پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ "کاٹ گلے" کے درے تک پہنچ کر ان کی ناکہ بندی کریں۔ کاٹ گلے کا درہ وہ ہے جہاں تالاش کے دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ یہ انتہائی دشوار گزار اور سخت راستہ ہے۔ تالاشیوں کا خیال نہ دیہگان، نسل یا مذہبی نام نہیں بلکہ ایرانی القاب تھے۔

تھا۔ ایک عمدہ عراقی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی اثناء میں اس نے شمال کی جانب سے پہاڑ کے قریب ایک تالاشی پر وار کیا۔ اس نے نیچے درے میں پھلاٹنگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اوپر پڑھ کر بھاگنے کا قصد کر دیا تھا کہ فرید نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا گھوڑے نے اتنی پھلاٹنگ لگائی کہ درے کے دوسرے کنارے پر اگلے پاؤں چٹان میں اٹک گئے۔ اسی حالت میں فرید نے تالاشی کو ایسا نیزہ مارا کہ نیزہ آریا نکل گیا۔ اسی اثناء میں اسماعیل بہزاد خیل جو فرید کا قریبی رشتہ دار تھا اس کی مدد کیلئے آ پہنچا اور شمشیر مار کر تالاشی کو ہلاک کر دیا۔ فرید نے سبب دیکھا کہ اس کا گھوڑا چٹان کے ساتھ آدھا اوپر اور آدھا نیچے کھڑا ہے تو پھلاٹنگ لگا کر نیچے اتر گیا اور اوپر پڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اوپر پڑھایا اور سوار ہو کر اپنے سواروں کے پیچھے چلا گیا۔ کاٹ گئے کے جس درے میں فرید کے گھوڑے نے جھٹ لگائی تھی اس کے دونوں کناروں کا فاصلہ اکبری گز سے نو گز تھا۔ اس جگہ دونوں طرف پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جو اب تک عیاں و نمایاں ہیں۔ اور اس جگہ کو ابھی تک ”گھوڑا ٹرپ“ کہتے ہیں۔

الحاصل وہ دھاڑا فتح و ظفر کے ساتھ تھانے واپس آگیا۔ مال و مویشی بہت سے لے آئے جس پر ملک احمد نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب سلطان اور مترادویوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو لشکر کو رخصت کر دیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوا اور تالاشیوں کا رہنا بھی اب ان کے بس کا کام نہ رہا اس لئے وہ بھی گھر بار چھوڑ کر تالاشی سے نکل کر پنجکوڑے کے دروں میں داخل ہو گئے اور علاقے کو خالی کر دیا۔ اس طرح تالاشی کا علاقہ یوسف زئی کے تصرف میں آگیا اور وہ وہاں متوطن ہو گئے

جب یوسف زئیوں نے سوات کے دو تہائی حصے پر اپنا تصرف جما لیا تو باقی سب لوگ سندھ کو واپس آکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اس وقت جب کہ مرزا الخ بیگ نے یوسف زئیوں پر بہت مظالم ڈھائے اور انہیں جلا وطن کر دیا تو اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا۔ اس کی دونوں رانوں میں مہلک پھوڑے لگے اور بے انتہا مصائب اور سختیوں میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ظہیر الدین بابر بادشاہ ہوا اور کابل، لغمان، ہلال آباد، ننگرہار وغیرہ کو اپنے اثر میں لے آیا۔ یوسف زئی بھی بظاہر اس کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

مرزا الخ بیگ کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا۔ چند اہم تارخیں یہ ہیں۔ ان سے یوسف زئی کے کابل سے نکلنے اور پشاور پہنچنے کے زمانے کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ تیمور کی وفات ۸۰۷ھ کے بعد مرزا پیر محمد ابن مرزا جہانگیر کابل کا بادشاہ بنا۔ جو ۸۰۹ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد تیمور غمخش کابل کا بادشاہ بنا جو ۸۳۰ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد امیر شیخ علی مغل کابل کا بادشاہ بنا۔ اس کے بعد حکومت مرزا ابوسعید کے ہاتھ آئی جو ۸۷۳ھ میں وفات پا گیا۔ اس کی وفات پر اس کے بیٹے مرزا الخ بیگ کو کابل کا بادشاہ بنایا گیا جس نے ۹۰۷ھ میں کابل میں وفات پائی۔ اور آخر ۹۰۷ھ میں محمد متیم بن امیر دالانوں نے کابل پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ظہیر الدین بابر نے اور آخر ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں کابل کو فتح کیا۔

(بحوالہ سالنامہ کابل ۱۹۳۳ء ص ۱۲۵-۱۲۶)

بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا

کہتے ہیں کہ یوسف زئی نے بادشاہ کیلئے پیشکشیں اکٹھی کر کے ملک احمد کو دیں اور ملک محمود بن یحییٰ اکوڑی علاؤ الدین زئی (ادین زئی) جو اس وقت کا مشہور سردار تھا اور چند دوسرے یوسف زئی نوجوان اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ سہ سے نکل کر سوات چلے گئے۔ پھر اسی راستے سے چل کر سلطان پھنپھنے اور ملک مبارک ابن پائندہ اکوڑی ملی زئی کے مہمان ہوئے۔ یہاں چار بھائی جو میراثی تھے اور خوتیاد (ڈوم) کے فرزند تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سرکین، دوسرے کا درویش، تیسرے کا آدو اور چوتھے کا نام جونا تھا۔ آدو اور جونا نے اُس رات کو ملک احمد کی خوب خدمت کی اور ساری رات سرد بجاکر اسے محفوظ کیا۔ آدو بہت خوش آواز اور خوب رو ہونے کے ساتھ ہی راتے بھی تھا۔ وہ ملک احمد کو بہت پسند آیا۔ صبح کو ملک احمد نے سرکین سے جو اس کا بڑا بھائی تھا کہا کہ آدو کو اجازت دو کہ وہ میرے ساتھ سفر کرے۔ اگر خدا مجھے خیر دعا فیت سے لے آئے تو میں اس کے ساتھ بہت بھلائی کروں گا۔ سرکین نے خوشی سے آدو کو ملک احمد کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ وہاں سے اسی صبح کو تنگی، کاٹ مگہ اور تالاش کے راستے روانہ ہو کر تری کے گزرے۔ پھر دیرپائے پچکوڑہ کو عبور کر کے باجوڑ پہنچ گئے۔ وہاں باجوڑ کے یوسفزویوں کے یہاں اقامت کی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر نادگلی کے راستے کابل گئے اور بادشاہ کی ملازمت حاصل کی اور ظاہری مراحم سے سرفراز کئے گئے۔ مگر باطن میں اس کی نیت بہت خراب تھی۔

جس کا سبب یہ تھا کہ ننگرھار، پشاور اور کلیانی کے دلاڑکوں کے ملکوں نے جو بادشاہ کی نہایت وفادار رعیت تھے۔ بادشاہ کے حضور میں یوسف زئی کے خلاف استغاثہ پیش کیا تھا کہ انہوں نے باجوڑ کی لڑائی میں ملک ہیمو کو قتل کیا ہے۔ اور چوہڑ بن کیمبل دلاڑک اور چند دوسرے نامور دلاڑک کو میچنی کی لڑائی میں قتل کر کے ان کے اکثر علاقے اپنے قبضے میں کر لے ہیں۔ یہ لوگ مستقبل میں بھی ان کی ترقی سے خوف کھاتے تھے۔ کہ باقی ماندہ علاقے بھی ان سے چھین لیں گے۔ اس لئے رات دن ان کے خلاف بادشاہ سے چغلیاں کھاتے تھے۔ اور بادشاہ کے دیکھوں اور امیروں کو رشوتیں دیتے تھے، کہ ملک احمد کو قتل کر دیں۔

کہتے ہیں کہ دلاڑکوں نے بادشاہ کو ستر ہزار روپیہ اس شرط پر دینا قبول کیا تھا کہ وہ ملک احمد کو قتل کر دے اور قتل کرتے وقت اسے بات کرنے نہ دے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک احمد خوش فطرت اور طوطی جیسا خوش بیان ہے۔ باتوں باتوں میں بادشاہ سے گلو خلاصی حاصل کر لے گا اور بادشاہ نے بھی ملک احمد کی اسی صفت کا شہرہ سن کر اسے بلایا تھا۔ اس زمانے میں گلگانی اور محمد زئی کابل میں رہتے تھے اور ترکلانی لغمان میں۔ ترکلانی ملک احمد کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ چنانچہ جس وقت بادشاہ ملک احمد کے نام فرمان بھیج رہا تھا۔ ملک سہ خانی شہ خیل سالار زئی اور ملک بلو خان برم کاڈی ترکلانی دونوں حاضر تھے۔ اُس وقت ان دونوں نے بھی ملک احمد کو خط لکھا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں کسی قسم کا خطرہ دل میں نہ لاؤ۔ آج بادشاہ تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ گلگانیوں کے دو ملک بھی ملک احمد کے خیر خواہ

تھے۔ ایک ملک احمد بن عمر شاہ عمرزئی زبیرک خیل جو ملک احمد کا رشتہ دار تھا۔ اور دوسرا ملک یحییٰ بن شاہو بن کندل بن یعقوب دونوں گھوڑوں پر ہونے کے سبب ملک احمد کے ساتھ ہمدردی اور رنگ کرتے تھے۔ ملک احمد ہمیشہ دریا جیایا کرتا تھا، سلام کرتا تھا اور بادشاہ بھی بظاہر مہربانی سے پیش آتا تھا۔ اپنے پہلو میں بٹھاتا مگر دل میں غصے سے بھرا ہوا تھا۔ رات دن اس کے قتل کرنے کے فکر میں تھا۔ چنانچہ وہ رات بھی آں پہنچی جس کی صبح کو اسے قتل کرنا تھا۔ دوستوں میں سے کسی نے ملک احمد کو اطلاع دی کہ کل تمہارا مار ڈالنا ہے۔ ملک احمد نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور خفیہ مشورہ کیا تمام رفقاء نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم سب اپنے دستار باندھ کر ہمیں اس کے ساتھ لٹکا کر دوسری طرف باہر اتار دیں گے۔ جب آؤ جاؤ تو بھاگ جانا اور اپنی جان بچالینا۔ جب آپ نہ ہوں گے تو پھر بادشاہ ہمیں قتل نہیں کرے گا۔ اور اگر قتل بھی کر دیا تو ہماری بلائیں اس کے پیچھے۔ ہمارے نابود ہونے سے قوم نہیں بگڑتی اور اگر آپ کو قتل کر دیا تو ہماری قوم خواہ ذلیل ہو جائیگی۔ ملک احمد نے کہا کہ فرض کرو دستار ٹوٹ جاتے اور میں گر کر لگڑا ہو جلاؤں اور جگہ سے نہ ہل سکوں تو پھر کیا ہوگا؟ اور دستار بھی نہ ٹوٹے اور میں صبح سلامت اتر گیا مگر چوکی سے گزرتے وقت پکڑا گیا اور پھر واپس لے گئے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ ملک تاج الدین کے نام کی نسبت ہے قدیم ایام سے آباء و اجداد سے بادشاہوں کے ساتھ ہمارا روزگار رہا ہے۔ اس لیے بھاگنا مجھے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے۔

سیمان شاہ جیسا میرا تایا اسی کابل میں مرزا الخ بیگ کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ اگر بابر مجھے قتل کر دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بارے

تم لوگ بھاگ جاؤ، اپنی جانیں بچاؤ، وقت ضائع مت کرو۔ چنانچہ اس کی رات پر اسی رات کو اس کے تمام رفقاء بھاگ گئے۔ اور کابل میں جا بجا چھپ گئے اور ملک محمود ایدین زئی ابتداء ہی سے کمال دینداری کے سبب قاضی کابل کے ہاں مقیم تھا۔ بادشاہ کو سلام تبغالکھے کے ساتھ کرتا تھا مگر بادشاہ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آدو مطرب اور ایک خدمت گار دونوں ملک احمد کے ساتھ اس کے ڈیرے میں رہ گئے۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ کے آدمی آگئے اور ملک احمد کو لیجانے لگے۔ ملک احمد جیسا کہ اُسے رات ہی اطلاع مل گئی تھی، سمجھ گیا کہ وقت قریب آگیا ہے اب اُسے جان سے مار ڈالنے کی غرض سے لیجایا جا رہا ہے۔ اس دوران میں کابل کے سارے شہر میں خبر پھیل گئی تھی کہ ملک احمد کو قتل کرنے کیلئے لیجایا جا رہا ہے۔ بازار سے جب گزر رہا تھا تو تمام لوگ اُسے دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے اور آپس میں کہتے کہ دیکھو ایسے شخص کو قتل کرنے کیلئے بادشاہ نے بلایا ہے۔ ملک احمد بھی دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں کو بھی میرے قتل کئے جانے کی اطلاع مل گئی ہے۔ اور مجھے دیکھنے کیلئے کھڑے ہیں۔ اسی حالت میں ملک میرے بن سلیمان لار زئی گلیانی جو ملک احمد کا خیر خواہ تھا اس سے ملنے آیا، بہت رویا اور کہا کہ جب دلاڑاک جیسے بدخواہ یہاں موجود تھے تو تم کس لئے آئے ملک احمد نے کہا کہ میں آپ جیسے گلیانی اور ترکلانی دوستوں اور خیر خواہوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کوئی خوف دل میں نہیں لایا اور چلا آیا۔ تقدیر کی خبر نہ تھی۔

کہتے ہیں کہ ملک میرے گلیانی اس سے پہلے بھی جب ملک احمد کو دیکھتا تھا تو تاسف اور حسرت کرتا اور اُسے ملامت کرتا کہ آپ یہاں

کیوں آئے۔ آپ کا یہاں آنا مناسب نہ تھا اور ملک احمد یہی کہتا تھا کہ تقدیر ہی ایسی تھی۔

الغرض ملک احمد دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ غیض و غضب میں بھرا تیر و کمان ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ اور انتظار کر رہا تھا کہ جو نہی ملک احمد سامنے آئے تو تیر چلائے۔ آخر جب ملک احمد دربار میں پہنچا اور آداب بجالایا تو بادشاہ نے کمان کھینچی اور تیر چلا دیا۔ ملک احمد سمجھ گیا کہ بات کرنے کی مہلت بھی نہیں رہی اس لئے فوراً قبا کے بند کھولے اور سینہ تان کر بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو گیا بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو متحیر ہو گیا۔ کمان کو نیچے کیا اور پوچھا۔

اے احمد! یہ تم نے کیا کیا؟

ملک احمد نے کہا، خاطر میں جو آیا ہے کر گزریں۔ پوچھنے کی کیا حاجت ہے۔ بادشاہ نے اس سے پھر پوچھا کہ بند کھولنے سے تمہاری غرض کیا تھی؟ ملک احمد نے کہا کہ یہ میں ہوں سینہ برہنہ کئے کھڑا ہوں۔ تیر چلا میں سبب پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مبادا مرضی مبارک بول جائے۔ جب ملک احمد نے بادشاہ سے تیر چلانے پر اصرار کیا تو بادشاہ نے کہا کہ جب تک تم مجھے اس راز سے واقف نہیں کرو گے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔

آخر الامر ملک احمد نے کہا "قبلہ عالم! ہر طرف سے خلعت کھڑی ہوئی ہے اور تماشہ دیکھ رہی ہے کہ بادشاہ کس طرح تیر مارے گا؟ اور میں نے قبا پہن رکھی ہے۔ اس لئے میرے دل میں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر بادشاہ کا تیر اس میں اکم کردہ گیا تو بہ کوئی بادشاہ کے دایرہ دل ہی دل میں ہنسے گا۔ اس لئے میں نے قبا کے بند کھول کر سینہ برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا کہ بادشاہ کے تیر میرے

سینے کے پار نکل جائے اور ہر شخص حضور کے زور پر آفرین اور شاباش کہے۔

بادشاہ کو ملک احمد کی یہ تقریر بہت پسند آئی۔ اس پر مہربان ہوا اور کہا کہ "ملک احمد! خدا کی قسم اب نہیں ماردوں گا۔ میرے قریب آ جاؤ اس کے بعد ملک احمد تسلیمات بجالا کر بادشاہ کے قریب گیا۔ بادشاہ نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اسے تسلی و تسفی دی اور پوچھا کہ ملک احمد! بھلول لودی افغان کیسا شخص تھا؟ ملک احمد نے کہا جہاں پناہ! وہ اسپ بخش تھا یعنی گھوڑے بخشتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا بیٹا کس کا کیسا نوجوان ہے؟ ملک احمد نے کہا وہ خلعت بخش ہے یعنی وہ خلعتیں بخشتا ہے۔ پھر بادشاہ نے دریافت کیا اور میں کیسا آدمی ہوں! تو ملک احمد نے کہا کہ آپ سر بخش ہیں یعنی سروں کو بخشتے ہیں۔ اس پر بادشاہ اور بھی مہربان ہوا۔ ملک احمد کو خود اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر خلعت میں لے گیا اور جتنی شراب نوشی کا آغاز کیا اور جب ساقی پیالے لے آئے۔ بادشاہ نے کچھ پیا اور باقی اپنے ہاتھ سے ملک احمد کو دیا۔ ملک احمد نے لیا اور تسلیمات بجالایا۔ ساقی نے پھر پیالہ لاکر بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ نے کچھ نوش کیا اور باقی پھر ملک احمد کو اپنے ہاتھ سے دیا۔ ملک احمد نے لیا اور آداب بجا لایا۔ اسی طرح دوسرا پیالہ چلتا رہا۔ آخر الامر بادشاہ پر سکڑ کی کیفیت طاری ہوئی وہ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگا۔ آدو مطرب نے سُرود چھیڑا اور ملک احمد جو کہ فارسی گو۔ فصیح اللسان اور خوش آواز تھا اس نے بادشاہ کی مدح شروع کی۔ اس پر بادشاہ نے غایت مستی میں ملک احمد سے کہا کہ ملک احمد میں تمہارا مطرب ہوں۔ ملک احمد نے کہا

کہ آپ میرے صاحب اور سارے جہاں کے بادشاہ ہیں۔ بادشاہ نے پھر اسی طرح کہا کہ ملک احمد نے کہا کہ آپ میرے بادشاہ اور میرے آقا ہیں۔ اسی طرح چند مرتبہ دونوں کی طرف سے ان کا تبادلہ ہوا۔ آخر بادشاہ نے ملک احمد کا ہاتھ پکڑا۔ ملک احمد کے پاس اس وقت ایک اشرفی موجود تھی۔ بادشاہ کے ہاتھ میں رکھ دی۔ بادشاہ نے لیکر تعظیماً و تکریماً اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا۔ زان بعد بادشاہ نے اپنی قبا، تلوار، زرنکار اپنے گلے سے نکال کر ملک احمد کو عنایت کیئے۔ ملک احمد شاہی آداب بجا لایا۔ بادشاہ کی عنایت کی ہوئی قبا خود زیب تن کی اور اپنی قبا اتار کر آدو مٹرب کو دیدی۔

اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ ملک احمد! اپنے دوسرے رفیقوں کو بلاؤ تاکہ انہیں بھی خلعتوں سے نوازوں اور انہیں گھروں کو رخصت کر دوں۔ ملک احمد نے اپنے ساتھی بادشاہ کے پاس سے نیچھے ملک محمود کو قاضی کے گھر سے اور باقیوں کو اقامت گاہ سے طلب کر کے حاضر کر دیا۔ بادشاہ سب سے نام بنام واقف تھا۔ اس لئے دوسروں کے بارے میں دریافت کیا کہ ملک احمد! تمہارے دوسرے ساتھی کیا ہوئے؟ ملک احمد نے کہا کہ قبلہ عالم! انہیں بادشاہ کی مہربانی اور گھروں کو رخصت کا علم نہ تھا۔ شہر میں کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں بادشاہ نے بموجب تحریر اور دفتری یادداشت جو نام بنام لکھے گئے تھے۔ ان سب کیلئے ملک احمد کو خلعتیں عطا کیں اور آدو کیلئے سونے کے دو حلقے دیئے اور خدام کو حکم دیا کہ اس کے کانوں میں پہنائیں آدو کے ایک کان میں سوراخ تھا لیکن دوسرے میں نہیں تھا چنانچہ ایک کان میں تو حلقہ پہنا دیا گیا، دوسرے میں سوراخ کو نہ کیلئے ایک باریک سیخ لائی گئی۔ آدو سیخ دیکھ کر ڈر گیا۔ ملک احمد کے قریب آیا

ملک احمد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ قبلہ عالم یہ یہاں ڈرتا ہے ہم ڈیرے میں اس کے کان میں سوراخ کر کے حلقہ ڈال دیں گے۔ بادشاہ نے اسے پھوڑ دینے کا حکم دیدیا۔

عرض یہ کہ بادشاہ نے ملک احمد کو پوری عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ملک احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر نادگئی کے راستے باہڑ آیا۔ وہاں سے سوات اور سوت سے سمد میں سب لوگ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

یوسف زئی کو ان کی بخیریت واپسی کی اطلاع ملی تو سب نے اگر مبارکباد دی۔

دوسرے سال بادشاہ نے پھر بعض امور میں صلاح و مشورے کی غرض سے ملک احمد کو فرمان کے ذریعے طلب کیا اور ملک سرفانی سالار زئی ترکھانی نے بھی ملک احمد کے نام خط بھیجا کہ گزشتہ دفعہ آپ نے بلادیکھی تھی۔ اس دفعہ نہ ڈیریں جمعیت خاطر کے ساتھ آئیں بادشاہ نے مہربانی کے ساتھ یاد کیا ہے جیلہ بہانہ نہ کریں۔ جب بادشاہ کا فرمان اور ملک سرفانی کا خط ملک احمد کو علاقہ سمد میں پہنچا، ملک احمد نے اپنی قوم کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ بادشاہ کا خط آیا ہے۔ مجھے طلب کیا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا صلاح ہے؟ قوم نے کہا کہ ملک احمد صاحب بادشاہ کو آپ ہی نے دیکھا ہے ہم نے نہیں دیکھا اور اس کی حقیقت آپ ہی کو اچھی طرح معلوم ہے اس لئے جو آپ کی مرضی ہو وہی ہماری مرضی ہے۔ ملک احمد نے کہا کہ اے قوم! میں نے اس بار موت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس دفعہ میرا جی جانے کو نہیں چاہتا۔ قوم نے بھی اسی طرح کہا کہ ملک احمد صاحب! جب آپ کی رائے نہیں ہے تو نہ جائیں، مگر

بعض دانشمندوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بادشاہ کے حکم سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ملک احمد اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتے تو اس دفعہ شاہ منصور چلا جائے کہ یہ بھی ملک تاج الدین کے گھرانے کا فرد ہے۔ سلیمان شاہ کا فرزند اور ملک احمد کا خیر ہے۔ اگر بادشاہ کا مقصد اس بلاوے سے محض یوسف زئیوں کی اطاعت سے اطمینان حاصل کرنا ہے تو اس کیلئے شاہ منصور بھی کافی ہے۔ اس لئے یہ بات شاہ منصور سے کہہ دی گئی کہ اس دفعہ آپ بادشاہ کی خدمت میں چلے جائیں۔ شاہ منصور نے کہا کہ ملک احمد جیسی خوش بیانی میرے پاس کہاں ہے؛ بادشاہوں کے دربار کے آداب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ پس میرے جانے سے کیا حاصل؛ مگر قوم مہر ہوئی کہ آپ ضرور جائیں۔ شاہ منصور نے لہجہ ہو کر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ قوم نے بادشاہ کیلئے پیشکش جمع کر کے شاہ منصور کو دے دیں۔ شاہ منصور گھر سے موضع تمھانے گیا اور تری کے راستے باجوڑ گیا۔ وہاں سے براہِ نادگئی کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے حضور میں نذر پیش کی مگر بادشاہ اس کے آنے پر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا اور کہا کہ میں نے تو ملک احمد کو بلایا تھا تم کیسے آئے؟ شاہ منصور نے ملک احمد کی طرف سے معذرت پیش کی، بادشاہ خاموش ہو گیا۔ شاہ منصور جب تک کابل میں مقیم رہا بادشاہ کے سلام کیلئے جاتا رہا اور بادشاہ بھی اس کے ساتھ عزت و شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔ آخر کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے شاہ منصور کو خلعت دیکر رخصت کیا۔ شاہ منصور وہاں سے روانہ ہو کر گھر واپس آیا اور قوم کو سارا ماجرا سنایا اور مخفی نہ رہے کہ اس وقت یوسف زئی بادشاہ کے فرمانبردار تھے مگر اس طرح نہیں کہ اس کے حاکم یا عامل کو چھوڑتے

یا واجبی قلنگ یا مالیہ دیتے کیونکہ وہ اتنی پرداہ نہیں کرتے تھے، دوسری بات یہ تھی کہ جس وقت ملک احمد نے کابل جانے سے انماض کر کے شاہ منصور کو بھیج دیا تو ملک احمد نے ساری قوم کو جمع کیا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے کابل نہ جانیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بادشاہ خود میرے پیچھے آئیگا یا فوج بھیجے گا تاکہ ہماری بیج کنی کیجائے۔ پس اس کے آنے سے پہلے کہ وہ آئے ہم اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام یوسف زئی، جمع ہو کر مورانا می پہاڑ میں جس میں بے شمار غار اور درے ہیں گھس جائیں، تاکہ اگر وہ آجائے تو ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ چنانچہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام یوسف زئی جمع ہو گئے اور سب مورانا پہاڑ میں داخل ہو گئے۔ اور پہاڑ کے تمام راستے مستحکم کر دیے۔

بادشاہ نے بھی دل میں ملک احمد کے کابل نہ آنے کے سبب یوسف زئی کے ملک کو تباہ کرنے کا منصوبہ باندھ رکھا تھا۔ اس لئے وہ کثیر فوج کو لیکر کابل سے نکل کر باجوڑ کے راستے ملک سوات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس وقت وہ باجوڑ پہنچ گیا تو سب سے پہلے میر حیدر علی گہری کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا۔ جو گہریوں کا سلطان تھا اور اگلے وقتوں میں اس نے مرزا الغ بیگ تیموری کے ساتھ شونی کی تھی اس لئے باہر کے دل میں اس کے خلاف غصہ و قہر تھا۔ اس وقت یوسف زئی باجوڑ سے نکل کر مورانا کے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔ گہریوں سے سوا یہاں اور کوئی نہ تھا۔ ان کا قلعہ بھی بڑا سنگین اور مضبوط تھا۔ اور گہری لوگ بھی بڑے بہادر تھے۔ بادشاہ کا ان پر کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ اس لئے اس نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ کہتے ہیں کہ میر حیدر علی بڑا ظالم اور سخت شخص تھا۔ اس کے اپنے

غزنیہ و اقارب بھی اس سے نالاں تھے

اس لئے اس کے اقارب میں سے اس کے چچرے بھائی نے دوسرے گہریوں کے مشورے سے بادشاہ کو خفیہ ایک عرضی لکھ بھیجی کہ میں اپنے تمام اعزاء کے ساتھ بادشاہ کا دل سے فرمانبرداری ہوں۔ اگر بادشاہ کی مرضی ہو تو میں اپنے عزیزوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوں۔

بادشاہ کے پاس جب یہ عرضی پہنچی تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور انہیں طلب کرنے کیلئے نہایت نرم الفاظ میں اور دلا سے کافرمان بھیجا۔ غرض یہ کہ میر حیدر علی کا یہ رشتہ دار بعض لوگوں کے ساتھ نکل کر بادشاہ کے پاس گیا اور آداب بجا لایا۔ بادشاہ اُس پر اور اس کے ساتھیوں پر مہربان ہوا اور خلعت سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد روز بروز گہری لوگ قلعے سے نکلتے تھے اور حیدر علی کے چچرے بھائی سے اکڑتے تھے اور سرفراز ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حیدر علی کیلئے دن بدن مشکلات بڑھتی گئیں اور اضطراب کو پہنچ گیا۔ آخر حیدر علی، چچا کے خوف اور اس شہر مندگی سے بچنے کیلئے کہ ممکن ہے میر بے غزنیہ مجھے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیں اور بادشاہ مجھے قتل کر دے، نہر کھا کر مر گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حیدر علی کے چچرے بھائی کو گہریوں کا بادشاہ نامزد کر کے قلعہ اس کے سپرد کیا اور اس کے مخالفین کو ہلاک کر قتل کر دیا اور ان کے سردوں (کلوں) سے ایک چوہترہ (دینار) بنوایا۔

اس کے بعد بادشاہ نے اسی دن وہاں سے کوچ کیا اور ملک سوات کی طرف متوجہ ہو کر موضع دیارون جو دریائے پنجگورہ کے کنارے آباد ہے، پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا اور ملک احمد کے نام فرمان لکھ کر بھیجتا رہا

اور تمہیں کھا کھا کر وعدے کیا کرتا کہ ڈرو مت آجائے میں تمہارے ساتھ بھلائی کروں گا۔ مگر ملک احمد اس کے منصوبوں سے واقف تھا وہ اُس کے وعدوں سے دھوکا کھانے اور اُس کے جال میں پھنسنے والا نہ تھا۔ اس نے بادشاہ کے فرمانوں اور وعدوں کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ جب بادشاہ ملک احمد کے آنے سے مایوس ہو گیا تو یوسفزئی پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس نے کچھ لشکر کو یہاں پھوڑ دیا اور منگلور پر حملہ کیا اس کا خیال تھا کہ اس طرح ملک احمد ڈر جائیگا اور التجا کرے گا۔ مگر بے سود۔

جس پوٹی سے گزر کر باہر سوات میں داخل ہوا تھا اسے اب تک "باہر سر" کہتے ہیں۔ وہاں سے باہر گزیر کر دماغار میں وارد ہوا اور حسین ڈیری کے مقام پر دریائے سوات کو عبور کر کے منگلور پہنچا تھا اور قلعے سے باہر جتنے گاؤں تھے سب کو غارت کر دیا اور جو لوگ قلعے کے اندر سلطان اویس کے ساتھ تھے وہ اس لئے سلامت رہ گئے کہ قلعہ انتہائی محکم تھا۔ وہاں سے لوٹ کر پھر دیارون واپس آیا۔ مگر یوسف زئی باہر کے اس حملے اور دباؤ سے ہرگز خائف نہیں ہوئے اور باہر کی یہ تہذیب آبرو ثابت ہوئی۔

الغرض جب باہر منگلور سے واپس آکر تالاش کے قریب مقام کانگلہ کے متصل مشرق میں جہاں صاف راستے پر ہموار اور چشمنہ دار آبی زمین ہے، اس جگہ مقیم ہو گیا تو جاسوس اور گمشدہ مقرر کئے تاکہ مورے پہاڑ کا راستہ دیکھیں کیونکہ وہ تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھا۔ مگر ملک احمد نے راستوں کی محکم تاکہ بندی کر دی تھی اور مورے کا سارا پہاڑ لشکر سے بھر دیا تھا۔ اس لئے جاسوسوں نے رخسہ اور راستہ نہ پایا اور تاخت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر

اس نے یہ قصد کیا کہ قلندرانہ لباس میں خود مورا جائے اور راستوں اور شکر کا احوال معلوم کرے۔ اس طرح کی سیاحت اور جاسوسی اس کا ہمیشہ کا دستور تھا اور اس کیلئے وہ مشہور تھا، چنانچہ چند خواص کی معیت میں قلندرانہ لباس پہن کر چپکے سے شکر سے نکل کر مورے کے قریب پہنچا۔ وہاں سے مورے تک ایک دن تک راتہ راتہ رہا۔ اس طرح اس نے پہاڑ، راستوں اور شکر کے احوال معلوم کئے لیکن ہر طرف سے اور ہر طرح سے انتظامات کو مضبوط اور مستحکم پایا۔ کہتے ہیں کہ مورانا می پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند و بالا مکان تھا جس میں ملک احمد کا چچا زاد بھائی منصور رہتا تھا اس لئے اسے شاہ منصور کا تخت کہا جاتا تھا اور مورے کی یہ چوٹی اب تک تخت شاہ منصور کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اتفاقاً بقرہ عید کا دن تھا۔ شاہ منصور نے کئی گائے ذبح کر کے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا۔ تقسیم کرنے والوں کا اڑدھام تھا۔ باہر بھی تماشا دیکھنے کے لئے اوپر چڑھ کر صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ باہر جہاں بیٹھا ہوا تھا وہ شاہ منصور کے پھر کے دروازے کے عین مقابل تھا اور اسی پھر میں دروازے کے سامنے شاہ منصور کی دختر مشاء بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی جو انتہائی خوب رو، عاتقہ اور ہوشیار تھی۔ اس نے انہیں دیکھا تو سمجھی کہ قلندر لوگ ہیں اس لئے گوشت روٹیوں میں پیٹ کر اپنے آدمی کے ہاتھ ان کیلئے بھیج دیا۔ بابر نے اس سے گوشت لے لیا اور پوچھا کہ یہ کس تے بھیجا ہے؟ آدمی نے کہا کہ یہ شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ نے بھیجا ہے جو سامنے دروازے میں بیٹھی ہیں۔ بابر نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ اس کی عمر کتنی ہے؟ اور کسی

سے منسوب ہوئی ہے یا نہیں؟ آدمی نے کہا جو ان ہے اور عقل و دانش، سیرت و خصلت اور عفت و فراست میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور تاحال کسی سے منسوب نہیں ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف تھی اس لئے بادشاہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور بادشاہ کے دل میں اس کا خیال پتھر کے نقش کے مانند جم گیا۔ بابر وہاں سے نکلا اور گوشت جو روٹیوں میں لپٹا ہوا تھا مکان کی پشت کی طرف ایک بڑی چٹان پر رکھ کر اس کے اوپر سے ایک پتھر دکھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنے لشکر میں لگ گیا۔

اس کے بعد ملک احمد اور شاہ منصور کے نام درخواست لکھی۔ کہ بی بی مبارکہ کا رشتہ میرے ساتھ منظور کر لیں۔ میں آپ پر کوئی تعرض نہیں کروں گا اور بہت بھلائی کروں گا۔ ملک احمد اور شاہ منصور نے جب درخواست دیکھی تو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اسے کھ کر بھیجا کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے اور بالفرض ہوتی بھی تو مغلوں کے ساتھ ہمارا رشتہ نا طہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہم یہ پیغام منظور نہیں کرتے۔ بادشاہ نے انہیں پھر لکھا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے۔ تم دونوں جب کابل آئے تھے تو میں نے دونوں کو خلعت سے سرفراز کر کے عزت کے ساتھ رخصت کیا تھا، اور پھر جب دوبارہ ملک احمد کو بلایا تو وہ مجھ سے باغی ہو گیا۔ اب خود یہاں آیا تب بھی وہ حاضر نہیں ہوا اور اب جب کہ دوستی کا ہاتھ لے کرک یاری میں رشتے کے بارے میں درج ہے کہ "اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے، ان سے درخواست کی گئی۔ (چنانچہ انہوں نے منظور کر کے) ۲۸ محرم ۱۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کے بھائی طاؤس خان دہلہن کی ڈولی کے ساتھ آئے۔

بڑھاتا ہوں تو عذیب پیش کرتے ہو اور انکار کرتے ہو۔ ہمارے ساتھ تمہارا یہ رویہ مناسب نہیں ہے۔ جب کہ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ کو دیکھا ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ میں چند آدمیوں کے ساتھ قلندران لباس میں بقرہ عید کے دن علاقے کے چانچ پڑتال کی نیت سے گیا تھا۔ شاہ منصور نے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع تھے ہم بھی قلندروں کی طرح پچھر کے دروازے کے مقابل صحن کے ایک کنارے پر بیٹھ گئے اور سامنے پچھر کے دروازے میں بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس طرح ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چنانچہ اس نے کچھ گوشت بھی روٹیوں میں پٹا ہوا ہمارے لئے بھیجا، یہ گوشت روٹی ہم نے پچھر کے عقب میں ایک چٹان پر رکھ کر اوپر سے ایک اور پتھر رکھ دیا ہے۔ یہ کام محض نشانی کے خیال سے کیا گیا تھا۔ تاکہ تم منکر نہ ہو کہ اب تم جاکر اُسے دیکھ لو اگر یہ بات درست ہے تو تمہارا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ مناسب ہوگا کہ میرے ساتھ دوستی کرو یہی میرا سب سے بڑا مقصد ہے اور اگر نہیں کرتے تو میں کابل سے اسی ہم پر آیا ہوں اور کامیابی کے بغیر واپس لوٹنا میرے لئے باعث شرم ہے۔ پھر دیکھوں گا کہ خدا کو کیا منظور ہے جو کچھ اُسے منظور ہوگا وہی ہو کر رہیگا۔

ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا یہ خط پڑھا تو آدمی بھیجا وہ جگہ دیکھی جیساکہ بادشاہ نے لکھا تھا گوشت اور روٹی واقعی وہاں رکھی ہوئی تھی۔ انہیں یقین آگیا کہ واقعی بادشاہ آیا تھا اور اس نے بی بی مبارکہ کو واقعی دیکھا ہے لیکن اُسے رشتہ دینے پر یہ دونوں پھر بھی آمادہ نہ ہو سکے اور انہوں نے دوسرا پہانہ کیا کہ ہم مغلوں سے

دل میں۔ مرزا الخ بیگ نے ہمیں قتل کیا اب آپ کے ساتھ ہماری داری کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر شیخ علی، ملک محمود بن یحییٰ علاؤ الدین (ابن زنی) اکوڑی، ملک قمر اور دوسرے اراکین جرگہ نے ملک احمد کو اس بات پر مجبور کیا اور اُن سے کہا کہ بادشاہوں کے ساتھ سرتیزی اور رشتہ مناسب نہیں۔ امیر تیمور کا پوتا ہے اُسے آپ کی شان و شوکت بھی معلوم ہے اور وہ قدر شناس بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آپ قوم کے نگہبان ہیں اور قوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں تو بی بی مبارکہ سے اس کا رشتہ منظور کر کے قوم کو اس مصیبت سے بچائیں۔ آخر ملک احمد نے قوم کی بات مان لی اور رشتہ دینے پر راضی ہو گیا۔ مگر شاہ منصور نے کہا کہ بادشاہوں کے شایان شان جہیز اور شادی کے اخراجات اور سازد سامان کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اراکین جرگہ نے کہا کہ جہیز کے سارے سامان کی ذمہ داری ہماری ہے۔ ہم سوا لکھا کریں گے اور آپ کی عزت و اکبر رکھ دیں گے۔ بالآخر شاہ منصور بھی راضی ہو گیا اور بی بی مبارکہ کا بادشاہ سے رشتہ منظور کر لیا۔

اس کے بعد یوسف زئیوں کے اراکین جرگہ نے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیکھ کر بھیجی اور شادی کی تاریخ مقرر کر کے اپنے مطالب اس طرح عرض کئے کہ ہم نے بڑی کوششوں سے ملک احمد اور شاہ منصور کو رضامند کر کے بی بی مبارکہ کو آپ سے منسوب کروایا ہے۔ پس بادشاہ کے اخلاق حسنہ سے توقع یہ ہے کہ خوشی اور دوستی کا حق پہنچا نظر رکھیں گے اور شیوہ مہربانی ملحوظ خاطر رکھ کر ہماری تقصیر کو معاف کر کے ساری نیک توجہ اس طرف مبذول فرمائیں گے۔

اس ہی یہ خوشخبری بادشاہ کو پہنچی تو فرط مسرت سے نوبت بچانی

جانے لگی اور خوشیاں منائی جانے لگیں اور اُن کا جو مسئول و مأمول تھا سب گوش ہوش سے سن کر وعدہ کیا کہ شادی کے اتمام کے بعد کابل روانہ ہو جاؤں گا اور کسی طرح سے بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

تمام یوسف زئیوں نے اپنے اپنے حقے اور حیثیت کے مطابق سونا جمع کر کے شاہ منصور کو پہنچایا۔ شاہ منصور نے عوام کا سونا اور اپنے مقدور بھر سونا خرچ کر کے بی بی مبارکہ کیلئے شادمانہ جہیز تیار کیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے شایان شان زیور اور نادر ملبوسات اور بیش بہا خلعیں، گھوڑے، نیچے، شامیانے، تانبے کے ظروف خادمائیں اور دیگر لوازمات بعجلت تمام تیار کر کے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے اپنی جگہ اپنی تلوار بھیج دی۔ زان بعد بی بی مبارکہ کو ڈولی میں بٹھا دیا گیا۔ ملک احمد اور شاہ منصور شکردوں کی معیت میں روانہ ہو کر موراپہاڑ سے اترے۔ تھانے سے ہو کر چکدرہ کی گزرگاہ سے دریائے سوات کو پار کیا۔ چکدرہ، اوج، کاٹگلہ اور تلاش ہوتے ہوئے تری کی چوٹی پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ تری کی چوٹی اور بادشاہ کے لشکر کی مابین ایک کروہ کی مسافت تھی۔ چوٹی کے نیچے بادشاہ کے امراء لشکر کے ساتھ جنہیں بادشاہ نے بی بی مبارکہ کے استقبال کیلئے بھیجا تھا، منتظر کھڑے تھے۔ جب ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا لشکر دیکھا تو طاؤس خان کی سرکردگی میں اپنے غلاموں اور خادموں کو ڈولی کے ساتھ کر کے بی بی مبارکہ کو رخصت کر دیا اور خود واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے امیروں نے ڈولی اٹھا کر لشکر تک پہنچا دی۔

بی بی مبارکہ کیلئے بادشاہ کے نیچے کے برابر میں ایک خاص سرائچہ

تیار کیا گیا تھا۔ اس میں اُسے پورے اعزاز کے ساتھ اتارا گیا۔ بادشاہ اور امراء کے اہل حرم اس کی ملاقات کیلئے آئے مگر اس نے کسی کی بھی تعظیم نہیں کی۔ نہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نہ کسی سے بات کی۔ چنانچہ بات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد جب بادشاہ نے مسجد میں نماز ادا کی تو بی بی مبارکہ کے نیچے کی طرف متوجہ ہوا۔ کپڑوں نے بی بی مبارکہ کو خبردار کیا کہ بادشاہ اس کی طرف آ رہا ہے۔ بی بی مبارکہ نے اپنے نیچے میں داخل ہوا یہ فوراً پلنگ سے اتر کر اس طرح گھوم گھٹ میں دست بستہ کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ قریب آیا تو آداب بھلائی اور ادب کے ساتھ کھڑی رہی۔ بادشاہ پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا پشتون نے (پختون زادہ) بیٹھ جاؤ بی بی مبارکہ! یہ کلمات بجا لگے لیکن بیٹھی نہیں۔ بادشاہ نے پھر کہا پشتون نے! اٹھ جاؤ۔ اس طرح تین بار بادشاہ نے کہا کہ پختون ناری! بیٹھ جاؤ۔ پھر بھی نہ بیٹھی اور ہر دفعہ آداب و تسلیمات بجا لاتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اُسے کھینچ لیا اور اُچھل چہرے سے ہٹا دیا لیکن اس نے سیار کے سبب پھر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ بادشاہ اس کے اخلاق، سیرت و صورت پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا کہ پختون زادہ! بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد وہ بولی کہ میں ایک عرض رکھتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ بی بی مبارکہ نے پلٹ پھیل کر کہا کہ میں اپنی قوم کیلئے بادشاہ سے شکایت اور معافی کی خواہگار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مہربانی ہو میری مراد سے میری بھولی بھر دی جائے۔ اور میری قوم کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا اچھا پختون نادہ! تمہاری مراد سے تمہاری بھولی بھر دی گئی اور تمہاری قوم کی تقصیر معاف کر دی گئی، خاطر جمع

رکھو۔ وہ شکرتیہ کے طور پر پھر تسلیات بجا لائی۔ لیکن اسی طرح کھڑی رہی۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنے ساتھ پٹنگ پر بٹھا دیا اور مختلف قسم کی باتوں میں مشغول ہو گیا۔ جب عصر کی آذان ہوئی تو بادشاہ اٹھا۔ بی بی مبارکہ نے جلدی سے بادشاہ کے جوتے سیدھے کر دیئے۔ بادشاہ ہنسنا اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا میں جانتا ہوں کہ یہ سب تعلیم ملک احمد کی دی ہوئی ہے۔ یہ سب آداب تمہیں اُسی نے سکھائے ہیں۔ اس کے بعد کہا کہ میں تم سے اور تمہاری قوم سے رخصتی ہو گیا۔ تمہاری خاطر انہیں معاف کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ باہر نکل کر چلا گیا۔ فی الواقع یہ تمام طور و طریق اور ادب و آداب ملک احمد کے تعلیم دیئے ہوئے تھے۔

اس کارِ خیر کے بعد بادشاہ موضع دیارون سے مراجعت کر کے باجوڑ کے راستے کابل تشریف لگئے اور بی بی مبارکہ کو انتہائی اعزاز کے ساتھ کابل پہنچایا جو اس کی شریک حیات اور چہیتی بیوی تھی۔ اس بناء پر بادشاہ کے سارے اہل حرم کا اس کے ساتھ بغض و حسد دامنگیر ہوا اور ان کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اس کا بیٹا تولد ہو جائے تو اغلباً سلطنت اور بادشاہت افغانوں میں چلی جائے گی۔ اس لئے بی بی مبارکہ کو پوشیدہ طور سے کوئی ایسی دوائی کھلا دی کہ وہ دائمی طور سے بانجھ ہو کر رہ گئی۔ اسی وجہ سے اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے بعد یوسف زئی مور نامی پہاڑ سے سے انوکھ اپنے اپنے علاقوں میں آباد ہو گئے اور ملک احمد اور شاہ منصور کی دوستی اور تعلقات بادشاہ کے ساتھ استوار ہو گئے۔ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے جانبین سے آدمیوں کی ہمیشہ آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

پندرہ سال بعد بابر ہندوستان آیا اور تمام ہندوستان کو مسخر کر لیا اور بی مبارکہ کے بھائی میر جمال ملک زئی دژد ایک جماعت کے ساتھ بی مبارکہ کی خبر گیری کیلئے آئے۔ بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوا اور جاگیر و منصب سے سرفراز کیا۔

بابر بادشاہ کی رحلت کے بعد نصیر الدین ہمایوں کے دور میں بھی بی مبارکہ اسی طرح صاحبِ عزت و وقار رہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عظمت و محترم ہو گئی۔ دارالسلطنت لاہور میں، قوم فرمولیاں کے محلے میں بڑے بڑے قصر اور عالی شان حویلیاں رکھتی تھیں۔

بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی پیش بہا خویوں اور عقل و فراست کی بناء پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا جاتا رہا تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بھائی میر جمال کے بیٹے اور پوتے بھی حسب دستور سابق جاگیر دار اور منصب دار تھے یہاں تک کہ بہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں بھی اُس کے ایک پوتے معزز و موقر تھے۔ میر جمال نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی۔ بی بی مبارکہ نے اپنی زندگی انتہائی دولت اور عزت میں گزاری تھی کہ بڑی بوڑھی ہو گئی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پا گئی۔

اللہم اغفر لی ولہا ولجنہ المؤمنین والمؤمنات برحمتک یا ارحم الراحمین۔
ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی پیش بہا خویوں اور عقل و فراست کی بناء پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب ہندوستان میں شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا جا

رہا تھا تو انسانی آغا پھر اس کے ساتھ تھی۔

اب اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب بابر بادشاہ سوات سے مراجعت کر کے کابل چلا گیا۔ یوسفزئی موراسے اتر آئے اور سلطان اولیس کے خلاف مہم میں مشغول ہو گئے۔ انہیں جب موقع ملا۔ سلطان کے لوگوں کو قید کر لیتے تھے اور ان کے ملک اور دیہات کو تہیں نہیں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان عاجز آگیا اور آخر کار اپنے تمام متعلقین اور فوج وغیرہ کے ساتھ قلعہ منگلور سے نکل گیا اور سوات کو چھوڑ دیا۔

دادئی دریا کے سوات چھوڑ کر کے تاج خیلہ (خوارہ خیلہ) گئے اس کے بعد پہاڑ کو عبور کیا جس میں چار روز لگ گئے نال بعد نیلگ درے چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ نیلگ پہاڑوں کے درمیان ایک مقام (درہ) ہے۔ یہ سارا علاقہ آبائی چشمہ دار اور سبزہ زار ہے اور بیح کے دنوں میں چاروں طرف بڑی مقدار میں گھاس اور سبزہ ہوتا ہے۔ اس کے گرد گرد (ڈوما) کفار آباد تھے۔ سلطان اولیس نے وہاں ایک شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام لاہو رکھا۔ جس کے ارد گرد کفار کے دیہات تھے۔ ان سب کو اپنے تصرف میں لایا اور جیسے پہلے صاحب جاہ تھا اسی طرح پھر صاحب شوکت اور سلطنت کا مالک بن گیا اور مدت دراز تک بادشاہت کرنے کے بعد بدنی عارضے میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوا۔ فیروز شاہ اور قزاق شاہ نام کے دو بیٹے اس کی یادگار تھے۔ بڑا بیٹا فیروز شاہ باپ کا جانشین ہوا۔ ایک روز قزاق شاہ سیر و شکار کی غرض سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا ہوا تھا کہ یوسف زئی کے زردیں آگیا۔ ایک یوسف زئی نے اس کو تیر مارا وہ گھوڑے سے گم کر مر گیا۔ یوسف زئی نے قزاق شاہ کا

سر کاٹ لیا اور لاکو خان کچو کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خان موصوف اس وقت غوری یا خیل کی مہم کے سلسلے میں نکلا ہوا تھا۔ اور اس وقت دریا کے لٹا کے کنارے مقیم تھا۔ اس مہم کے حالات اپنے محل میں آئیں گے۔ فیروز شاہ نے مدت دراز تک بادشاہت کی اور عمر رسیدہ ہو کر مرا۔ فیروز شاہ کے بعد حکومت اس کے بیٹے سلطان ماہ کے حصے میں آئی۔ سلطان ماہ کے بعد زین اعلیٰ اس کا جانشین ہوا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی پشتوں تک سلطنت اسی خاندان میں رہی۔ حاصل یہ کہ جب سلطان اولیس منگلور سے چلا گیا تو سارا سوات مترادوی کے علاقے کے سوا یوسف زئی کے قبضے میں آگیا۔

کہتے ہیں کہ یوسفزیوں نے سلطان اولیس کا سارا ملک سولہ سال کے اندر اندر اپنے تصرف میں لے لیا اور سترہویں سال مترادوی کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے خلاف فوج کشی کی۔

مترادیوں کا ملک بڑا وسیع تھا اور دریا تے سوات کی جنوبی طرف واقع تھا۔ دریا تے سوات منگلور تک شمال کی طرف سے کاشغر سے آتا ہے اور منگلور سے دریا لے پنجکوڑہ تک مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پنجکوڑہ سے پھر دونوں دریا دیانے آگروہ اور اشغر تک جنوب کی جانب بہتے ہیں۔ اس کے دریا کے پشاور میں گرجانا ہے۔

مترادیوں نے جب یوسف زئی کی لشکر کشی کی خبر سنی تو سخت گھبرائے اور اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو کر بلگرام (بلوگرام) میں قلعہ بند ہو گئے۔ بلگرام (بلوگرام) ایک قلعہ کا نام ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور نہایت مضبوط اور اونچا ہے اور چونکہ پہاڑ سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے دشمن اس پر آسانی سے حملہ نہیں کر سکتا ملک حسن اپنے عزیزوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس میں رہتا تھا۔

اور دوسرے لوگ قلعے کے باہر ارد گرد کے دیہات میں رہتے تھے۔
یوسف زئی کے لشکر نے کائیلٹی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مترادیوں
کے تمام علاقے میں یہی جگہ ہموار بھی تھی، باقی سارا ملک پہاڑی تھا
یوسف زئی ہر روز قلعے کے قریب جاتے، مترادی بھی قلعے سے نکلتے
اور باہم لڑائی لڑتے۔ ایک رات کو رحیم داد ابن احمد خدر زئی منڈ
اپنے لشکر کے ساتھ چھپ کر گیا اور پہاڑ کے اوپر چڑھ کر چوٹی پر قبضہ
کر لیا۔ مترادیوں میں سے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو
یوسف زئیوں کا عظیم لشکر قلعے کی طرف روانہ ہوا مترادی بھی حسب معمول
قلعے سے نکل کر مقابلے کیلئے سامنے آئے اور جنگ شروع کی۔

ٹرائی میں پہل پائی ابن اسکو بائی زئی یوسف زئی نے کی اور
حاجی شاہ نامی مترادی پر وار کیا اس لئے کہ زندگی نام کا اس کا بھائی
کچھ دنوں پہلے مترادیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ فخر نام کے مترادی
نے پائی پر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ پائی کے ذرے میں پیوست ہو گیا
پائی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گر گیا۔ پیر علی
ابن میرک نوری زئی ملی زئی نے آگے بڑھ کر تلوار سے نیزے کے دو
ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح آدھا نیزہ مترادی کے ہاتھ میں رہ گیا
اور آدھا پائی کے ذرے میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کے بعد دونوں
لشکروں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ جب مترادیوں نے چوٹی
پر لوگوں کو دیکھا تو سراسیمہ اور پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور
قلعے کے اندر جا گئے۔ یوسف زئیوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بالا
اور زیرین سے جنگ ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں رحیم داد خدر زئی منڈ بھی
اپنے آدمیوں سمیت پہاڑ سے اتر گیا۔ پناہ گاہ اور خندق قلعے کے
قریب تیار کیں اور تمام دن باہم لڑتے رہے جب ایک پہر رات گزر

گئی۔ مترادی قلعے کے ایک طرف سے جہاں مٹی کا تودہ ہونے کی
وجہ سے خندق یا پناہ کیلئے جگہ نہ تھی، نکل کر بھاگ گئے اور سارا مال
و متاع چھوڑ گئے۔ چند آدمیوں کو محض اس لئے قلعے میں چھوڑ گئے کہ
رات کو شور و غوغا اور ہاتھوں کرتے رہیں۔ تاکہ یوسف زئی یہ نہ سمجھ سکیں
کہ مترادی بھاگ رہے ہیں۔ اور انہیں ہایت کر دی کہ صبح کیوقت
وہ بھی بھاگ آئیں۔

الغرض تمام مترادی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے جب
صبح ہوئی تو باقی ماندہ لوگ بھی نکل بھاگے اور پہاڑوں میں گھس
گئے۔ صبح کو یوسف زئی کو معلوم ہوا کہ قلعہ خالی ہے تو قلعے میں داخل
ہو گئے اور اُسے لوٹ لیا۔ اس قلعے سے بے انتہا مال و اسباب ان
کے ہاتھ لگا۔ اب مترادیوں کا سارا ملک بھی یوسف زئیوں کے قبضے
میں آ گیا۔

مترادی کئی برسوں تک پہاڑوں میں سرگردان و پریشان پھرتے
رہے۔ بالآخر آہستہ آہستہ تمام مترادی آکر اپنے اپنے مواضع
میں رعیت بن کر آباد ہو گئے۔ یوسف زئیوں نے سارا سوات آپس میں
تقسیم کر لیا۔ اور سب اپنے اپنے حصے سے مطمئن ہو گئے۔ البتہ
ملک حسن اور اس کے متعلقات شرم وندامت کے باعث جلا وطنی
اور محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں بستے رہے۔ جب
ملک حسن کا انتقال ہو گیا تو اس کے اقارب نے بھی یوسف زئی سے
واپسی کی اجازت کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے
مہنے پر آمادہ ہو گئے۔ قلعہ بالا گرام (بلوگرام) کی فتح کے بعد پورے
سوات پر یوسف زئی کا قبضہ ہو گیا اور کوئی ان کا منازع و مقابل باقی
نہ رہا۔ اس طرح سترہویں سال میں سارا سوات بھی ان کے تصرف

میں آگیا، اس آٹا میں یوسف زئی کے اکثر سردار جنہوں نے سوات کی مہم کا آغاز کیا تھا۔ اور ابتدائی جنگیں لڑیں تھیں۔ جیسے ملک قزو، خان کجہ کے والد اور موسیٰ ابن ابیکر کنارئی اور موسیٰ ابن ابیکر کنارئی اتمان منڈر اور اس پائے کے دو سکھ بڑے بڑے سردار وفات پا گئے تھے۔ ملک قزو کی قبر موضع تھانے میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اللہم اغفر لی ولئہ و لجمیع المؤمنین و المؤمنات برحمتک یا ارحم الراحمین۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۴)

ملک دوآبہ میں گلیا نیوں کی آمد،
بابر بادشاہ کا کابل سے پشاور میں آنا
اور کلیا نوئی کے دلاکوں پر اسکی چڑھائی

گلیانی قوم کے جو لوگ کابل میں رہ گئے تھے۔ بابر نے ان کی سخت مخالفت شروع کی۔ ان کیلئے زندگی دشوار ہو گئی۔ اس لئے انہوں نے کلیا کابل سے کوچ کیا اور یوسف زئی کے پیچھے آنے لگے مگر موسیٰ زئیوں کا قبیلہ جو یوسف زئیوں کے ساتھ عداوت رکھتا تھا وہ کابل ہی میں رہ گیا اس وقت گلیا نیوں کا سردار ملک ہنزہ ابن یعقوب منغل خیل تھا جو بہت نامور، صاحب جاہ اور بابر بادشاہ کا بہت مقرب تھا۔ ملک میرے بن سلیمان لالہ زئی اور ملک یحییٰ بن مدت میر زئی سردار بھی مشہور و معروف تھے اور دونوں کی ملک احمد ملک زئی رزٹ کے ساتھ رشتہ داری اور قربت بھی تھی۔ ان دونوں نے یہ اتفاق چند نامور ملکوں کو ملک احمد کے پاس دوآبہ بھیجا اور ان سے کہا کہ ملک احمد سے اپنی شکستگی و مصیبت زدہ زندگی ظاہر کردہ اور بتاؤ کہ کابل میں زندگی دشوار اور جینا حرام ہو گیا ہے۔ اب آپ کے ہاں آئے ہیں، آپ سے نیکی اور مہربانی

لے موسیٰ ابن ابیکر کی قبر درگئی اور سٹاکوٹ کے درمیانے خان گھڑی سے بطرف مشرق ایک قدیمی قبرستان میں ہے، موسیٰ مینہ اس کے نام سے منسوب ہے۔ اور اس وقت اس کی اولاد مواضعات کوٹ، ابوہ سوات میں آباد ہے جو موسیٰ خیل کے نام سے یاد پڑتے ہیں۔ نیز موسیٰ ابن ابیکر کنارئی منڈر کی قبر ملک قزو کے متصل موضع تھانہ بمقام بختہ ایک ہی احاطے میں واقع ہے۔ اس کی اولاد کوٹ، ٹوپی اور تحصیل ہری پور میں آباد اور ابیکر خیل میں موسیٰ خیل کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔



کے امیدوار ہیں۔ چنانچہ یہ چند گلیانی ملک اپنے اہل دعیال کے ہمراہ ملک الملوک احمد کی خدمت میں آئے اور اپنا حال بیان کیا۔ ملک احمد نے ان کو خوش آمدید کہا اور پرتیاک غیر مقدم کیا اور یہ کہا کہ یہ بہت خوب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی ہمارے پاس بھیجا۔ مطمئن رہو اور خاطر جمع رکھو۔ میں نے سارا دوا آہ تمہیں دیدیا ہے۔ جاؤ اس میں آباد ہو جاؤ۔ گلیانیوں کے یہ سردار واپس گئے اور اپنی قوم کو یہ خوشخبری سنائی قوم اس سے بہت خوش ہوئی اور کابل سے کوچ کر کے کڑپہ (گندھاؤ) کے راستے دوا آہ آپہنچی اور ملک احمد، شیخ ملی اور خان گجو کے والد ملک قزو سے ملاقات کی۔

وعدے کے مطابق یوسف زئیوں نے دوا آہ گلیانیوں کیلئے خالی کر دیا اور خود خوش و خرم دوا آہ سے روانہ ہو کر اشنغر پار چلے گئے۔ دوا آہ گلیانیوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور ہر شخص اپنے حصے میں آباد ہو گیا۔ گلیانی دو سال میں بڑے صاحب جمعیت اور آسودہ حال ہو گئے آخرش اتفاقاً ایک دن ملک احمد اور شیخ ملی ایک سو بڑے بڑے نامور ملکوں کے ساتھ ملک ہمزہ گلیانی کے ہاں دوا آہ آئے۔ ملک ہمزہ کو پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لئے اس نے وہیں جگہ بنائی تھی اور خیمہ لگایا تھا۔ اور اس میں فرش پچھائے تھے۔ پٹنگ پچھا کر اس پر بستر اور پشیمینہ پچھا کر نکیہ رکھا اور خود بھی بہت قیمتی اور نفیس لباس پہنے ہوئے بہت غرور اور تکنت سے بیٹھا ہوا تھا۔ کسی سبب سے ملک احمد اس وقت پیچھے رہ گیا تھا اور دوسرے یوسف زئی ملک پہلے خیمے میں داخل ہوئے اور ملک ہمزہ سے ملے لیکن وہ اندر کبر و رعوت ان کیلئے کھڑا نہیں ہوا۔ باہر دل ناخواستہ بیٹھے بیٹھے ہر ایک سے ہاتھ ملاتا یا۔ آخر میں ملک احمد خیمے میں داخل ہوا اور اپنے عزیزوں

کے ساتھ کبر و رعوت بکایہ سلوک دیکھا تو اُسے بہت غصہ آیا۔ ملک ہمزہ کی یہ حرکت اُسے سخت ناگوار گزری۔ ملک احمد اُلٹے پاؤں باہر چلا گیا اس نے ملک ہمزہ سے ملنا گوارا نہ کیا اور یہ آواز بلند کہا کہ "یہ وہ ناکس، بدینت گلیانی ہیں جنہوں نے کابل میں بھی ہمارے ساتھ برا سلوک کیا تھا اب میرا خیال تھا کہ شاید یہ اپنے کئے پر پشیمان ہو کر میرے پاس آئیں میں اس لئے میں نے دوا آہ جیسا ملک ان کو دیدیا مگر معلوم ہوا کہ جلی خصلتی اور بغض و عداوت اب بھی ان میں باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے میرے عزیزوں کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ہاتھ ملایا۔ خیر اگر میں مرد ہوں گا تو اس کا یہ غرور اس کے سر سے نکال دوں گا اور کابل میں کی ہوئی برائیوں کا بدلہ لے لوں گا۔

ملک احمد نے غیض و غضب میں جو باتیں کہیں۔ ملک ہمزہ اور دوسرے گلیانیوں نے لفظ بہ لفظ سنیں مگر کسی نے ہوں تک نہ کی سب خاموش اور پشیمان رہے۔

الغرض ملک احمد قہر و غضب میں وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے عزیزوں کو آواز دی کہ آؤ۔ گلیانیوں کی نیت ہمیں معلوم ہو گئی۔ چنانچہ سب ملک اسی وقت روانہ ہو گئے۔ رات اشنغر میں گزاری۔ صبح اپنے گھر آ گئے۔ یوسف زئیوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو ہر کسی نے اُسے بہت بُرا محسوس کیا اور پھر گلیانیوں کے ساتھ دشمنی از سر نو تازہ ہو گئی اور کابل میں ان کے ساتھ کی گئی تمام برائیاں پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔ دلوں میں انتقام کے آگ بھڑک اٹھی اور دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ گلیانی ان دنوں کابی بھڑوں اور دنیوں کے ریور کشرت رکھتے تھے۔ ملک ہمزہ کے پاس بے شمار ریور تھے اس لئے اس نے نام دمنود

کی غرض سے ہر آدمی کیلئے ایک ایک کونہ ذبح کیا تھا۔ چونکہ یوسف زئی کے ایک سونفر آتے تھے۔ اس لئے اس نے ایک سو ذبے ذبح کئے تھے اور انواع و اقسام کے کھانے پکائے تھے۔ ملک احمد کے جانے سے اس کے سارے کئے دھڑے پر پانی پھر گیا۔ تمام کھانے ضائع ہو گئے اور عام لوگوں کو کھلانے پڑے۔ ملک ہمنہ سمجھ گیا کہ ملک احمد زبردست آدمی ہے اور آردہ خاطر ہو کر چلا گیا ہے۔ یہ ضرور کوئی بہانہ تلاش کر کے مصیبت کھڑی کر دیگا اور اس طرح کابل کا انتقام بھی لے لے گا۔ پس ضروری ہے کہ حالات قطعی بگڑ جانے سے قبل کچھ فکر کی جائے۔ اس کیلئے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ بادشاہ کے حضور کابل چلا جاؤں اور کسی طریقے سے اُسے یہاں لے آؤں۔ جب بادشاہ میرے ساتھ آجائے گا تو ملک احمد کو چارو ناچار راضی ہونا پڑے گا اور صلح کر لیگا۔ اس طرح اس کی برائی سے محفوظ ہو جاؤں گا۔

چنانچہ ملک ہمنہ کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور اپنی تابعداری اور کمالِ فدویت اس پر ظاہر کی اور ازراہِ خیر خواہی ملک گیری کا شوق دلا کر اُسے پشاور کیلئے روانہ کر دیا اور اس طرح چند دنوں میں اُسے اپنے ساتھ بیکر دو آجے میں آپہنچا اور اُسے اپنے گھر میں اتارا۔ ملک ہمنہ کے مشورے کی مطابقت سب سے پہلے کلیان زئی کے دلزاکوں کو نشانہ بنانیکا فیصلہ کیا اور سمہ کے یوسف زئی کے دوسرے نام اس مضمون کے فرمان بھیجے کہ ان فرامین کے پہنچتے ہی اپنے اپنے لشکر سمیت ہمارے حضور میں پہنچ جاؤ اور یاد رکھو کہ دلزاک کو اس بات کی اطلاع نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنے اپنے مواضع سے بھاگ نہ جائیں۔

سمہ میں اُس وقت یوسف زئی کے دو قبیلے اکوزئی اور الیاس آباد تھے۔ چنانچہ اُس اوان میں اکوزئی کا نامی سردار ملک سرابدل بن یحییٰ

خواجہ زئی علاؤ الدین زئی تھا اور دوسرا میر فتح خان بن موسیٰ باقی زئی اکوزئی تھا۔ اور الیاس زئی میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ ملک سرابدل اور میر فتح خان نے بادشاہ کے فرمان کے مطابق فوراً اکوزئی اور الیاس زئی کا لشکر اکٹھا کیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور دونوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ بادشاہ نے ملک ہمنہ سے کہا یوسف زئی کا لشکر آپہنچا ہے اب تم بتاؤ کہ سب سے زیادہ متمرد اور سرکش کون لوگ ہیں تاکہ ان کے خلاف لشکر کشی کی جائے۔ ملک ہمنہ نے ملک سرابدل اور میر فتح خان سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔ سب سے پہلے کس پر چپاؤ کرنا چاہیے۔ ان دونوں نے ملک ہمنہ پر فیصلہ چھوڑ دیا اور کہا کہ آپ بڑے ہیں اور بادشاہ کے مقرب و معتمد ہیں۔ بادشاہ آپ کے گھر میں جلوہ فرما ہیں لہذا جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ ملک ہمنہ نے کہا کہ مجھے تو اپنا دشمن دلزاک سے زیادہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔ خصوصاً عمر خییل جو ہندوستان کے شاہراہ پر مقیم ہیں اور جب کبھی ہمارے سوداگر شاہراہ سے گزرتے ہیں۔ اور ہندوستان آتے جاتے ہیں یہ لوگ ان پر قحطی اور مال و اسباب پر دست درازی کرتے ہیں سوداگران کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں۔ اس پر ملک سرابدل اور میر فتح خان نے کہا یہ بات بالکل درست ہے۔ ہمارے لوگ بھی ان کے ظلم و تعدی سے تنگ آ گئے ہیں۔ بلاشبہ دست اندازی۔ پخصلتی اور خود بینی ان کا پیشہ بن گیا ہے۔

اس زمانے میں کلیان زئی کا سارا علاقہ دلزاک کے قبضے میں تھا۔ اور عمر خییل کے اس مقام پر جسے اب کلیانی یا جھٹڈی ریلوے اسٹیشن کہا جاتا ہے۔ عمر خییل کے دو بڑے بڑے گاؤں تھے جو کلیانی کے نام سے دونوں

درب آباد تھے۔ اس زمانے میں جب یوسف زیتوں اور گلیانیوں کے ہو
سوداگر ہندوستان آتے ہاتے تھے وہ نیلاب (دریائے سندھ) سے پار
ہو کر جانپڑ اور سنیا سے ہوتے ہوئے سرخ ورنی (نرہ مینہ) کے مقام
پر دریائے لنڈا کو پار کر کے موضع کلپاٹری کے راستے آتے۔ اس کے
بعد کہیں اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ دلزاک اُن پر ڈاکہ ڈالتے، اور
دست درازیاں کرتے تھے اور اگر انہیں سوداگروں پر ڈاکہ ڈالنے اور
انہیں لوٹنے کا موقع ملتا تو یہ رہنمائی کرتے۔ یوسف زئی کے ساتھ
عمر خیل مخالفت اور دشمنی کرتے تھے۔ مزید برآں یہ سبب بھی تھا
کہ ملک پیپو باجوڑ میں یوسف زئی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس سے پہلے
دلزاک کے حالات میں گزر چکا ہے۔ ان حالات کی بنا پر سب سے پہلے
عمر خیل کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے بعد بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ رات کو موضع کلپاٹری
کے قصبہ سے روانہ ہوا۔ لشکر کے دریا کو عبور کر کے حصار بالول پہنچا
اور صبح صادق کے وقت کلپانی ندی کے مغربی طرف والے عمر خیل
کے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ گاؤں میں شور و غوغا ہوا تو ندی پار کے مشرق
گاؤں میں بھی سُنا گیا۔ سب سے پہلے یہ شور و غوغا عمر خیل کے
نامی گرامی سردار ملک جہاں شاہ نے سنا لیکن اُس نے یہ خیال کیا کہ
شاید کوئی شیر یا چیتا ندی پار کے گاؤں میں گھس آیا ہے۔

اس زمانے میں کلپاٹری کا علاقہ نرکل اور بانس کا گہلیا جنگل
تھا۔ سارے علاقے میں نرکل ہی نرکل تھے جس میں بے شمار
آدم خور چیتے رہتے تھے اور آدمیوں کو اٹھا کر بیٹاتے تھے، اسی طرح
گینڈے بھی بکثرت تھے۔

ملک جہاں شاہ نے فوراً نیزہ اور تلوار سنبھالی اور گھوڑے پر

سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھوڑے کا نام "گل بادام"
تھا اور بہت بہترین گھوڑا تھا۔ گاؤں والوں سے کہا کہ فوراً میرے
پچھے آؤ ورنہ لگاؤ۔ ملک جہاں شاہ حقیقت حال سے بالکل بے خبر
تھا۔ اُسے کیا پتہ کہ بابو نے حملہ کیا ہے۔ جب وہ اپنے گاؤں سے نکلا
اور پل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ فوج ہر طرف سے گاؤں پر چڑھ رہی
ہے۔ قتل و غارت گری اور قید و بند کا بازار گرم ہے اور بادشاہ گاؤں کے
میں وسط میں کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی ملک جہاں شاہ
نے نعرے لگائے اور پکارا کہ اے عمر خیل! بیدار ہو جاؤ اپنے ناموس کی
حفاظت کرو اور مردانگی کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اس کی اس
پکار پر لوگ جاگ اُٹھے اور گھر گھر جنگ پھر گئی مگر زبردست لڑائی دو
گھنٹوں میں ہو رہی تھی۔ ایک مغربی گاؤں میں اور دوسری ملک
جہاں شاہ کے گاؤں کے متصل پل کے دھانے پر، تھوڑی دیر میں ملک
جہاں شاہ کے گاؤں سے ملک بھی پہنچ گئی مگر دو سکر گاؤں میں ملک
پہنچا نیکیا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ پل پر مغلوں نے پہلے ہی قبضہ
کر رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں موضع کلپاٹری میں ندی کا پھاٹ
زیادہ چوڑا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ آمدورفت کیلئے عمر خیل نے اس
پر ایک پل بنا رکھا تھا۔ اُن ایام میں یہاں کے بانس بہت لمبے، موٹے
اور مضبوط ہوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک بانس سات سات
گز لمبا ہوتا تھا۔ اِمحاصل صبح صادق کے وقت سے عصر کے وقت
تک گھمسان کا دن پڑا اور اس پار کے گاؤں کے تمام مرد قتل ہو گئے
بچے اور عورتیں قید ہو گئیں اور مال و متاع سب غارت ہو گیا۔ عصر کے
بعد بادشاہ اُس پار کے گاؤں کی طرف متوجہ ہوا۔ جب پل پر پہنچا تو دیکھا

کہ بنگ ابھی تک ہو رہی ہے۔ اس پر وہ اپنی فوج پر گرجا کر تم ابھی
 ایک مشترقی پاد نہیں گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نشانہ باز،
 تیر انداز اور بہادر لوگ ہیں۔ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے۔ اس لئے ان کو
 پیچھے دھکیلنے اور گاؤں میں داخل ہونے کا امکان نہیں ہے۔ بادشاہ
 نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور خود پار چلا گیا۔ اسی کی متابعت میں سارا لشکر
 بھی گھوڑے دوڑا کر پار اتر گیا اور تیر برسنا شروع کئے۔ دلزاک نے بھی
 نہایت پامردی کا ثبوت دیا۔ سارا دن لڑتے لڑتے بے دم ہو گئے تھے۔
 تیر کھا کھا کر بس چھلنی ہو گئے مگر اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سب وہیں ماک
 گئے۔ بادشاہ نے اس گاؤں میں داخل ہو کر اُسے بھی خوب تباہ و برباد
 کیا، لیکن مال و مویشی عورتیں، بچے دن ہی کو نکل کر کڑمار کے پہاڑ
 میں گھس گئے تھے۔ سلامت رہ گئے۔ گود و نواح کے دو سکر دلزاک
 بھی خیر پاتے ہی بھاگ گئے کوئی عسکر خیل کی مدد کو نہ آ سکا ہر کسی
 کو اپنی جان کے لئے پڑے ہوئے تھے۔

اس زمانے میں سارے کلپاٹری اور اس کے مضافات میں دیئے
 لڑا کے کنارے اشغر، شہباز گڑھ، کڑمار، شیردرہ، پنجتار اور سلسلہ کوہ
 کے دامن میں، درہند تک اور دریائے سندھ کے پار دونوں ہزارہ (ہزارہ
 اور کورلخ ہزارہ) قبیلہ، لڑیکوئی، سنگرئی اور سوہان تک اور ساری
 وادی پشاور میں دلزاک ہی دلاک آباد تھے۔ بڑی عظیم و کثیر خلقت
 تھی۔

دلزاک کی ایک خاتون مسماۃ شاہ بوڑی کا واقعہ اور اس کی بہادری

واضح رہے کہ اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب قضیہ پیش آیا۔

شاہ بوڑی نام کی ایک عسکر خیل دلزاک خاتون تھی جو رستم عسکر خیل کی
 زوجہ اور عبدالرحمن عسکر خیل کی بیٹی تھی۔ یہ دونوں بڑے نامور عسکر خیل
 تھے۔ شاہ بوڑی جب حالت صغر سنی سے نکل کر بلوغت کو پہنچی اور جوان
 ہوئی تو اللہ پاک نے اُس کے ذہن میں مردانہ لباس راسخ کر دیا۔ اس
 لئے وہ مردوں کا لباس پہنتی تھی اور ہمیشہ جوانوں کے ساتھ پھرتی۔
 شب و روز بے کھٹکے جوانوں کے ساتھ محافل و مجالس میں بیٹھتی،
 گھوڑے کی سواری کرتی، مکر بند باندھتی، تیر اندازی کرتی، نشانہ بازی کے
 مشہور کھیل (مومنہ) میں حصہ لیتی اور شہنشاہ مارتی۔ شاہ سواری میں
 لا جواب تھی اور سخت کمان استعمال کرتی تھی۔ کسی چیز اس کا تیر نہ رکت
 تھا۔ بزرگ، محرم اور بڑائی میں حاضر ہوتی۔ دلزاک کے ہر اول دستے
 (مقدمۃ الجیش) کی سالار تھی۔ چونکہ ازدواجی زندگی پسند نہیں کرتی اس
 لئے عورتوں کی صحبت سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اس کے سامنے کوئی
 اس کی شادی کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ شوہر کے نام سے ایسی بڑتی
 تھی گویا یہ نام اُس کیلئے پیغام موت ہے۔ پاکدامن تھی اور مردوں کے
 صحبت میں اس کے نسوانی جذبات مردہ ہو چکے تھے۔ مال و دولت اور
 شان و شوکت بہت زیادہ رکھتی تھی۔ بہت سے غلام اور کنیرہیں
 رکھی تھی۔

ایک دن اس کے چند غلام فرار ہو گئے۔ یہ اپنے چند رشتہ داروں
 کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلی۔ راستے میں مختلف مقامات پر اس
 نے دو دو آدمی غلاموں کو پکڑنے کی غرض سے متعین کئے اور ایک
 جگہ یہ بھی رستم نامی ایک رشتہ دار کے ساتھ رات گزارنے کیلئے بیٹھ
 گئی۔ رستم ایک خوب رو اور دولت مند جوان تھا۔ دونوں نے آپس
 میں طے کیا کہ رات لمبی ہے اس لئے دونوں باری باری چوکیداری کریں گے

چنانچہ پہلے رستم سو گیا اور یہ جاگتی رہی۔ پھر جب رستم جاگ اٹھا تو یہ سو گئی۔ اس وقت رستم پر نفسانی خواہش نے غلبہ کیا۔ شیطان نے ورغلیا اور اس نے ارادہ کیا کہ شاہ بوڑھی پر ہاتھ ڈالے اور رخسار کا بوسہ لیکر اُسے اپنے ساتھ بذمہ کرے۔ اس نے سوچا کہ شاید اس طرح وہ اس کے ہاتھ آجائے مگر ساتھ ہی اُسے اس بات نے ڈرایا بھی کہ اگر اس اشیائیں اس کی آنکھ کھل گئی تو یہ جان سے مار ڈالے گی۔ اس لئے اس کا اسلحہ، تلوار وغیرہ اٹھا کر دور کہیں چھپا کر رکھ دیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا۔ غرض یہ کہ اچھی طرح تیاری کیجے بعد آیا اور بوڑھی کے رخسار پر اپنا منہ رکھ کر ایسے زور سے کانٹا کر رستم کے دانت اس کے رخسار میں گھس گئے اور زخم سے خون بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر رستم بیدار ہو گئی اور تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر تلوار غائب تھی۔ رستم اس اثناء میں تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور اس خوف کی وجہ سے اپنے گاؤں بھی نہ گیا۔ یہ رات بھر اسی جگہ شرمندہ بیٹھی رہی۔ صبح کو یہ شرمسار و نجل اور بادل خواستہ اپنے گھر گئی۔ سارے دن تک میں اس بات کا چرچا ہو گیا۔ اُس نے شرم و خجالت سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ دن رات رستم کے قتل کرنے کی فکر میں غلطیاں دیکھتا تھی۔ بالآخر اُس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب اگر میں رستم کو قتل کر دوں تب بھی یہ داغ تو مٹ نہیں سکتا جو مجھ پر لگ چکا ہے اور اگر اس کی ضد میں کسی اور سے شادی کر لوں تب بھی یہ داغ نہیں مٹ سکتا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ رستم کو اپنا شوہر بنالوں۔ قریبی رشتہ دار اور خوب صورت جوان ہے۔ اس نے اپنا یہ خیال اپنی ماں اور باپ پر ظاہر کر دیا۔ انہوں نے فوراً اس کی شادی کا بندوبست کر دیا۔ محفل آرائی ہوئی اور گانے گائے گئے، شہنائیاں بجیں، اُسے نہانہ لباس پہنانا

گیا۔ چوٹیاں گوندھی گئیں اور اس طرح شاہ بوڑھی کی رستم سے شادی ہو گئی۔ اس کے بعد وہ پردہ کرنے لگی اور گھر کی چار دیواری میں بیٹھ گئی مگر گھوڑا اور تمام اسلحہ تیر کمان وغیرہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا۔ وہ اپنے سے الگ نہیں کرتی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ جنگ میں بھی شریک ہوتی تھی البتہ چہرے پر نقاب ہوتا تھا۔

جس دن بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی، رستم بہت بیمار اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاچار تھا۔ جب گاؤں والے شکست کھا گئے تو شاہ بوڑھی نے رستم سے کہا کہ مغلوں کا شکر گاؤں پر چڑھ آیا ہے۔ بیشتر غریب مار گئے جو باقی ہیں ان میں مقابلے کی تاب نہیں اب آپ بھی اچھے اور یہاں سے نکل چلیں میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گی۔ اگر کوئی تعاقب میں آیا تو میں اُسے نمٹ لوں گی آپ نگر نہ کریں۔ رستم نے کہا کہ مجھ میں تو حرکت کرنے کی طاقت بھی نہیں۔ میں کیوں کر جاسکتا ہوں البتہ تم چلی جاؤ۔ شاہ بوڑھی نے کہا کہ جب آپ نہیں جاسکتے تو میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔ چنانچہ اس نے شوہر کی چارپائی اٹھا کر پیچھے کے اندر ڈال دی اور تلوار کمر سے باندھ کر کمان ہاتھ میں لیکر پیچھے کے دروازے میں بیٹھ گئی اور تیروں کا گٹھا سامنے رکھ لیا جب لشکر اس کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے تو اس نے تیر مارنا شروع کیے اس کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ جس کو تیر مارتی تیر اس کی زدہ توڑ کر سینے میں پیوست ہو جاتا تھا۔ اور دم کے دم میں وہ دم توڑ دیتا تھا۔ اس پر مغلوں میں کھلبلی مچ گئی کہ اس پیچھے میں کوئی بلا ہے جس نے تباہی پھیلا دی ہے۔ بہت سے لوگ ہر طرف سے اکو اکٹھا ہو گئے۔ پیچھے کو محاصرے میں لے لیا۔ اور ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر کے اُسے چھلنی کر کے رکھ دیا۔

جب اللہ سے تیرا بند ہو گئے تو لوگوں نے اندھا کو دیکھا کہ ایک عورت کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ متعجب ہوئے۔ کسی نے اس واقعے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ اس نے فوراً قاصد بھیجا اور خبر داد کیا کہ اس عورت کو قتل نہ کیا جائے اسے زندہ پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مگر جب بادشاہ کا قاصد پہنچا تو اس کی روح قہقہے غصہ سے پرواز کر چکی تھی۔ ساتھ ہی اس کا شوہر بھی مارا گیا تھا۔ بادشاہ کو جب شاہ بوڑی کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے لوگوں کو بہت ملامت کی اور کہا کہ ایسی بہادر عورت کو مرد نہیں مار سکتے۔ چاہیے تھا کہ اسے زندہ پکڑ کر لے آتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ اس دور سے تیر مادی تھی کہ مردہ کو توڑ کر پینے سے پار ہو جاتا تھا۔ ہم یہ سمجھے کہ کوئی مرد ہے۔ اس لئے انجانے میں وہ قتل ہو گئی۔ بادشاہ اور اہل لشکر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کی بہادری اور شوہر سے اس کی محبت اور فدا کاری پر آفریں کہی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی بادشاہ کے حضور میں عسکر خیل پر حملہ کا ذکر آتا تھا۔ بادشاہ عسکر خیل کی شجاعت کی خصوصاً شاہ بوڑی کی تعریف کرتا تھا۔

اللہم اغفر لہا ولجميع المسلمين والمسلمات

الفتنہ عصر تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں گاہوں کے بیشتر لوگ قتل ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے شکست خوردہ دلاڑم کے تعاقب میں شاہ ہاز گڑھ کا رخ کیا اور کرماد کی طرف روانہ ہو گیا۔ نو دس میل تک ان کا تعاقب کیا ہو گا کہ رات ہو گئی۔ جس جگہ اس نے رات بسر کی تھی اب اس مقام پر سنگر کوٹ کا قلعہ ہے۔ جسے بعد میں اورنگ زیب بادشاہ نے بنایا تھا۔ اور اسے صاحب خان بن مصری خان

ملاؤس خیل امان زئی یوسف زئی نے مسمار کیا تھا۔ اب اس مقام کو دولت زئی کوٹ اور اسماعیل زئی کوٹ کہتے ہیں۔
الغرض اس واقعے کے بعد ملک سرابھال نے بڑی غرت پیدا کر لی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہو گیا۔ یہ ابھی جوان اور عقل و تدبیر میں فائق تھا۔ سرابھال اپنے لشکر اور تمام اہل افغان کے ساتھ بادشاہ کے لشکر سے کچھ فاصلے پر مقیم ہو گیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو اکوڑی اور ایلاس زئی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ جانیہن سے لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی یہ شور مچا گیا۔ بادشاہ نے لوگوں کو جنگ پر کمر بستہ دیکھا تو بہت زور ہو گیا اور یہ سمجھا کہ شاید پختونوں نے فریب دیکر اس مقام پر اپنے لوگوں کے درمیان لاکھ پھنسا دیا ہے۔ اس لئے فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ فرار کی نیت سے تیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ملک سرابھال نے بادشاہ کا یہ اضطراب دیکھا تو سمجھ گیا کہ بادشاہ کے دل میں ہمدی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اس لئے وہ دڑ کر آیا۔ بادشاہ کو سلام کیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت آپ اپنے لئے بالکل خطرہ محسوس نہ فرمائیں۔ آپ ہمدی سے بادشاہ ہیں۔ آپ اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ تشریف فرما رہیں۔ ہم پختون ہیں اسی طرح جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ہمارا قومی شعار بن گیا ہے۔ آپ تردد نہ فرمائیں۔ ہم ابھی جا کر معاملہ رفع دفع کر کے ان کے صلح و صفائی کرادیں گے۔

اس کے بعد بادشاہ مطمئن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ دل سے خطرہ نکل گیا۔ ملک سرابھال گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑا ہوا گیا۔ دونوں لشکروں

کے درمیان پہنچا۔ طرفین ہاتھ میں ڈھالیں پکڑے ایک دوسرے پر تیرہ سارے تھے۔ ملک سرابدل ذرہ پہنچے، سو کے نہیں تھے۔ فریقین کو آواز دی اور ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بس کرو۔ تیراندازی بند کرو مگر میں اسی وقت ایک تیر ایسا زنی کی طرف سے آکر اس کو لگا وہ تیر گتے ہی گر گیا۔ اس پر طرفین ہیبت زدہ ہو گئے اور حیران و پریشان کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بادشاہ کو حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی بے حد سرسیمہ اور نملگین ہوا۔ ملک سرابدل بیہوش پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں۔ لوگوں کو پہچانا اور دریافت کیا کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟ کسی نے کہا کہ یہیں حیران و پریشان اور شرمندہ کھڑے ہیں اور بادشاہ بھی متفکر اور متحیر کھڑے ہیں۔ ملک سرابدل نے کہا مجھے ڈیرے پرے چلو اور طرفین کو ویاں بلاؤ۔ چنانچہ اس کے بعد اُسے ڈیرے پر لیجایا گیا اور اکوڑی کے سارے سردار جاکر حاضر ہو گئے۔ بالآخر اس نے اکوڑی سے کہا۔

”اے عزیزو! ایسا زنی کی یہ منشاء تھی کہ مجھے دُکھ پہنچائیں لیکن میری تقدیر میں اس طرح لکھا ہوا تھا۔ اب میری نصیحت اور وصیت سنو کہ میری حیات میں دونوں فریق ایک دوسرے سے گلے ملو اور بدی کو دل سے نکال دو۔ میرے معاملے میں کسی سے تعرض نہ کرو اور اگر تم صبر و ضبط نہ کر سکو تو یوسف اور مندثر کے چند سرداروں کو بٹھا کر آپس میں مشورہ کر لو۔ میرے باب میں وہ جو نیک صلاح ہیں اس پر عمل کرو اس سے زیادہ ایسا زنی کے ساتھ بدی نہ کرو۔ اکوڑی کے سرداروں نے ملک سرابدل بن یحییٰ ادین زنی یوسف زنی سے کہا کہ جو آپ کا حکم ہوگا ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد ملک سرابدل نے ایسا زنی سے متوجہ ہو کر کہا کہ بھائیو! اب آپ

اپنے ڈیروں میں چلے جائیں۔ اس پر ایسا زنی اُٹھ کر ڈیرے میں گئے اور ملک سرابدل پر حالت نزع طاری ہو گئی اور اس کی رُوح پر ملا کر گئی۔ بادشاہ اُس وقت تک کھڑا رہا جب ملک سرابدل کی رُوح پر ملا کر گئی۔ بادشاہ ملک سرابدل کے انتقال کے بعد بیحد خائف اور متحوش ہوا۔ تمام لوگوں پر سے اس کا اعتبار اٹھ گیا۔ اسی وقت وہاں سے شغفر کا رخ کیا۔ شغفر سے گزر کر دو آبہ آیا اور ملک ہمزہ کے ہاں اتر گیا اور باہر کے دل میں جو اغراض و مطالب تھے وہ سب کے سب النواہ میں پڑ گئے۔ ملک ہمزہ بادشاہ کی خدمت اور مہمانی کے لوازم و شرائط کا تحقُّق بجا لایا۔ بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کیں۔ بادشاہ کی طرف سے وہ بھی اعزاز و منصب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ دو آبے سے روانہ ہو کر کابل چلا اور پایہ تخت کو رونق بخشی۔

لے مولوی ذکا اللہ دہلوی کی تصنیف ”تاریخ ہندوستان جلد ۵، اقبال نامہ اکبری“ ص ۵۳ میں یوں درج ہے کہ:-

”شہنشاہ ہارنہ شمال مشرقی قوموں کے مطیع بنانے میں سخت کوشش کی۔ جن میں سے بعض قوموں کے تابع بنانے میں کامیاب ہوا۔ مگر وہ یوسف زنی قوم کو مغلوب کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ نہ وہ صلح و آمیزش کی تدبیروں سے اس کو اپنے بس میں لاسکا اور نہ اُس کے ملک کے اُس حصہ پر جس تک اس کی رسائی ہوئی۔ سخت غارتگری اور حملہ آوری سے فتح یاب ہوا۔ مسلمانوں کو بھٹا ہے کہ:-

”سنا ظاہر ہے کہ باہر کسی وقت بھی اس قبیلہ (یوسف زنی) پر اپنا جیتی رعب جانے میں کامیاب نہ ہوا اور انہیں ہمیشہ اپنے پیچھے پہاڑیوں میں لوٹ جانے کے مواقع حاصل رہے۔“

یوسف زلیٰ قوم کی سرگزشت

باب (۵)

گلگیا نیوٹ اور دلاڑیوں کے درمیان جنگ

جب ملک سرابدل بن یحییٰ دین زلیٰ خواجہ زلیٰ اکوڑی کا انتقال ہو گیا تو ایسا زلیٰ کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بادشاہ کا اعتماد بھی اٹھ چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی کوچ کر کے دوبارہ چلا گیا۔ اکوڑی نے ملک سرابدل کی میت (بناڑے) کو اس کے گھر سنگاؤ پہنچا دیا۔ دلاڑی جو فرار ہو گئے تھے لوٹ کر اپنے اپنے دیہات میں آباد ہو گئے۔ مگر گلگیا نی کا گاؤں بُری طرح تباہ ہو چکا تھا لوگ جنگ میں کام آگئے تھے۔ عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے تھے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا۔ مویشی مر گئے گئے تھے۔ کچھ لوگ جو مال مویشی اور عیال و اطفال کو بیکر بھاگ گئے تھے وہ واپس آکر اپنے گاؤں میں آباد ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد بقیہ عمر خیل نے جرگہ کیا پھر بڑے بڑے سردار مل کر ملک احمد کے پاس سوات گئے اور اس سے کہا کہ:-

”ملک ہمنہ گلگیا نی نے بادشاہ کو کابل سے لے آیا اور بے خبری میں ہمنہ پر چڑھا لایا۔ ہمیں اس کے ہاتھوں قتل کر دیا اور تباہ و برباد کر دیا“

ملک احمد کو سارے حالات معلوم ہو چکے تھے۔ ملک سرابدل کی موت کی خبر بھی سن چکا تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ ملک ہمنہ نے یہودی تمہارے ساتھ نہیں میرے ساتھ کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی بادشاہ کو کابل سے لایا اور تم پر چڑھا یا ہے مگر اُس کا اصل مقصد نشانہ میں تھا۔ وہ فی الحقیقت مجھے اپنا زور دکھانا تھا۔ خیر جو ہوا سو ہوا آئندہ کیلئے خاطر جمع رکھو اور جا کر اپنی تعمیر میں لگ جاؤ۔ میں چند دنوں میں بوئیر آ رہا ہوں۔ تم بھی وہاں آ جاؤ، وہاں باہم صلاح و مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔

عمر خیل رخصت ہو کر اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ چند دنوں کے بعد ملک احمد شیخ علی وغیرہ یوسف زلیٰ کے ملک صاحبان اکوڑی کے پاس سمہ گئے اور ملک محمود ابن یحییٰ علاؤ الدین زلیٰ سے ملک سرابدل کی تعزیت کی اور اُن سے کہا:-

”تم کہاں اور باہر کا دربار کہاں؟ تم کون تھے کہ مجھ سے پوچھے اور صلاح و مشورہ کئے بغیر بادشاہ کے ہاں گئے اور ملک ہمنہ گلگیا نی جیسے آدمی کے فریب میں آ گئے جو قدیم الایام سے ہمارا دشمن ہے اور اس کے ساتھ شکریہ کر کے عمر خیل کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور ملک سرابدل جیسا عزیز کھو دیا“

اُس کے بعد بوئیر آیا۔ سب کو باہم اکٹھا کیا اور عمر خیل بھی آ گئے آپس میں جرگہ کیا اور ایک دو سکر سے وعدہ کیا کہ جو تمہارا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ میں نے خاشی کا تنگ چھوڑ دیا۔ جاؤ ان پر شکریہ کر دو

اور ان سے اپنا انتقام لو۔ اس فیصلے کے بعد عسرنخیل اپنے گھروں میں آئے اور لشکر جمع کرنے کے نکر میں لگ گئے۔

چنانچہ عسرنخیل دلاک کے بعض سربراہ آوردہ ملک دیرا سندھ کے پار کے علاقے میں گئے۔ وہاں سے لشکر لے آئے۔ اتنا لشکر اکٹھا ہو گیا جس کا کوئی حد و حساب نہ تھا اور پھر ہیئت اجتماعی سے دو آب کی طرف کوچ کیا اور سرخ و زنی کے مقام پر دریائے لنڈا پار کر کے پشاور آگئے۔ پشاور میں بھی سب دلاک آباد تھے۔ اسی طرح سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ جب دلاک کا لشکر دو آب کی طرف روانہ ہوا اور ملک ہمزہ نے میر فتح خان بن موسیٰ بائی زنی، اکو زنی، یوسف زنی اور دادی بن پوپل بن فخر الدین منڈے زنی، دولت زنی، ملی زنی، یوسف زنی کو خطوط بھیجے کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ خنی (خشئی) کے تنگ اور ناموس کا خیال رکھو، لشکر بیکرمیری مدد کیلئے پہنچو۔ آخر یہ دونوں جو اس زمانے میں زیریں سمہ میں مقیم تھے۔ خنی (خشئی) کی عزت و ناموس کے نام پر، ملک احمد سے صلاح و مشورہ کئے اور پوچھے بغیر اپنے ہم نسبوں کی ایک تعداد کے ساتھ جن میں سے ہر ایک نامور شہسوار تھا۔ چل کھڑے ہوئے اور اشغر کے راستے دو آب پہنچے گلیانوں کی عورتوں نے ان کی آمد کی خوشی پر گانے گائے اور شکریہ ادا کیا۔ دادی نے میر فتح خان سے پوچھا کہ یہ ہمارا کس بات کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ فتح خان نے جواب دیا کہ آہ دادیہ میرے اور تمہارے سر کا خون ہے جو ہم پر بچھاؤ کر رہی ہیں۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان کو مبارکباد دی۔ اور کہا کہ پہلے آپ صرف یوسف زنی کے سردار تھے اب آپ سارے خنی (خشئی) کے سردار ہو گئے۔ ہم نے بھی آپ کو اپنا سردار بنالیا۔ آپ

کو یہ سرداری مبارک ہو۔

میر فتح خان ایک نامور اور بہادر آدمی تھا۔ سخاوت، شجاعت اور دولت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ آباء و اجداد سے صاحب عزت اور سربراہ آوردہ شخص تھا۔ اس کے ہاں ہمیشہ ولایتی غالیچے بچے رہتے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے پکتے تھے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس کے پیمانہ ہوتے تھے۔ سارے یوسف زنی کا خان تھا اور عوام اس کو سلام کرتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کے خیل خانے میں دوسرے نامور خواتین اور سردار گزرے۔ ان کی بھی اسی طرح عزت اور ان کو بھی اسی طرح سلام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد بارخان سردار ہو گیا اور بارخان کے بعد ظریف خان کے حصے میں سرداری آئی اور اس کے بعد محمد خان، خان بن گیا۔ علی ہذا القیاس درجہ بدرجہ تمام یوسف زنی ان کے منقاد اور مطیع رہے۔

دادی کا اصلی نام اللہ داد تھا۔ اس کے باپ دادا قوم کے شجاع ترین اور صاحب مرتبہ تھے۔ چنانچہ پوپل کا خاندان جو اس وقت پل خیل سے مشہور ہے۔ اپنی بہادری کیلئے ساری خنی (خشئی) قوم میں مشہور تھا کہتے ہیں کہ جب میر فتح خان اور دادی سواروں کی جمعیت کے ہمراہ اشغر کے راستے دو آب کی طرف جا رہے تھے اور مشہور و معروف حصار اشغر نائے تک پہنچ چکے تھے تو اس طرف سے لال مندر خیل صدوزنی کا فرزند سرگین ملا۔ سرگین بے حد خوبصورت نوجوان تھا۔ شادی کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔ دلہن کی ڈولی اور براتی ساتھ تھے میر فتح خان اور دادی نے اس سے کہا کہ ہم تو خنی (خشئی) کے ناموس کی خاطر سرگینوں کی حمایت میں دو آب جا رہے ہیں۔ کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے سرگین نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ڈولی بارات کے ساتھ

گھم بھج دیتا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو گھر لوٹ آؤں گا اور اگر جنگ میں کام آتا تب بھی کوئی پروا نہیں۔ چنانچہ سرگین نے ڈولی کو گھر بھیج دیا اور خود اُن کے ساتھ دو آبے چلا گیا۔

گلیانی پھر اس مرتبہ بھاگ کر کندل خیل و مغل خیل کی طرف پیادہ میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور مال مویشی، بھیڑ بکری سب کچھ لٹکے تھے۔ تمام شکری نیمہ ڈرائی میں مقیم تھے۔ نیمہ ڈرائی دو آبہ میں ایک مشہور و معروف جگہ ہے۔ ملک ہمنہ نے وہاں ایک بہت بڑا شامیانہ کھڑا کر دیا تھا جس کی شان و شوکت امیروں جیسی تھی دوسرے ملکوں نے بھی اپنے اپنے مقصد کے مطابق پیچھے کھڑے کئے تھے۔ گلیانیوں کو کابل سے آنے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ابھی ان کی خوبصورت، زندگی کا انداز اور ساز و سامان کو چبھوں کا سا تھا محمد زئی اس وقت تک کامہ (ننگر ہار) میں آباد تھے۔ ملک ہمنہ نے اُن سے امداد و معاونت مانگی تھی اس لئے محمد زئی کا لشکر ان کی مدد کیلئے پہنچ گیا۔

الغرض گلیانیوں کا بھی عظیم لشکر جمع ہو گیا تھا جس میں زیادہ تر سوار اور باقی پیادے تھے۔ ایک ہزار سوار تو صرف گلیانیوں کے تھے جو سب کے سب عراقی گھوڑوں پر سوار اور سر سے پیر تک زہروں میں غرق تھے۔ دلاک کا لشکر جمعیت تمام کے ساتھ پشاور سے روانہ ہو کر گل بیلہ اور دریائے پشاور سے پار اتر کر سیدھا نیمہ ڈرائی گیا جہاں سے گلیانیوں کو ان کا لشکر دکھائی دیا۔ دلاک نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ گلیانیوں کا لشکر بھی مقابلے کیلئے میدان میں نکل آیا اور اسی جگہ دونوں لشکروں میں باہم مقابلہ ہوا۔ پہلے تیروں کی جنگ شروع ہوئی۔ دلاک سب کے سب تیر اندازی میں ماہر تھے۔ گلیانیوں کے

کے لشکر کو گھائل کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر فتح خان اور دادی، سرگین اور ملک ہمنہ لشکروں میں گھس گئے اور دست بدست جنگ شروع کر دی۔ ان کی دیکھا دیکھی سارا لشکر یکبارگی ٹوٹ پڑا اور نیزوں اور تلواروں کی ایک بہت بے پناہ جنگ شروع ہو گئی۔ گلیانیوں نے پامردی اور بہادری کا حق ادا کیا۔ آفریں ہو ان کی ہمتوں پر مگر چونکہ دلاک ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے۔ سواروں اور پیادوں کا کوئی شمار نہ تھا صفوں کے صفیں کھڑی تھیں دلاک ان پر ٹوٹ پڑے اور سارے گلیانی قتل ہو گئے۔ اگرچہ دلاک بھی بے انتہا لقمہ اجل بنے، لیکن وہ چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لئے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ گلیانیوں کے ایک ہزار زرہ پوش بہادر جو عراقی گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے تین سو شہسوار صرف مکہ خیل کے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے سب کے سب قتل ہو گئے۔ مکہ خیل اس زمانے میں بڑے وقت مند، مشہور اور بہادر لوگ تھے اور دوسرے گلیانیوں کی نسبت مہذب بھی تھے لیکن اس لڑائی میں اکثر مارے گئے۔ ان کی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ اس جنگ کے بعد قبیلے کی حیثیت سے یہ لوگ بہت کمزور ہو گئے اور تھوڑے بھی رہ گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں گلیانیوں، محمد زئی اور یوسف زئی میں سے کسی نے بھی کمی نہیں کی۔ خصوصاً دادی پل خیل ملی زئی نے بہادری کا حق ادا کیا۔ مگر گلیانیوں کا بخت برگشتہ ہو گیا تھا۔ وہ بڑے مغرور ہو گئے تھے۔ ان کا تکبر انہیں لے ڈوبا تھا۔ کوشش کے باوجود اپنی شکست کو فتح میں نہ بدل سکے اور تمام لوگ قتل ہو گئے۔ اگر کوئی بھاگ کھڑا ہوا تھا تو دلاک نے تعاقب کر کے اسے بھی قتل کر کے پھوڑا۔ البتہ ان کے بچوں اور عورتوں سے ملک احمد کے لحاظ سے کوئی

تعرض نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ بات ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں کو ناگوار گذرتی۔ کیونکہ گلیانی اور یوسف زئی بہر حال بھائی بھائی تھے اور دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کرتا تھا۔ دلاک کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کل کو یہ ہم سے کہیں کہ اگرچہ ہم ان سے بدول ہو گئے تھے۔ تمہیں ان کے ناموس پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کیسے ہوئی۔ اس لئے عورتوں اور بچوں سے کچھ تعرض کئے بغیر واپس آگئے۔ اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھایا اور دریا کے اشہر کے کنارے آکر ڈیرہ ڈال دیا۔ رات وہاں گزاری، صبح کو پشاور کیلئے روانہ ہو گئے جو لوگ پشاور کے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور جو زبیر کے علاقے کے تھے وہ فی الفور روانہ ہو کر سرخ درٹی کے مقام پر دریا کے کنارے عبور کرتے ہوئے کلیانڈری آگئے اور جو کلیانڈری کے سمہ (میدانی) کے علاوہ شکر تھا وہ جاگہ ہند کی گزر سے پار ہو کر اپنے اپنے دیہات میں چلے گئے اور دلاک اس فتح پر بیحد مغرور ہو گئے دوسرے واضح رہے کہ اس وقت جب میر فتح خان اور دادی گلیانیوں کی حمایت میں ملک احمد کو اطلاع کئے بغیر گئے تھے اس کی اطلاع ملک احمد کو مل گئی اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری وہ بیحد غصہ ہوئے اور فوراً میر احمد بن محمد عمر خیل صدوزئی منڈر کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو واپس لے آؤ اور ان سے کہو کہ کیا تم گلیانیوں کی وہ ہدی بھول گئے جو انہوں نے کابل میں ہمارے ساتھ کی تھیں اور ملک ہمزہ نے دو آبے میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ بھی تمہارے دلوں سے نکل گیا؟ تم کون ہو اور گلیانیوں کی حمایت سے تمہاری غرض کیا ہے؟ دلاک میری اجازت گئے تھے۔ پس تم عبث اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ واپس آ جاؤ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت میر احمد بن محمد عمر خیل منڈر پہنچا تو گلیانیوں اور دلاک کی جنگ تیار تھی۔ جانبین سے صفیں آراستہ ہو چکی تھیں۔ جنگ کا دن تھا۔ میر احمد، میر فتح خان اور دادی تک نہ پہنچ سکا۔ ایک طرف کھڑا رہ گیا۔ جو پہلی جنگ شروع ہوئی۔ میر احمد کو فنی (خشی) کے ننگ و ناموس کے خیال نے بے اختیار کر دیا اور وہ بھی دلاک پر ٹوٹ پڑا۔ تلوار چلانا شروع کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دینے یہاں تک کہ خود بھی جان دیدی۔ جس وقت میر احمد عمر خیل منڈر میدان میں کود رہا تھا تو دادی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ جنگ میں کام آگیا تو دادی نے کسی سے پوچھا کہ یہ بہادر کون تھا؟ اسے بتایا گیا کہ میر احمد عمر خیل صدوزئی منڈر تھا۔ اور ملک احمد نے اسے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تمہیں واپس بلا لائے۔ مگر وہ اس وقت یہاں پہنچا جب کہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اور اس وجہ سے وہ تم سے نکل سکا اور فنی (خشی) کے ننگ سے مجبور ہو کر وہ بھی جنگ میں کود پڑا اور مر گیا۔ دادی نے کہا کہ میر احمد پر صدا رحمت ہو، ننگیالی اسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد دادی بھی تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا۔ اور بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مار گیا۔ اس کی منگنی ہو گئی تھی۔ منگینہ رہ گئی۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ سے قبل ایک دن دادی اپنے خسر سے کہیں راستے میں ملا تھا۔ خسر نے اس سے کہا کہ دادی! جنگ میں ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے محل ہوش سے کام نہیں چلتا۔ ہر کام ہوش و حواس میں رہ کر کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی بیٹھی رہ جائے دادی شرم کے ماتے اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسی وقت انہیں ایک راہ نظر آیا تھا جو انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ وہ اپنا دل بہلانے کے

لئے ایک ٹپہ گارہا تھا جس کے دو شعریہ ہیں :-

۱۔ کہ دنور و منیزے لندے ۲۔ دادای نیزہ دہ لویہ
کہ ہر شوق سوار نے پیشی ۳۔ دادای ورتلہ خوبویہ
"اگر دوسرے لوگوں کے نیزے پھوٹے ہیں تو کیا دادای کا
نیزہ تو بڑا ہے نا"

"ہر چند کہ سوار زیادہ ہو جائیں مگر دادای کو تو (جنگ میں)
ضرور شریک ہونا چاہیے"

دادای نے یہ سن کر اپنے خسر سے کہا کہ آپ نے یہ اشتعال کئے؟
اب آپ فرمائیں کہ میں اپنی ناموری کہاں چھپاؤں جب کہ میرا نام ہر
شخص کی زبان پر ہے۔ اس نے کہا کہ بیشک حقیقت یہی ہے۔ چاہے
خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے نام کو بٹ نہ گئے دو بچو مقدمہ میں ہو گا وہ
ضرور پیش آئیگا۔

غرض یہ کہ جب ملک احمد اور دوسرے یوسف زئیوں کو گلگانیوں
محمد زئی اور یوسف زئی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو بہت دلیلیں
ہوئے اور ان کی رگ جیت وغیرت پھڑک اٹھی تو خنی (خشی) تب
(برادری) کے تنگ کا خیال دامگیر ہوا۔

ہر کوئی ملک احمد کو ملامت کرتا تھا کہ آپ تمام خنی (خشی) بیکہ
سٹراہن کے سردار ہیں۔ گلگانیوں کی رسوائی آپ کی رسوائی ہے آپ نے
ایک ہمزہ کیوجہ سے قوم کے ایسے بہادر ضائع کر دیے۔ یہ آپ کے
لئے مناسب نہ تھا اور میر فتح خان، دادای، میہ احمد اور سرگین کے عزیز
بھی اگر ملک احمد سے شکوہ شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے
یہ بھائی اور عزیز دلزاک کو ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ اگر آپ ان کا
لے میر احمد کی اولاد میر خیل سے مشہور ہیں جو اس وقت مانیری میں آباد ہیں۔

دلہ بیٹے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم خود دلزاک کے ایسے ہی نامی سردار
قتل کر دیں گے جس کیوجہ سے خود بخود فتنہ کھڑا ہو جائیگا۔ ملک احمد نے
ان سے کہا آپ ذرا صبر کریں میں بھی اپنے ان بھائیوں اور عزیزوں کو
نہیں بھول سکتا۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں اور بہانہ ڈھونڈتا ہوں
گلگانیوں کے بہت سردار بھی آئے اور ملک احمد سے فریاد کی۔ ملک
احمد انہیں بھی تسلی دی اور ان کی دل جوئی کی اور کہا کہ اب آپ
لوگ بائیں اور خاطر جمع رکھیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں ان سے
سارے خنی (خشی) کا انتقام لیکر دلوں گا۔ گلگانی رخصت ہو کر چلے
گئے۔ ملک احمد شب دروز اسی فکر میں لگا رہتا۔ بہانہ تلاش کرتا
رہا۔ دلزاک اس فتنے سے اور زیادہ مخروہ اور بدست ہو گئے تھے۔
توب لاف زنی کرتے تھے۔ اب انہوں نے یوسف زئی کیساتھ دست
درازی اور بدخصلتی شروع کی۔ اس وقت یوسف زئی مقام بگیاڑے
میں مقیم تھے۔ جگہ جگہ ان کے گاؤں آباد تھے۔ اتفاقاً ایک دن یوسف زئی
کی مستورات بگیاڑے کی ندی پر کپڑے دھو رہی تھیں۔ کپڑے سمٹنے
کیلئے دھوپ میں پھیلا رکھے تھے۔ اور خود بے حجاب بیٹھی ہوئی تھیں
اچانک دلزاک کا ایک گروہ جو کپانی سے بگیاڑے گیا ہوا تھا ادھر سے
گزرا۔ ان میں سے ایک کم ذات نے پردے کی چادر (پڑونے) دہات
سے اٹھالی۔ عورتوں نے آواز دی کہ اسے کم بخت دلزاک ہمارے پڑے
کی چادر (پڑونے) نہ لیجا، واپس دے۔ اگر تو نے چادر واپس نہ دی
تو یاد رکھ کہ ملک احمد زندہ و پائندہ ہے۔ یہ چادر تمہارے سروں کے خون
سے رنگ دی جائیگی۔ اس بد بخت نے گالیاں دیں داہی تباہی بکا اور
کہا۔ ملک احمد میر کیا کر لیگا۔

غرض یہ کہ دلزاک پردے کی چادر لے گیا۔ سارے یوسف زئی

میں اس بات کی شہرت ہو گئی۔ ملک احمد کو بھی معلوم ہو گیا۔ اُسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اُس نے کہا اگر میں نے سارے فنی (عشی) کا بدلہ دلزاک سے نہ لیا تو میں سلطان شاہ کا فرزند نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد اُس نے ساری قوم کو بلایا۔ جو کہ کیا اور دلزاک کے کل استیصال اور بچ کنی کے فیصلے کے بعد لشکر کی فکر میں لگ گیا۔

کہتے ہیں کہ اُس وقت موسیٰ زئی گلیانی یوسف زئیوں سے اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ ملک حسن بن چنگا اور ملک شبلی ابن توری موسیٰ نے مرزا الغ بیگ کے عہد میں کابل میں یوسف زئی کو قتل کرا دیا تھا۔ اب کابل میں تنہا رہ گئے تھے اور دوسرے گلیانی بچے دو آپ چلے آئے کسی قدر اتمان خیل ان کے ساتھ کابل میں رہ گئے تھے۔ ترکلانی لغمان میں اور محمد زئی ننگر ہار میں تھے۔ محمد زئی کے قبضے میں اس وقت کوئی ملک نہ تھا۔ پس ملک احمد نے فیصلہ کیا کہ ہر چند موسیٰ زئی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہے مگر اس وقت مصلحت یہ ہے کہ ہم ان کی تفصیر معاف کر دیں اور اپنے ساتھ انہیں ملائیں تاکہ فنی (عشی) کی یہ مہم اللہ تعالیٰ کامیاب کر دے۔ ان کے علاوہ اتمان خیل، ترکلانی اور محمد زئی کو بھی بلالینا چاہیے کیونکہ ایک بڑی اور عظیم مہم درپیش ہے۔ چنانچہ ملک احمد نے شیخ علی کو چند یوسف زئی سرداروں کی معیت میں کابل روانہ کیا اور ان سے کہا کہ جاتے ہو پہلے دو آبہ جانیں اور گلیانیوں سے کہہ دیں کہ ملک احمد اور تمام یوسف زئی نے موسیٰ زئی کی تفصیر معاف کر دی ہے۔ اب آپ کے چند معززین میرے ساتھ چلیں تاکہ انہیں لے آئیں اور اتمان خیل ترکلانی اور محمد زئی کو بھی لے آئیں اس لئے کہ یہ مہم سب کی مشترک مہم ہے۔

چنانچہ شیخ علی وغیرہ دو آبے کو گئے اور گلیانیوں کو حالات سے

مطلع کیا۔ گلیانی ملک احمد کے پیغام اور معافی سے بہت خوش ہوئے ان کے چند سردار شیخ علی کے ہمراہ ننگر ہار گئے اور محمد زئیوں کو ملک احمد کا پیغام پہنچایا کہ ہمارے ساتھ شکر کریں چنانچہ محمد زئی نے اس کے ساتھ شکر کرنا قبول کر لیا۔ نال بعد لغمان گئے اور ملک احمد کا پیغام ملک سرخابی بن شہو سالار زئی اور ملک بلو خان برم شاہ زئی ترکلانی کو پہنچایا اور ان سے شکر کشتی کا تقاضا کیا۔ اُس کے بعد کابل گئے اور موسیٰ زئی گلیانیوں کے پاس گئے اور ان تک ملک احمد کا پیغام پہنچا۔ ہم نے تمہاری ساری خطائیں معاف کر دیں اور اپنے سارے خون سے بھی درگزر کیا۔ اب تم پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ آؤ۔ تاکہ سب مل کر فنی (عشی) کے ننگ و ناموس کا بدلہ لیں۔

موسیٰ زئی نے جب یہ پیغام سنا تو بہت خوش ہوئے کہ ملک احمد نے ہمارے گناہ معاف کر دیا اور پھر شیخ علی جیسے معزز آدمی کو ہمارے پاس بھیجا۔ سب نے بالاتفاق اس مہم میں شرکت کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر لیکر روانہ ہو گئے۔ اتمان خیل کو بھی ساتھ میں لیا اور لغمان پہنچے مگر ترکلانی ان کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہوئے۔ لغمان سے ننگر ہار آ گئے۔ محمد زئیوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اور اطلاع ملتے ہی تیزی سے آکر ان کے ساتھ ہجیارے میں مقیم ہو گئے کہتے ہیں کہ اس وقت محمد زئی کا کوئی علیحدہ اور مستقل ملک نہیں تھا۔ دوسروں کے ساتھ تبعاً و طفیل کی حیثیت سے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ کابل میں گلیانیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور جب گلیانی کابل سے دو آبے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ننگر ہار تک یہ بھی ان کے ساتھ تھے مگر پھر یہ ننگر ہار میں رہ گئے۔

ہجیارے سے کامنگ دو تین کرو یعنی ۱۰۰۹ میل کے فاصلے پر

مشرق کی طرف تھا۔ شیخ ملی نے وہاں جا کر ملک احمد سے ملاقات کی اور اس سے کہا کہ بگیاڑے میں ایک عظیم شکر مقیم ہے۔ کل یہ شکر یہاں پہنچ جائیگا۔ اس کی مہمانی کا انتظام کرنا چاہیے۔ ملک احمد نے فورا دیہات میں قاصد بھیجے اور حکم دیا کہ کل کیلئے ہر ایک مہمانی کی تیاری کرے۔

اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے گاؤں میں مہمانی کی تیاری کی اور ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ واضح رہے کہ جس وقت شیخ ملی شکر کی غرض سے کابل گیا ہوا تھا۔ ملک احمد یہاں شکر اکٹھا کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ چنانچہ سوات، باجوڑ، سہ اور اشغر کے تمام یوسف زئیوں کو اور اپنے جذبہ داروں اور ہمسایوں سمیت اور آتمان خیل مشوانی، باسیار، وردگ، لوانی، گدون، کنار، ماہواٹری، رٹری، بوتی، اکاسی، سواتی، شلمانی اور بڑیس وغیرہ سب کو بلا کر کابلنگ کے ارد گرد اپنے دیہات میں ٹھہرا دیا تھا اور اب شیخ ملی کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنی خلقت جمع ہو گئی تھی کہ خدا ہی ان کا حساب کر سکتا تھا۔ دوسری طرف کلپانڑی کے دلاک کو بھی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ شیخ ملی کابل میں شکر اکٹھا کرنے کی غرض سے گیا ہے اور یہاں ملک احمد شکر جمع کر رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنے آدمی پشاور، پارہڑ، مانگڑاؤ، نوشہرہ، چچہ، تربیلہ اور دریائے سندھ کے اس پار پیپور، شہرہ، پنجتار اور دریائے لنداک کے کنارے تک بھیجے اور ایک عظیم شکر اکٹھا کیا اور سب کو شہر ہار کے پہاڑ کے دامن میں "مقام" نامی رود (نالہ) کے کنارے طول طویل علاقے میں ٹھہرا دیا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس زمانے میں دلاک کے ملک (علاقے)

بہت زیادہ تھے۔ مگر یہ سید شری، مفسد اور بد معاملہ لوگ تھے۔ ان کے ہمسایوں میں ایک نسل کے لوگ بھی نہیں تھے اور ان کے حمایتی بھی سب کیلئے لوگ تھے، وہ بھی ایک ایک گھر تھا اور ان میں بھی زیادہ تر اہل پیشہ اور اسی قسم کے دوسرے لوگ تھے۔

الحاصل دلاک کا شکر یوسف زئی کے شکر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ اسی بنا پر وہ ازراہ نخوت و غرور یوسف زئیوں کو گالیاں دینے اور لاف زنی کرنے پر آمرا آئے اور یہ طعنے دینے لگے کہ یوسف زئی خوار و زاری سے سرو ساں کابل سے آئے۔ ہم نے انہیں پالا ملک دیا اور اب ہمارے ہی ساتھ مقابلہ و مقابلہ پر آمادہ اور لڑنے بھگڑنے کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔ ہم انہیں ایسا سبق دیں گے کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے اور جس طرح گلگانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا ہے اس طرح نہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں گے۔

لیکن دلاک نے جب یہ سنا کہ شیخ ملی کابل سے شکر لے کر بگیاڑے پہنچ گیا ہے تو بہت گھبرائے، انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کل کو یہ شکر ملک احمد کے شکر کے ساتھ مل گیا تو اس کا زور اور قوت بے پناہ ہو جائیگی اور پھر اسے شکست دینا مشکل ہو جائیگا۔ اس لئے صلاح یہ ٹھہری کہ کل علی الصباح ملک احمد کے شکر پر ہلہ بول کر اسے ختم کر دیا جائے اور جب یہ خبر گلگانیوں کو پہنچے گی تو وہ خود بخود بھاگ کھڑے ہوں گے کیونکہ انہوں نے ہماری کاری ضرب دیکھی ہے۔ چنانچہ صبح کو جب کہ بگیاڑے کا شکر ابھی اپنی جگہ پر پڑا ہوا تھا اور کابلنگ کے شکر کو بھی کوئی علم نہ تھا۔ اس پاس کے دیہات کے لوگ بگیاڑے کے شکر کی مہمانی کے لئے مہمانی کے انتظام

میں مشغول تھے۔ دلاک شہباز گڑھ سے حملہ کی نیت سے روانہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ دلاک اپنے ساتھ بان کی رسیاں بھی کر میں باندھ کرے گئے تھے۔ کہ یوسف زنی کو ان میں باندھ کر لائیں گے انہیں یوسف زنی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ ان کی قوت اور لشکر کو مطلق نظر میں نہیں لاتے تھے۔

اتفاق سے ملک احمد کو بروقت اطلاع مل گئی کہ دلاک کا لشکر آ رہا ہے۔ کائنات کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انہیں دور سے بہت سی گرد اڑتی ہوئی نظر آئی وہ سمجھ گئے کہ واقعی دلاک کا لشکر آ رہا ہے۔ فوراً پہاڑ سے اتر کر وہ بھی مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔ ملک احمد اور شیخ ملی نے بھی فوراً اپنا اپنا لشکر آراستہ کیا، صفیں درست کیں، پیادوں کو آگے کیا اور سواروں کو ان کے پیچھے لگایا۔ اور اس طرح کہ سواروں کے نیزے پیادوں کے پیچھے سے نکلتے تھے۔ اتمان خیل گائے بھینس کی سوکھی کھالوں کو ڈھال کی طرح پکڑے ہوئے پیادوں کے آگے آگے چل رہے تھے تاکہ وہ دشمن کے تیروں سے محفوظ رہیں۔ اس شان سے آہستہ آہستہ خواماں خرواماں روانہ ہو گئے اور موضع گدر کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے اور تیروں کی جنگ چھڑ گئی۔ اس وقت دلاک کے لشکر کا ہراول دستہ پہنچا تھا اور مڈی دل لشکر ابھی جیسے تھا۔ اس کے برعکس یوسف زنی سب یکبارگی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت ہمیں جنگ میں پہل کرنی چاہیے۔ دلاک کا لشکر لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا، تاہم کے ساتھ جنگ لڑنا محال ہو جائیگا۔ اس پر دوسو سوار گزر سے پار ہو کر پلے گئے۔ جن کے سالار سلیم خان ابن مغدد ابن یوئل، سید اور جوکا، دلک ابن یوئل منڈی زنی، دولت زنی کے بیٹے تھے

تینوں شہسوار شجاعت اور بہادری میں رستم وقت تھے۔ تینوں یکبارگی دلاک پر حملہ کر دیا اور ان کے ہراول دستے کو پیچھے دھکیں کر پسپا کر دیا۔ اس طرف سے باقی لشکر کا ہجوم بھی پار ہو گیا۔ اس آٹنا میں گلیا نیوں کا لشکر بھی جنوب کی طرف سے پہنچ گیا اور ہر طرف سے دلاک پر ٹوٹ پڑے اور ان کے سر پر آدہ جنگجوؤں کا منہ پھیر دیا اور پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ جب شکست خوردہ لوگ دلاک کے عظیم لشکر کے پاس بدحواسی کے عالم میں پہنچے تو اس عظیم لشکر پر بھی خوف طاری ہو گیا ہر کسی کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ وہ تشر بھر ہو کر بھاگنے لگے۔ ان میں سے اکثر مخلوق ٹوپی اور تہ بیلہ چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی کلیاٹری سے دریائے لدا، پیپور، پنج تار، شیر درہ، شہباز گڑھ اور کرماتیکہ کے عوام جنہیں دلاک نے اپنے دیہات سے جنگ کیلئے جمع کیا تھا سب اسی دن بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے "منارہ" زروبی چلے گئے۔ ان کی سرانسیملی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

دلاک پر گویا کہ وہ دن قیامت کا دن تھا، خشی یا خاشی کے سوار ان کے تعاقب میں منارہ زروبی تک گئے۔ قتل و غارت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور قیدی بنائے میں بھی کوئی رعایت نہیں دیکھتی تھی۔ منارے سے اکثر سوار اسی دن اور بعض دوسرے دن کائنات واپس پہنچے خشی کا پیادہ لشکر بھی دو تین کروہ یعنی ۱۰، ۹ میل تک شکست خوردہ دلاک کے تعاقب میں گیا۔ جب ٹھک کر واپس لوٹا تو ان کے دیہات پر نازل ہو گیا۔ دلاک متمول لوگ تھے اور کوئی بھی اپنا آٹنا بیکر نہیں گیا تھا اس لئے لوٹ مار میں بے انتہا دولت اور ساز و سامان اس کے ہاتھ لگا۔ توتی کر لوگوں کے گھر بھر گئے۔

ملک احمد اور شیخ ملی نے ابتدا ہی میں حکم دیا تھا کہ دلاک

کے غلام اور کینزیں جس کسی نے پکڑے وہ ان کے ہو گئے مگر میں اور آزاد لوگوں کو قید نہ کیا جائے۔ اس لئے ان کے ڈر کیوجہ سے اکثر لوگوں نے قیدیوں کو راستے ہی میں رہا کر دیا۔ بعض لوگ ان کو گھروں تک لے آئے مگر پھر ملک احمد کے کہنے سے سب کو آزاد کر دیا۔ بعض افراد کے ہاتھوں خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں لگی تھیں ان میں سے کچھ لوگوں نے انہیں چھپا لیا۔ اور بعد میں ان کو اپنے عقد میں لے آئے۔

اذاں جملہ ایک ملک ہندال ابن علی خان اکوڑی خواجوزئی شہزادی کی والدہ تھی جو بیچد حسین و جمیل اور پاکدامن بی بی تھی۔ علی خان نے اسے قیدی بنالیا تھا پھر اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کے بطن سے علی خان کے چار فرزند پیدا ہوئے جن میں سے ایک موسیٰ دوسرا عیسیٰ تیسرا ہندال اور چوتھا کامران تھا علی خان کی طرح اور بھی کئی لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ خان کجوا ابن ملک قرہ اس وقت ایک نوخیز جوان تھا اور اس جنگ میں شہر یک ایک لشکر کا سردار تھا۔ دلاک کے تعاقب میں منارے تک گیا تھا۔ اچانک راستے میں باقی خان نامی ایک دلاک کا سامنا ہو گیا جو اپنے اہل عیال کے ساتھ بھاگا جا رہا تھا۔ باقی خان کی ایک نہایت خوش شکل اور کنواری لڑکی تھی اور جس کیلئے خان کجوا نے پیغام بھیجا تھا مگر اس نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جو بھی خان کجوا اس کی نظر پڑی اس نے بندہ آواز سے اسے پکارا اور کہا کہ اے خان کجوا ہم اپنی بدخصلتی کے سبب ذلیل و خوار، تباہ و برباد اور گھبرے گھر ہو گئے اب خدا کے واسطے اپنے لشکر کو روکو ورنہ میری

قوم کے یہ معدودے چند افراد جو بچ گئے ہیں وہ بھی دریائے سندھ میں ڈوب کر ختم جائیں گے اور میری بیٹی جس کے تم طلب گار تھے اور میں نے انکار کر دیا تھا، وہ میرے ساتھ ہے میں اسے تمہارے عقد میں دیتا ہوں۔ صرف اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ جاؤں تو اس کی رخصتی کر دوں۔

خان کجوا نے جب اس کا یہ دل سوز بیان سنا اور اسے اس مصیبت میں دیکھا تو اس کا دل پیسچ گیا اور انسانی ہمدردی کے جذبے نے اسے بے اختیار کر دیا۔ فوراً اپنے لشکر کو آواز دی۔

”اے میری قوم! بس کر دھوڑو واپس آ جاؤ جو ہوا سو ہوا۔ اب ان سے تعرض نہ کرو۔ بہر حال یہ پختون نہیں“

اس کے کہنے پر ہر کسی نے ہاتھ روک لیا اور سارا لشکر وہیں سے واپس آ گیا اور دلاک منارے سے پیہور کے راستے اپنے علاقوں میں چلے گئے اور پشاور کے دلاک ہزارے واپس آ کر دوسرے راستے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجہ مؤرخ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دریائے سندھ کے پار رہنے والے دلاک زیادہ قتل ہوئے تھے۔ کیونکہ ہر اول دستہ میں زیادہ تر یہی لوگ شامل تھے۔ جنگ میں بھی سب سے پہلے انہوں نے حصہ لیا تھا اس لئے یہی لوگ زیادہ مارے گئے۔ اس جنگ میں زیادہ بہادری ان دو سو سواروں نے دکھائی تھی جو سب سے پہلے پار گئے تھے۔ خصوصاً سلیم خان ابن معدود ابن پوپل، سید اور جو کا پسران دلک ابن پوپل دولت زئی ملی زئی کہ ان تینوں شہسواروں جیسا دادی ابن پوپل کے بعد سارے پختونوں میں کوئی نہیں گزرا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا رستم تھا۔ ان

کے بعد میرا اور پیر علی یعنی میرک ملی زئی الیسوڑئی زئی کے بیٹوں نے بھی اس جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں پول کی اولاد میں تین چار صف شکن پیدا ہوتے رہے۔ البتہ موجودہ وقت میں ایسا کوئی نامور آدمی نہیں ہے مگر ہاما، بوکا کا بیٹا اور پول کا پوتا جو سارے ملی زئی (یعنی چغزئی، دولت زئی اور نوری زئی) کا سردار تھا اور جس کا سارا جسم زخموں کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔ پچھلے سال جب کہ ۱۰۳۲ھ تھا۔ ناسخ رات کی تاریکی میں ملی زئی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یوسف زئی بلکہ سارے نخی (خشی) کا یہ دستور تھا کہ لوگ لڑائی کے دن نیک خالی اور نیک شگون کی کس غاطر پول (پل خیل) کے گھرانے کے آدمی کو آگے کرتے تھے، اور اللہ پاک فتح و ظفر نصیب فرماتا تھا۔

خان کو ملک قرہ کا بیٹا اور بہزاد صدوزئی مندر کا پوتا جو بچپن کے وقت سے عمدہ اخلاق اور پسندیدہ خصائل کا حامل تھا۔ انتہائی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے امارت کے آثار اس کی پیشانی میں چمک رہے تھے۔ اور ہر کسی کو یہ توقع تھی کہ وہ یقیناً اورج کمال کو پہنچے گا اور امارت و صدارت کی کمر سی پر ممکن ہو گا جس طرح کہ اس کے والد بزرگوار ملک قرہ ابن بہزاد عالی مرتبت اور بلند پایہ صدوزئی مندر تھا۔

چنانچہ ملک احمد اور شیخ ملی کے بعد وہی قوم کا سردار بنا۔ ملک کو اہل کتب کی کثرت اور جنگ جو جوانوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ لوگوں پر بھاری اور غالب تھا اور دولت و ثروت کی وجہ سے بھی ملک مندر میں متمول ترین تھا۔ اس کی والدہ بڑی عاقلہ، مدبرہ، صالحہ اور عقیقہ خاتون تھی جس کا نام موندہ تھا۔ اس جیسی لائقہ و فائقہ دہری عورت افغانستان میں نہیں گزری۔ یہ پچھ گچھ بھائی تھے۔ ایک مزید

دوسرا میرداد تیسرا خان کو چوتھا بوبے (بومبی) پانچواں جلویا جانے جو سوات کی جنگ میں مارا گیا تھا اور چھٹا گلے، باقی پانچوں زندہ تھے اور ہر ایک ریاست و سیاست میں قابل تھا اور ہر ایک بہت نامور اور معروف تھا۔ خان کو اس جنگ کے زمانے میں نوخیز جوان تھا صیبت و سیرت اور شجاعت و فراست میں نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ملک احمد شیخ ملی اور نخی (خشی) کے دوسرے اعیان اس کا نوجوانی میں بھی بیحد احترام کرتے تھے۔ ہر کام میں اس سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ اور اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح خان کو بھی ملک احمد اور شیخ ملی کے خلاف مرضی کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ہر امر میں ان کی تابعداری کرتا تھا۔ ملک احمد اور شیخ ملی اس سے کہتے تھے کہ اب آپ تمام یوسف زئی کے مستقل سردار بن جائیں اور ہم آپ کے فہم اور معاون ہوں گے۔ مگر اس نے یہ پیش کش قبول نہ کی۔

دلزاک کے ساتھ جنگ میں جب اس نے انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

اس کے بعد خان کو سارے یوسف زئی سرداروں کے ہمراہ ملک بانی خان دلزاک کے ہاں ہزارہ گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اس کی بیٹی سے عقد نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ ابراہیم خان جو خان کو کا جانشین اور اس کا قائم مقام تھا وہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پہلی ازدواج کی نسبت یہ خاتون خان کو کی بہت محبوب و جوی تھی۔



یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۶)

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم خنی یا خشی میں تقسیم کرنا

معلوم رہے کہ یوسف زئی، گیلیانی اور نیکلانی یہ تینوں خینے یا خاشی کی اولاد ہیں اور محمد زئی جو اشغفر میں رہتے ہیں، زمند کی اولاد ہیں۔ زمند خشی کا چچا تھا مگر خشی نے اس کی اولاد محمد زئی کو گئے بھائی کی طرح رکھا اور اسی تناسب سے حصہ بھی دیدیا۔

(جو اہل سعادت نامہ افغانی)

کہتے ہیں کہ جب دلاک نے جنگ میں شکست کھائی اور بھاگ کر دریائے سندھ کے اُس پار چلے گئے تو اُس پار کا سارا علاقہ اُن سے خالی ہو گیا، خنی (خشی) کی ساری قوم کا ملک میں جمع ہو گئی سب سے پہلے تو ملک احمد نے کابل سے آنے ہوئے لشکر پر توجہ دی اور اس کے بعد ممالک کی تقسیم شروع ہوئی۔ حصے بھرے لگ بے تھے۔ اسی اثنا میں محمد زئی کے سرداروں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

معلوم رہے کہ خینے، خاشی اور خنی یہ سب ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں۔

”خان! ہم تو اوگرے (چادلی) کا بھرا ہوا کاستہ مانگتے ہیں یعنی ہمیں تو ایسا ملک دیدیں کہ ہم اوگرے سے سیر ہو جائیں“
ملک احمد نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اشغفر کا ملک مانگتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ اشغفر میں نے تم کو دیدیا، تمہیں مبارک ہو کیوں تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو خاشی یا خنی (خشی) کا چچا خضر زمند سمجھو اور خنی (خشی) کے بہرے اچھے بُرے میں شریک ہو ملک احمد کی زبان سے یہ سن کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے، ملک احمد کا حکم یہ ادا کیا اور کہا۔

”خان! بموجب اس کے کہ الا فسان عبد الوحسان (انسان احسان کا بندہ ہے) ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا جو حکم ہو گا ہم اس کی تعمیل کریں گے اور آپ کے دائرہ اطاعت سے کبھی باہر قدم نہیں نکالیں گے“

اس کے بعد گیلیانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔
”خان ہم تو پہلے سے دو آبہ میں سکونت پذیر ہیں۔ ہمارا تو ملک ہی رہا ہے، البتہ اب موسی زئی آگئے ہیں۔ ان کی ضرورت کی مطلق ہمیں کچھ ملک اور عنایت فرمائیں“

ملک احمد نے ان کی یہ گزارش بھی قبول کر لی اور دو آبہ کے علاوہ نصف باجوڑ، دانشکول سے عنبر، لاشوڑے تک اور ناوگئی سے پارنگ تک جو اس سے پہلے خلیل کا حصہ تھا۔ گیلیانیوں کو مزید مرحمت کیا۔ اس پر گیلیانیوں نے بھی کھڑے ہو کر شکریہ ادا کیا۔ وہ بھی بے انتہا خوش تھے۔ اس کے بعد محمد زئی اور گیلیانی دونوں نے ملک احمد سے عرض کیا۔

”خان یہ ممالک سب آپ نے فتح کئے تھے ان پر ہمارا کوئی حق

شیخ ملی کا انتقال

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ملک احمد کی ریاست کا سلسلہ بڑھ گیا اور دن دگنی رات پوگنی ترقی کرتا رہا۔ تمام خلی (خشی) بلکہ سارا انڈیا اس کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا اور اس کی ملک گیری کے غلط اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اس کے چند سال بعد شیخ ملی کسی مرض میں مبتلا ہو کر موضع غاینگے میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا اور بلوگرام سے مشرق کی طرف تھینا دو فرلانگ پر مقام غورہ پتہ میں سوات کے دمقار جانیوالی شاہراہ کے شمالی کنارے پر ایک ہموار قطعہ زمین میں مدفون ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت منہیں، متقی، شب بیدار، صائم الدین شخص تھا۔ وہ جہاں کہیں جاتا خدمت گد وضو کے لئے پانی کا لٹا ساتھ لئے پھرتا۔ وہ ملک احمد کے تحت سارے یوسف منڈر کا مقتدا تھا اور ان کی ہر مصیبت اور ہر مہم میں شریک اور غم خوار تھا۔ تمام دیہات، ممالک، قبیلے اور گھر اس کی تقسیم پر آباد تھے اور ابھی تک اس کی تقسیم یوسف منڈر بلکہ تمام خشی و غوریائیل قبائل میں جاری و ساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی زمین کے متعلق یوسف منڈر میں کوئی تنازعہ پیش آتا ہے تو غصے میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا یہ تم شیخ ملی سے لکھلائے ہو۔ یعنی کیا یہ زمین تم کو شیخ ملی نے دی ہے جو دعویٰ کرتے ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ملی کا کیا ہوا ہندوستان لوگوں کے نزدیک اب تک مسند ہے اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔

انہوں نے تذکرۃ الابرار و الصالحین میں لکھا ہے۔

ذاتھا مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور اپنی مہربانی سے یہ ممالک ہمیں عطا فرما دیئے تو ہم سب آپ کے غلام ہو گئے۔ اب یہ بقیہ ممالک در، بابوڑ، بالقرہ سے ہندول اور چنگوڑ تک اور سارا سوات، بونیر، چملہ تنول تک اور سارا سمہ نوشہرہ اور سرخ وڑٹی، دریا کے لٹا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا پورا ساحلی علاقہ یہ سب آپ کا علاقہ ہے لہذا اتمان خیل، گدون، مشوانی، ماہیار، کنار، رواتری، کانسی اور دوسری متعدد اقوام آپ کے ساتھ رہیں اور آپ ہی ان کو ممالک عطا فرمائیں۔

چنانچہ ملک احمد نے ان اقوام میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حال ممالک (علاقے) عطا کر کے سب کو راضی کیا۔ ہر کوئی اپنا اپنا حصہ پا کر خوش ہو گیا۔ ہر کسی نے دعا، خیر کی اور اس طرح سب رخصت ہو گئے۔

گلگیاں دوآب اور نصف بابوڑ میں جو انہیں دیا گیا تھا، جاکر آباد ہو گئے اور محمد زئی عجلت کے ساتھ ننگر ہار گئے۔ وہاں سے خانہ دار آئے اور اشغ میں بس گئے اور اشغ کے یوسف زئی وہاں سے اٹھ کر دوسرے ممالک میں متوطن ہو گئے اور ترکلائی اگرچہ خلی (خشی) کا تیسرا فرزند تھا مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر دلاک کی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے اس لئے انہیں ملک کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ بہت سالوں کے بعد جب شیخ تپور کی جنگ بھی ہو گئی تو یہ لوگ لغان میں سے آکر بابوڑ میں (خان جو کے عہد امارت میں) آباد ہو گئے۔ جن کا ذکر اپنے محل میں آج بھی ہے۔

”شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنے زندگی میں ضرورت مندوں کی حاجت روائی دنیاوی لالچ سے کبھی نہیں کی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے کی۔ پس اگر میں اپنے قول میں سچا ہوں تو ممالک کی بول تقسیم اور حدود کے بول تعینات میں نے یوسف زئی اور دوسرے افغان قبائل کے مابین کئے ہیں وہ قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر جھوٹا ہوں تو خدا کرے کہ یہ تقسیم باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے اس قول میں سچے تھے اس لئے آج تک اس کی تقسیم برقرار ہے۔“

تاریخ پشاور مؤلفہ گوبال داس سہیلہ کے فصل سوم از صفحہ ۳۱۰ تا ۳۴۳ میں درج ہے کہ آخر کام نہر شبون ابن سطرہ بن کی گیارہویں پشت میں اکاذنی سے ایک شخص شیخ ملی نام پیدا ہوا یہ شخص اپنے وقت میں سرکردہ قوم اور معاملہ فہم تھا۔ مردمان قوم افغان کو اس کے اقبال و افعال پسندیدہ معلوم ہوتے تھے۔ اکثر لوگ اس کی اطاعت سے روگردان نہ تھے۔ قوم افغان کے خواص و عوام ہمیشہ اپنے گھریلو تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرتے اور فیصلہ جات میں اس کے حکم کو حکم حاکم عادل جانتے۔ اس نے اہلک اراضی تقسیم کیا۔ اراضی چھ قطعہ پر بانٹا تعین حدود کے بعد ہر ایک قطعہ پر ایک قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ ہر شش قطعہ چھ نام سے موسوم و مشہور ہوئے۔ ملک یوسف زئی، ملک محمد زئی، ملک گلگانی، ملک داؤد زئی، ملک غیل، ملک مہمند اور اسی طرح سے اقوام مذکورہ قباضہ قطعہ مسطور ہیں۔ البتہ تہہ خالصہ اس وقت شامل ملک مہمند تھا اور اب قبضہ اقوام مختلف قبائل ہے عرصہ دراز سے قوم مہمند یعنی اصلی مالکان اس زمین کو چھوڑ کر کوہستان میں خارج از ضلع ہذا،

مقیم ہوئے۔ چونکہ وہ زمین مقبوضہ سرکار (مغل) تھی، خالصہ نام رکھا گیا۔ تقسیم شیخ مذکور اس قدر معتبر اور مشہور ہے کہ اب تک ہر شش پرگنہ مذکور میں ہر ایک مالک زمین، ملوکہ جدی کو بنام دفتر شیخ ملی یاد میں لاتا ہے اور افغانان پیاس سنت شیخ ملی عامل ہیں۔ گوبال اس آگے لکھتا ہے کہ۔

”عجب قوم افغان یعنی یوسف زئی، گلگانی، محمد زئی، داؤد زئی، غیل، مہمند علاقہ پشاور میں آکر آباد ہوئے تو ان کے درمیان اراضی منقسم نہیں تھی اور نہ حصص معین تھے لہذا آپس میں فتنہ و فساد برپا ہونے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا تو شیخ ملی نے قوم افغان مذکورہ کے مختلف فرقوں، غیلوں کے درمیان دیش یعنی تقسیم اراضی کا مشکل مسئلہ ایسے اصول پر حل کیا کہ آج تک اسی اصول پر فیصلہ جات اراضی ہوتے رہتے ہیں۔ اس موجد نے حیثیت اراضی کو نہیں دیکھا بلکہ ہر ایک فائدہ اور قبیلہ کی تعداد کا لحاظ رکھ کر ایسے حصے مقرر کئے کہ قبائل کی نقل مکانی کے باوجود بھی ان حصص میں فرق نہیں آتا۔ ایسی بنا پر دو آدمی بندوبست کر دیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں اٹھتا۔ اس وجہ سے شیخ ملی کا نام افغانی قبائل میں ہمیشہ کے لئے نمایاں رہیگا۔ (تاریخ پشاور)

شیخ ملی موجد تقسیم اراضی ابن پیرک ابن چارسدہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اکاذنی اتمان منڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد اور فائدہ والے اس وقت مواضعات ٹوبہ، مینی، کوٹ تحصیل صوابی ضلع مردان اور کچھ ضلع ہزارہ میں آباد ہیں۔ آثار سے ظاہر ہے کہ ابتدائی تقسیم میں یہ لوگ علاقہ سوات میں آباد تھے۔ خصوصاً شیخ ملی اور ان کا قبیلہ اکاذنی موضع غایگی میں رہائش پذیر تھا۔ شیخ ملی نے غایگی میں

وفات پائی اور اراکین جرگہ کے مشورے اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر سوات کے عین درمیانی حصے میں دفن کئے گئے۔ اس وقت جب کہ ۳۵ھ ہے، اُس کی قبر سے مغرب میں موضع بلوگرام اور مشرق میں قبر گاؤں واقع ہے۔ یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ ملک احمد قائد یوسف زئی کا مزار شریف موضع تھانہ اور اللہ ڈھنڈ ڈھیری کے درمیان بڑے عام راستے (جو سوات کا تہری راستہ ہے) کے کنارے جنوب میں واقع ہے۔ اور اسی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے جو راستے سے شمال میں واقع ہے۔ یہ مقام یوسف زئی کا دارالحکومت تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ پورے قبیلے یوسف زئی میں ملی کے منبرک نام سے آٹھ صاحبان گزرے ہیں۔

(۱) جن میں شیخ ملی ولد پیرک ولد چارسدہ اکا زئی جس کی قبر کا ذکر ہو چکا، ملک احمد حکمران یوسف زئی کا دست راست تھا اور مفتوحہ علاقہ جات کو اُس نے تقسیم کیا ہے۔ اُس کی اولاد اس وقت ٹوپی، یعنی تحصیل صوابی دسکنہ جٹو توربیلہ میں شیخ ملی خیل کے نام سے آباد ہے۔ اور شیخ کا خطاب صرف اُن ہی کو ملا تھا۔

(۲) ایک ملی ولد ملک یوسف ہے جو علاقہ قندھار میں فوت ہو چکا تھا۔ اور اُس کی اولاد اس وقت تپہ بونیر میں ملی زئی کے نام سے سکونت پذیر ہے اور ان کی اولاد نوری زئی، دولت زئی پتھر زئی کے ناموں سے اس وقت یاد کی جاتی ہے۔

(۳) تیسرا ملی ولد خواجہ اکو زئی افغانستان میں فوت ہوا ہے اور اُن کی اولاد بیاست دیہ میں ملی زئی کے نام سے آباد اور موسوم ہے۔

(۴) چوتھا ملی ولد سالار الیاس زئی، افغانستان میں فوت ہوا ہے اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے تپہ سالار زئی بونیر میں آباد ہے۔ (۵) پانچواں ملی ولد علی ولد علیم راٹری زئی، جس کی قبر علاقہ سوات میں بمقام کوٹہ سترک کے کنارے جانب شمال میں واقع ہے اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے سکند اللہ ڈھنڈ ڈھیری علاقہ سوات میں آباد ہے۔

(۶) چھٹا ملی ولد مبارک (مبارہ خیل) امان زئی ہے، جس کی اولاد ملی خیل کے نام سے موضع شہباز گڑھی وغیرہ میں آباد ہے۔ اور اس کی قبر بمقام شاہ ڈھنڈ پار ہوتی مردان سترک کے مغرب میں کنارے پر واقع ہے۔

(۷) ساتواں ملی ولد میر خان حسن خیل شامی زئی خواجہ زئی، جس کی اولاد تپہ شامی زئی سوات میں ملی خیل کے نام سے آباد ہے۔ اور اُن کے والد کابل سے ملک احمد خان کے ساتھ آئے تھے اور پیدائش دواہ میں ہوئی تھی اور قبر کا پتہ نہیں چلا کر کہا دفن ہیں۔

(۸) آٹھواں ملی ولد قاسم ولد ملا خیل (ملا خیل) شامی زئی خواجہ زئی ہے، جو بہت کم عمری میں کابل سے ماں کی گود میں آیا تھا اور ان کی اولاد ملی خیل کے نام سے تپہ شامی زئی ملا خیل سوات میں آباد ہے۔ لیکن قبر کا پتہ نہیں چلا کر کہاں دفن ہے۔

ملک احمد کا انتقال

شیخ ملی کی وفات کے یک سال بعد ملک احمد نے بھی انتقال

ہے کہ کوئی ایسا قابل آدمی ہو جسے قوم کی یہ ریاست اور حکومت سونپ دی جائے۔ چنانچہ بہت غور و غوض کرنے کے بعد انہیں خان بکو کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آیا جو قوم کی رہنمائی اور ریاست کے اس منصب کا اہل ہو۔ خان بکو کے بچپن ہی سے ہمدگی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ منذر کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی وہ سب پر فائق تھا۔ اس کے عزیز و اقارب بھی سب سے زیادہ تھے اور سب دولت مند اور مرد میدان بھی تھے، اس لئے سب لوگوں نے بالاتفاق اسے مسند ریاست تفویض کر دی اور "خان" کے لقب سے ملقب کر دیا۔ خواص و عوام سب اسے خان کہتے تھے، چونکہ وہ لائق و قابل تھا اس لئے اس کا کام دن بدن ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بام ترقی کو پہنچا اور تمام اہالیان پختون اس کے مطیع و منقاد ہو گئے جس کا ذکر اپنے محل میں آجایگا۔

اس نادرینج سے ملک تاج الدین رز کے گھرانے سے سرداری نکل گئی اور اس کی اولاد نے اپنا آبائی اور قدسی مقام کھو دیا۔ اگرچہ اب بھی اس گھرانے میں بعض نامور لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ان میں سودا نامی ملک زیور کا بیٹا بڑا معزز اور معتمد آدمی ہے اور آج جب کہ مسلمانان ہندوستان سے بھی چند آدمی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کیندھت میں ہندوستان میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ جب خان بکو مسند ریاست اور امارت پر متمکن ہوا تو ممالک مقبوضہ کی حفاظت اور بلاد مفتوحہ کی حراست اور ملکی امور کے انتظام اور عوام الناس کے ہندوبست میں ملک احمد سے فائق اور لائق ثابت ہوا اور ملک پختون خوا کے سارے باشندے، دیہگان،

انہی انتقال کیا۔ اور سوات میں آٹھ ڈنڈ ڈیری اور موضع تھانہ کے دریاں شاہراہ کے متصل اس جگہ جو قدرے نشیب و فراز میں ہے، دفن ہوئے۔ اللہ پاک اس کی اور سارے مسلمانوں کی مغفرت کرے۔

اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ خنی (خشی) میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں ماتم برپا ہو گیا تھا۔ اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کنناں تھا۔ اس جیسا غالب شان اور ممالک گیر شخص اس کے بعد سارے افغان میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا اس کے بعد صرف خان بکو کا نام بیا جاسکتا ہے۔

خان بکو کی سرداری کا آغاز اور غوریاخیل کی ان کے ساتھ شمشک

مصنف تواریخ افغانہ خوا جو لکھتا ہے:-

”ملک احمد کے بہتے بیٹے تھے (جن کے نام یہ ہیں اللہ داد، میر داد، اسماعیل اور کرم داد۔ اور ان کی اولاد اس وقت مواضعات یار حسین یعقوبی، شیر درہ اور کوگاچلہ میں آباد ہے۔ جن میں سے صرف دو نامور تھے۔ ایک اللہ داد اور دوسرا اسماعیل۔ یہ دونوں ملک احمد کی حیات میں جوان ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سرداری کے معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور باہم کینہ و حسد میں مبتلا ہو گئے۔ دوسرے قزاقت داروں سے بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کے قابل کوئی آدمی نہ رہا سب آپس ہی میں لڑ بھگڑ کر ختم ہو گئے اس لئے قوم نے آپس میں جبرگہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں ایک بھی سرداری کا اہل نہیں ہے۔ انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کو قتل کر دیا۔ اب ان میں کام کا کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔ اس لئے سرداری

گوجر، نیلابی، سواتی، گہری، تنولی اور کوہستانی کافر سب اس کے مطیع و تابع فرمان ہو گئے۔

اس کے عہد امارت میں ملک بہت آباد و خوشحال ہو گیا۔ ریخت اور لشکر بھی ملک احمد کے وقت سے زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ ہر کسی کے پاس ایسے اچھے اچھے سامان، اچھے اچھے ہتھیار اور بہترین گھوڑے موجود تھے۔ جو کہ امیروں اور بادشاہوں کی سرکار کے لائق ہوں، اور یہ بات تمام عالم میں مشہور تھی کہ خان کجہو کے زمانے میں یوسف نے یوں میں ایک لاکھ نیزے تھے۔ یعنی ایک لاکھ سوار پیادہ نیزہ باز تھے۔

کہتے ہیں کہ بعض مہلات میں خان کجہو نے یوسف زئی، مہگیا، محمد زئی، ترکمانی اور اپنے توابع میں سے اتنا خیل، گدون، کنارہ، گہری، مہیار، ماندوری، بڑیچ، وردگ، روانڑی، کانسی، سرکاری، ابدال، ترین، مشوانی، کاکڑ، پنی، شیادزی، لونئی، یالوانی، تورانی، روغانی، خٹک اور دھگان اقوام سواتی، مہراوی، اوان اور گوجر وغیرہ سے لشکر اکٹھا کیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ ہو گیا۔ یہ بغیر اس کے کہ ہزارہ کے دلاک اور مانگر آؤ، تربید اور حسن ابدال وغیرہ کے لوگ نہیں آئے تھے۔ حالانکہ اگر ان کو طلب کیا جاتا تو وہ بھی ضرور حاضر ہوتے اور لشکر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو جاتی۔

شیخ پتور کی جنگ

خان کجہو نے جو مشہور جنگیں لڑی ہیں ان میں سے ایک مشہور جنگ شیخ پتور کی جنگ ہے۔ یہ جنگ غوریانہل سے لڑی گئی تھی۔ شیخ پتور پشاور شہر کے قریب شمال میں دریائے کابل کے قریب واقع ایک مشہور و معروف مقام تھا۔

اس جنگ کے متعلق خوابو مورخ لکھتے ہیں کہ:-

”خان کجہو کے عہد میں ایک حادثہ کے بعد داؤد زئی اپنے متعلقین یعنی مہمند و خلیل کے لوگوں سے موضع ترنگ، قلات، مقرر اور قرہ باغ سے جو غوریانہل کا اصل وطن ہے ہجرت کر کے یوسف زئی کے علاقے میں آ گئے اور خان کجہو اور دو سکھ یوسف زئی سرداروں کے سامنے اپنا عجز اور پریشانی ظاہر کر کے اپنی معاش اور آبادی کیلئے ایک علاقے کی استدعا کی۔ خان کجہو وغیرہ نے ان کی یہ التماس قبول کر لی اور کلیانڑی اور بگیارے کے نواح میں چند دیہات جو زراعت کے قابل اور زرخیز تھے انہیں دے دیے۔ یہ اس میں آباد ہو گئے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مہمند اور خلیل کے لوگ بھی ایک واقعے کے بعد اپنے وطن سے بے وطن ہو کر پشاور آ گئے اور انہوں نے پشاور کا علاقہ مرزا کامران ولد ظہیر الدین بابر بادشاہ کی مدد سے دلاک سے خالی کر لیا تھا۔ اور داؤد زئی قرابت اور مودت کے خیال سے کلیانڑی اور بگیارے سے اٹھ کر پشاور میں ان کے ساتھ ہی سکونت پذیر ہو گئے۔

اس جنگ کا منشا اس طرح تھا کہ جب خلیل اور مہمند کے لوگ اپنے اصل وطن سے پشاور آ گئے تو اس وقت پشاور اور اس کے مضافات میں دلاک آباد تھے۔ دلاک بڑے غالب اور توانا تھے۔ انہوں نے ان کی معاش کیلئے کوئی علاقہ نہیں دیا۔ دلاک ہمیشہ مہمند اور خلیل کے حالات میں مزاحم ہوتے تھے۔ آخر مہمند اور خلیل کے لوگ جنہیں غوریانہل کہتے ہیں، مجبور ہو کر کابل میں مرزا کامران کے پاس ان کے ظلم و ستم کی شکایت کی گئی۔ مرزا کامران نے ان کی شکایت سنی اور ان کی مدد کیلئے ایک بڑی

فوج کے ساتھ ان کے ہمراہ پشاور آیا اور دلاڑاک پر قہر خداوندی بن کر نازل ہو گیا۔ چنانچہ اس جنگ میں اکثر دلاڑاک قتل ہو گئے اور جو بچ گئے وہ فراری ہو کر جانقرا اور ترمیزی کے پہاڑوں کے راستے دریائے سندھ کو عبور کر کے ہزارہ اور مانگراؤ کے دلاڑاک کے ساتھ متوطن ہو گئے اور غوریانہیل دلاڑاک کی جگہ پشاور میں آباد ہو گئے۔ چونکہ پشاور شہر شاہراہ پر واقع ہے اور اسی راستے سے تمام کاواں بالا دیپال جاتا کرتے تھے۔ یہ لوگ اُن سے محصول اور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اور ملک بھی بہت زرخیز اور آبی تھا، فصلیں اور پیداوار اچھی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ سوداگری بھی کرتے تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں دولت مند ہو گئے اور تعداد میں بھی بڑھ گئے۔ انتہائی غلبہ اور شوکت حاصل کی خصوصاً فیصل نے بڑا اوج حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں مہمند اکثر ننگرھار میں مقیم تھے۔ اور نیل سب کے سب زیریں پشاور میں آباد تھے اور علی وجہ الاستقلال والانفاذ پشاور نیل کا تھا پشاور سے ڈک، کرپ، سٹوہ ہانقرا، نیلاب، نوشہرہ، شیخ پور اور دو آبے تک سارے علاقے فیصل کے قبضے میں تھے۔ بلکہ تمام غوریانہیل کا ملک بازید بن محمد فیصل اسحاق زئی، محمد زئی، عیسیٰ زئی، مالی زئی تھا جو بڑا عالی مرتبہ ملک تھا اور نصیر الدین ہمایون بادشاہ کو بڑا عزیز تھا۔ سب لوگ اس کے فرمانبردار تھے۔ فیصل قوم بھی سب صاحب جمعیت ہو گئی۔ اچھے اچھے لباس پہنتے، انواع و اقسام کے کھانے اور پکوان ان کے یہاں پکتے تھے۔ ان کے طیلے گھوڑوں سے بھرے رہتے تھے۔ ہر شخص خوانین اور اُمراء جیسی زندگی گزارتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں عیاشی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ سارے پختونوں میں ان جیسے عیاش لوگ دوسرے نہیں

تھے۔ بڈل و سنا، ایثار بخشش اور آدمیت و مردت بھی ان میں دوسروں سے زیادہ تھی۔ ہر شخص رستم صفت اور یوسف صورت تھا۔ جب چند برس اس شان سے گزر گئے اور اُن کا زور اور قوت کمال کو پہنچ گئی تو قدیمی عداوت نے اُن کا دامن کھینچا اور یوسف زئی کی وہ پرانی عداوت جب کہ ہندو راج کے اوائل میں باجوڑ کے درے میں یوسف زئی نے خیل کو قتل کیا تھا، اُن کو یاد آئی اس لئے یوسف زئی کے ساتھ بدخصی کا آغاز کیا۔ بدی کو اپنا شعار بنا لیا، کاروانوں اور مال واسباب پر دست درازی کرنے لگے۔ اور ہندو راج کی بُرائی یاد دلاتے رہتے، خصوصاً جب جاڑوں کا موسم آجاتا اور دیا پایاب ہو جاتے تو اُن کے سوار رات کو نکل کر دریاؤں کے پار مالاکنڈ کے آس پاس جاکر نالوں اور فاروں میں پھپھپ جاتے تھے۔ جب صبح ہو جاتی تھی تو پھر دھیری کو دی نک، ڈرنی، گورنی، پشاور اور دوسرے نواحی علاقوں کے مال اٹھا کر اور مویشیوں کو ہانک کر لے آتے۔ اسی طرح ان کے پیادے بھی جاتے اور مالاکنڈ، سلطان شخصی، کاجگلہ اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑوں میں پھپھپ جاتے تھے۔ سارا دن اسی طرح سے گزرتا کہ شام کے وقت کوئی کٹر مارا یا گھاس کاٹنے والا مل جاتا تو اس کو قید کر کے پشاور لے آتے۔ اسی طرح کپانی اور بگیاڑے پر شب و روز دھاوے بولتے اور شب خون مارتے۔ رات دن ان پر ایک کر دیا تھا اسی طرح کرپہ اور نیہر کے راستوں کی بھی ناکہ بندی کرتے تھے جن پر سے یوسف زئیوں کے کارواں اوپر نیچے آتے جاتے تھے۔ یہ لوگ ان پر تاخت کر کے انہیں لوٹ پیتے تھے۔

اتفاق سے ایک دن یوسف زنی کا ایک کارواں اوپر کابل جا رہا تھا۔ جب وہ خیبر کے کراچی میں پہنچا غلیل نے اُسے لوٹ لیا اور دو خوبصورت نوجوانوں کو قصداً قتل کر دیا۔ یہ دونوں نوجوان میر رستم کے گئے بھائیوں اور عسرا بن سیدو ابن تائری یوسف زنی اکوڑی کے ابائی کے بیٹے تھے۔ تائری کا گھرانہ یوسف زنی میں بہت ممتاز اور نمایاں تھا۔ عمر اس زمانے میں نامی گرامی اور بڑا مشہور ملک تھا اس کے بعد میر رستم ابائی کا نامور ملک تھا اور موجودہ وقت میں میر رستم کے دونوں بیٹے کمال خان اور جلال خان ابائی کے ملک ہیں ابائی ابتدائی زمانے سے اشغر کے سرے پر آباد ہیں۔ ملک تائری کے وقت سے دونوں آباؤ اجداد کے درمیان (یعنی باڈوان سے اشغر تک) کا یہی سارا علاقہ ان کا تھا۔

نفسہ مختصر یہ کہ قافلے والوں نے ان دونوں نوجوانوں کی لاشیں لکڑی اشغر میں ان کے باپ کے ہاں پہنچا دیں۔ باپ نے ان پر بہت حشر و فزع اور مانگ کیا۔ پھر انہیں دفن کو بھیجے بعد ان کے خون آلود کپڑے بیکر خان کچو کے پاس منارے گیا۔ خان کچو اس وقت لوڑہ منارہ میں مقیم تھا۔ کیونکہ دلزاک کے استیصال کے بعد ساہیوال میں یہیں مقیم ہوئے تھے۔ عمر نے اپنے بیٹوں کے وہ خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیئے اور بہت آہ و نالہ کیا اور غلیل کے تعدی اور ظلم کو بیان کیا۔ خان کچو اُس کی داستانِ مظلومی سن کر بے حد دل گیر ہوا اور غلیل کے ظلم و شرارت پر سخت مشتعل ہوا مگر اذراہ مصلحت ضبط و تحمل سے کام لیا اور عسرا سے کہا کہ عسرا جو کچھ کہتے ہو بجا کہتے ہو۔ تم پر بے حد ظلم ہوا ہے۔ تمہارے تو بچے گوشے تھے مگر مجھے بھی وہ اپنے بیٹوں سے کم عزیز نہیں تھے۔ مجھے اُن کے

قتل سے جو دکھ پہنچا ہے کوئی اور اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ بارے صبر اچھی چیز ہے۔ دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔ غلیل چونکہ بڑی قوت والے لوگ ہیں۔ اگر میں فوراً اُن پر لشکر کشی کر دوں اور اپنا انتقام نہ لے سکوں تو ہماری بڑی خفت ہوگی کیونکہ گلیانی اور محمد زنی غلیل کے ساتھ ساتھ ان کی سرحد پر آباد ہیں۔ معلوم نہیں وہ جنگ میں سپاہی اور غلوص کے ساتھ ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ فی الحال صبر و ضبط سے کام لیں۔ غلیل شریر اور فتنہ انگیز لوگ ہیں، آج نہیں تو کل گلیانیوں اور محمد زنی پر پڑھ دوں گے۔ اس طرح وہ خود بخود اُن کے دشمن ہو جائیں گے اور مجھ سے مدد کیلئے التجا کریں گے۔ اس وقت میرا داؤ اُن پر چل جائیگا۔ مجھے ایک بہانہ ہاتھ آجائیگا۔ اس وقت میں غلیل پر سارے غنی (خشی) کا لشکر ڈال دوں گا اور اُن سے تمہارے بیٹوں کا خاطر خواہ انتقام لوں گا اس طرح خان کچو نے عسرا کی دل جوئی کی اور اُسے تسلی و دلاسا دیکر واپس بھیجا۔ غلیل اپنی بد اعمالیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ یوسف زنیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ خان کچو کے پاس اکثر اُن کے ہاتھوں ستائے ہوئے فریادی آتے تھے۔ اس کا قہر و غضب بھی دن بدن بڑھتا رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب یہ لوگ مرزا کامران کو کابل سے لائے تھے تو اُن کے مقاصد میں یوسف زنیوں پر ناخوت بھی شامل تھا۔ چنانچہ سرما کا موسم تھا یہ مرزا کامران کے لشکر کیلئے پشاور اور اشغر کے دریاؤں میں پایاب جگہیں معلوم کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ یوسف زنی اس حال سے آگاہ ہو گئے تھے اور جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ بھی تھے مگر مشیت الہی کچھ اور تھی کابل

میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ مرزا کامران کو اُسے پاؤں پشاور سے
کابل جانا پڑ جس کی وجہ سے غلیل کا مقصد پورا نہ ہوا اور اُن کے دلوں
کی حسرت دلوں میں رہ گئی۔

انفرض تھوڑے عرصے بعد ملک محمد خان بن سلطان بن احمد
بن یعقوب گلگانی جو بڑا متدین، متشرع، بڑا منتظم اور مرجع خاص
دعائے تھا۔ کسی کام سے پشاور گیا تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ملک
بازید بن محمود کی مسجد میں گیا۔ امام کے پیچھے نیت باندھ کر نماز کے لئے
کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت بار کے نام ذکر باری اور دلی نام ذکر تبارک و تعالیٰ
گئے اور عین نماز میں قیام کی حالت میں بلا وجہ پیچھے سے پھری
کا وار کے شہید کر دیا۔ اس کے بیٹوں کو واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ جا کر
ان ہی خون آلود کپڑوں میں والد کی نعش کو دو آہے لے آئے اور دفن
کر دیا۔ یہ اندوہ ناک واقعہ گلگانیوں کیلئے بڑا ناقابل برداشت ثابت
ہوا۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت تمام گلگانیوں کا سردار ملک شیخو بن
خواجہ خوبی زئی تھا۔ سارے گلگانی اس کے مطیع تھے۔ نصیر الدین
ہمایون بادشاہ بھی اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ملک
شیخو نے ملک محمد خان شہید کے بیٹے کو باپ کے خون آلود کپڑوں
کے ساتھ خان الخوانین خان بکو کے پاس روانہ کر دیا اور ملک خواجہ بن
میرے لالہ زئی اور ملک آدم بن محمد علی بن شمو لالہ زئی دو نامور اور
معتبر ملکوں کو اس کے ساتھ بھیجا۔ یہ تینوں پہلے آشنہ گئے۔

ملک جعفر خان بن نصرت خان ملک بیگی بن بارام خان محمد زئی کو تمام
حالات بتائے اور استغاثہ پیش کیا۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ
پہلے خان بکو کے پاس جائیں کیونکہ وہ سارے خنچی (خشی) کا خان ہے

لے نصرت خان و بارام خان پسند بارک شاہ کی اولاد موضع تنگی شغور میں نصرت زئی و جعفر زئی کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ مہم اسی کے اقبال سے انجام کو پہنچے گی۔

یہ تینوں وہاں سے روانہ ہو کر خان بکو کی خدمت میں گئے، اور
ملک محمد خان کے خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیے اور غلیل
کے ظلم و تعدی کی داستان سنائی۔ خان بکو بہت غمگین ہوا۔ ملک
محمد خان کے قتل کا سنا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
اس کے بعد ان سے کہا کہ اب پانی سر سے اوشیا ہو گیا اور ضروری
ہو گیا ہے کہ غلیل کے ظلم و تعدی کا ہاتھ توڑ دیا جائے۔ یہ میرا فرض
ہے، انشاء اللہ ان کا انتظام کروں گا۔ آپ یہ کپڑے اسی طرح لے کر
ملک سرابہال نیکی خیل اور ملک بارخان بن موسیٰ بائی زئی اکوڑی
کے پاس جائیں اور فریاد و زاری کریں تاکہ وہ بھی فکر میں لگ جائیں۔
چنانچہ یہ تینوں حضرات روانہ ہو کر ملک بارخان اور ملک سرابہال
کے پاس گئے۔ وہ کپڑے ان کے آگے ڈال دینے اور غلیل کے ہاتھوں
ظلم و ستم کی داد و فریاد کی۔ یہ دونوں بھی بہت متأسف و متالم ہوئے
اور ان سے کہا کہ اب آپ جائیں اور بے فکر رہیں۔ یہ ہماری مہم
ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس سلسلے میں ضرور کچھ کریں
گے۔ آپ لوگ بھی شکر کی فکر میں لگ جائیں ہم بھی انشاء اللہ
بڑی عجلت سے آ رہے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ملک خضر خان محمد زئی آشنہ خری محمد زئی کا
سردار اور قوم کا سربر آوردہ تھا۔ نہایت عالی رتبہ، صاحب شوکت
اور بڑا مدبّر تھا۔ اور سارے محمد زئی اس کے فرمانبردار تھے۔ اس کے
بعد اس کا بیٹا محمد سعید خان بھی اس کی طرح بڑے اقتدار کا مالک تھا
اور محمد سعید خان کے پسر دور میں اس کی اولاد میں بڑے بڑے نامور
سردار پیدا ہوئے جو سارے محمد زئی کے امیر و مقتدا بنے۔ ملک بیگی

بن بہرام بھی ملک خضر خان کے ماتحت صاحب حکم اور قوت و شہرت کا مالک تھا۔ ملک سرابدل ابن موسیٰ ابن نیک پی یوسف زئی اکوڑی خواجہ زئی شیخ سینا کا بھتیجا بھی خان کجہ کا مقابل تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ خان کجہ منڈر کا سردار تھا اور ملک سرابدل یوسف کا۔ لیکن شروع ہی سے یوسف و منڈر بلکہ سارے نخی (خشی) کی سرداری منڈر کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے خان کجہ خان خانان تھا اور اس کے بعد ملک سرابدل کا مقابل سارے سترہ بن میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ ملک سرابدل کے خاندانی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی البتہ ام ولدہ (غیر افغان بیوی) سے ایک بیٹا متولد ہوا تھا جس کا نام بختی تھا، جو نہایت حسین اور خوبصورت تھا۔ اس کی اولاد اب تک باقی ہے۔ اور شیخ سینا ملک سرابدل کا چچا یوسف زئی کے اعظم اولیا اور مشائخ کبار میں سے ایک تھا۔

ملک بدراخان ابن موسیٰ سوہل اکوڑی بائی زئی بھی بڑا عالی مرتبہ سردار تھا۔ یہ میر فتح خان کا بھائی تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ ملک بدراخان اپنی قوم میں بڑا ممتاز تھا۔ تلوار کا ایسا دھنی تھا کہ جنگ کے دوران میں ملک کے حکم سے اس کے گھوڑے کی دوطرفہ لگام پکڑی جاتی تھی کیونکہ یہ بڑا زور آور اور غصہ دار شخص تھا۔ موقع اور محل کو نہیں دیکھتا تھا۔ دشمن اگر ہزار کی تعداد میں چھوٹا تب بھی اس کو پرواہ نہ ہوتی تھی بلکہ وہ تنہا اُن پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ یہ کلیانپوری میں سکونت پذیر تھا اور غلہ ڈھیر کے قریب اس کا بہت بڑا باراد تھا۔ سرخ وری کے دریا کے لٹا کا گھاٹ بھی اسی کا تھا جس کا حصول اُس کے یہاں آتا تھا۔ بہت بڑھا ہو گیا تھا کلیانپوری میں فوت ہوا، وہیں اس کی قبر ہے۔ اس کی اولاد ابھی تک

لے۔ خدای کو اس وقت تڑپ مٹا دیتے ہیں۔

علاقہ یوسف زئی موضع کھوڑ سوات میں موجود ہے۔ سب صاحب وقار ہیں۔ سلیمان نامی اس کا ایک بیٹا ۱۰۳۲ھ تک حیات رہا۔ قصہ مختصر یہ کہ ملک خواجہ گلگانی وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد خان کجہ نے یوسف اور منڈر کے سرداروں کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور ایک خاص مقام پر انہیں طلب کیا۔ چنانچہ خان کجہ کے آدمیوں کے پہنچنے ہی تک بادراخان ملک سرابدل اکوڑی اور خدائے داد بہت یارے ابن میر احمد صدوزئی منڈر جیسے لوگ بادشاہ کہتے تھے، ملک بین ابن خدائے داد تاجوخیل صدوزئی منڈر جو خان کجہ کے بعد صاحب جبرگ تھا، وغیرہ اور دوسرے بہت سے سردار بھی مقررہ جگہ پر خان کجہ کے پاس آکر حاضر ہو گئے۔

رہا پس میں صلاح و مشورہ کیا اور کہا کہ غور باخیل بہت زور آور لوگ ہیں اور ساتھ ہی اُن کا ملک ہم سے دور بھی واقع ہے۔ ہم بہت کمزور ہیں اس لئے یوسف زئی، محمد زئی، ترکلانی اور گلگانی چاروں قبیلوں کا ایک مشترکہ لشکر تیار کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اُن کی طرف بڑھیں۔ مگر یہ بھی لازم ہے کہ پہلے ہم لشکر کا ہتھیار کریں اور آشنہ فرما کر مقیم ہو جائیں۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کا لشکر ان خود ہمارے پیچھے آکر اکٹھا ہونا ہوگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کوئی اپنے گھر والوں کو ساتھ لے چلے تاکہ جنگ میں کوئی حیلہ سازی نہ کر سکے اور جو قوابع لوگ ہیں خواہ اخیل ہوں خواہ غلام، خواہ سادہ خواہ شریک سب لشکر میں شریک ہوں۔ اگر کوئی نہ گیا اور اپنے آپ کو لشکر میں شریک ہونے سے بچایا تو اس کا خیال غارتنا راج کر دیا جائیگا۔ اور ہر ایک سردار اپنے وابستگان و متعلقات لشکر کے مناسب حال التوجات و سامان ضرورت اپنے ہمراہ لے جائے۔

چنانچہ سب نے اس فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔ خان بکو، ملک سرابدل، ملک بارخان، ملک بن اور ملک خدائے داد، بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھروالوں کو ساتھ لیکر کوچ کیا اور کلیاٹری میں جا کر ڈیرے ڈال دیئے اور نیچے اور شامیانے کھڑے کر دیئے۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ موضع کلیاٹری میں آکر ان کے ساتھ مقیم ہو جاتے تھے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ اور اتنا بڑا لشکر تیار ہو گیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو۔ یہاں سے خان بکو نے محمد زئی، گلگانی، توکلانی، اتمان خیل، گدون، مشوانی اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الغور آشنہ پھینچ جائے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جوگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک بوکا بن کرہ ملی خیل اور کرم داد بن مستانی ایوب خیل ایلیاس زئی سالار زئی دونوں نامور سردار بھی موجود تھے۔ دونوں نے اس وقت خان بکو اور ملک سرابدل سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو ایلیاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزاق شاہ ابن سلطان اویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تین چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلوار کے زور سے بچائے۔ قزاق شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ داؤ لگائے بیٹھا ہے، اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کر دیگا۔ اس لئے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کر دیا جائیگا۔ خان بکو اور ملک سرابدل نے ان سے کہا کہ اچھی بات ہے۔

تہااری خدمت یہی ہے کہ تم قزاق شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو اگر ہم بجزیرت واپس آگئے تو ان سے بھی نمٹ لیں گے۔ البتہ کرم علی ابن فتح خان ہوتی خیل ایلیاس زئی سالار زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کرؤ تاکہ غوریا خیل دلاور نہ ہو جائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ ایلیاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اتفاق سے کرم علی وہیں موجود تھا اُسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ کر دیا اور باقی ایلیاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ کرم علی بہادری میں سید، بوکا، پوپل خیل دولت زئی ملی زئی کا ہم پر تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزاق شاہ، سلطان اویس ابن سلطان پھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا۔ یوسف زئی کے غلبے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل دروش خیلہ باز خیلہ، چندہ خورہ اور سوئی گلی تک ایلیاس زئی کے دیہات آباد تھے یہ سارے گاؤں قزاق شاہ سے متصل تھے، یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ جب خان بکو غوریا خیل کی مہم پر نکلا تو قزاق شاہ کو موقع مل گیا وہ فوراً کا شغری (چترال) گیا کیونکہ کا شغری اس کے قریب تھا وہاں سے ایک زبردست لشکر آیا۔ کا شغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے ایلیاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک بوکا سالار زئی کے گاؤں دیولتی پر دھاوا بول کر اُسے تاراج کر دیا۔ پھر چندہ خورہ جاتے ہوئے بو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد ایلیاس زئی کے دھاوا

چنانچہ سب نے اس فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔ خان کج، ملک سرابدل، ملک بارخان، ملک بن اور ملک خدائے داد، بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھروالوں کو ساتھ لیکر کوچ کیا اور کلیاٹری میں جا کر ڈیرے ڈال دیئے اور جیسے اور شامیانے کھڑے کر دیئے۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ موضع کلیاٹری میں لگ کر ان کے ساتھ مقیم ہو جاتے تھے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ اور اتنا بڑا لشکر تیار ہو گیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو۔ یہاں سے خان کج نے محمد زئی، گلگانی، ترکلانی، اتمان خیل، گدو، مشوانی اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور آشنہ پہنچ جائے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جرگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک بوکا بن کرہ ملی خیل اور کریم داد بن مستانی ایوب خیل ایاس زئی سالار زئی دونوں نامور سردار بھی موجود تھے۔ دونوں نے اس وقت خان کج اور ملک سرابدل سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو ایاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزاق شاہ ابن سلطان اویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تین چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلوار کے زور سے بچائے۔ قزاق شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ دائر لگائے بیٹھا ہے، اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کر دیگا۔ اس لئے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کر دیا جائیگا۔

خان کج اور ملک سرابدل نے ان سے کہا کہ اچھی بات ہے۔

تہااری خدمت یہی ہے کہ تم قزاق شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو اگر ہم بخیریت واپس آ گئے تو ان سے بھی نمٹ لیں گے۔ البتہ کریم علی ابن فتح خان ہوتی خیل ایاس زئی سالار زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کرڈو تاکہ غور یا خیل دلاور نہ ہو جائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ ایاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اتفاق سے کریم علی وہیں موجود تھا اُسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ کر دیا اور باقی ایاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ کریم علی بہادری میں سید، بوکا، پوپل خیل دولت زئی ملی زئی کا ہم یہ تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزاق شاہ، سلطان اویس ابن سلطان پھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا۔ یوسف زئی کے قبیلے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل درپوش خیلہ باز خیلہ، چندہ خورہ اور سوئی گلی تک ایاس زئی کے دیہات آباد تھے یہ سارے گاؤں قزاق شاہ سے متصل تھے، یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ جب خان کج غور یا خیل کی مہم پر نکلا تو قزاق شاہ کو موقع مل گیا وہ فوراً کا شغری (چترل) گیا کیونکہ کا شغری اس کے قریب تھا وہاں سے ایک زبردست لشکر لے آیا۔ کا شغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے ایاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک بوکا سالار زئی کے گاؤں دیولٹی پر دھاوا بول کر اُسے تاراج کر دیا۔ پھر چندہ خورہ جاتے ہوئے جو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد ایاس زئی کے دھاوے

بھی ہر طرف سے لٹل گئے۔ اور سید بہن دنگ پوپل خیل دولت زئی ملی زئی کے گاؤں پنج گرام (پنجی گرام) پہنچے۔ پنج گرام الیاس زئی کے قریب آباد تھا۔ سید بذات خود بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے قزاق شاہ کے لشکر کو شکست فاش دی۔ قزاق شاہ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اس نے اس کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ کڑکی چوٹی سے اسے پار کر دیا۔ اس طرف ان کی مدد تھی۔ الیاس زئی کے دیہات سے جس قدر آدمی پکڑ کر اور سامان لوٹ کر لیکے تھے سب ان سے پھینک لئے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

اس کے ایک ماہ بعد بہار کا موسم شروع ہوا۔ بسندور (ہندت) آیا۔ بسندور کفار کا ایک تہوار ہے جس میں وہ مسلمانوں کی عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں۔ جب بہار کا موسم آتا ہے ہر طرف پھول کھلے ہوتے ہیں۔ ہر مرد، عورت، عیش و عشرت کا سامان تیار کرنے لگتا ہے۔ ہاتھوں میں مہندی دھاتے ہیں، نفیس لباس پہنتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں اور سیر و تفریح کے لئے صحرائی طرف نکل جاتے ہیں۔

ملک جوکانے قزاق شاہ کیلئے جاسوس مقرر کئے کہ وہ بسندور منانے کا دن اور موقع و محل معلوم کریں کہ وہ کس مکان میں جائے گا اور عیش و عشرت کرے گا۔ جاسوس اس کے بسندور کا دن اور مقام عیش و عشرت معلوم کر کے واپس آگئے۔ ملک جوکانے عجلت کے ساتھ الیاس زئی کا ایک تربود دست ڈھارا تیار کیا اور راتوں رات جا کر اس مکان کے چاروں طرف نالوں اور کھڈوں میں چھپ گئے۔

جب صبح ہوئی تو قزاق شاہ بے کھٹکے دل جمعی کے ساتھ اپنے

خاص مطربوں کی محبت میں اس مکان میں جا اتر، مگر ابھی اترا بھی نہیں تھا کہ چاروں اطراف سے الیاس زئی ان پر ٹوٹ پڑے۔ تیروں کے وار کر کے اسے قتل کر دیا اور سر کاٹ کر گھر لے آئے۔ دوسرے دن قزاق شاہ کا سر لیکر لشکر کے ساتھ خان کج کے پاس روانہ ہوا اور دریائے لنڈا کے کنارے جب کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، خان کج کے پاس پہنچ گئے۔ خان کج اس کے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا اور آفرین کہتا۔ شادیاں اور نقارے بجاتے اور اس مہم کو نیک فال سمجھا اور کہا کہ خود یا خیل کی فتح ہمیں اللہ نصیب فرمائے گا۔ قزاق شاہ کا سر ایسے وقت میں پہنچا کہ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی سب لوگ ایک دوسرے کو قزاق شاہ کی موت پر مبارکباد دے رہے اور کہہ رہے تھے کہ اب پیچھے سے مطمئن ہو گئے۔

الغرض خان کج کو موضع کلیاٹری سے نہایت عجلت میں روانہ ہو کر دریائے لنڈا کے کنارے شیخ پتور کے بالمقابل مقیم ہو گیا اور اونچی جگہ پر خیمہ نصب کر دیا۔ باقی لشکر نے ارد گرد اور دریا کے کنارے کنارے دور تک ڈیرے ڈال دیے۔ گرمیوں کا موسم تھا، گیہوں کے کھیت لہلہا رہے تھے، بالیاں نکلی ہوئی تھیں۔ ساز و سامان سب کے پاس موجود تھا۔ جو لوگ خیمے رکھتے تھے انہوں نے خیمے کھڑے کر لئے اور جن کے پاس خیمے نہیں تھے انہوں نے جھونپڑے بنائے۔ اس کے بعد ملک خضر خان بارک شاہ زئی اور اس کا بیٹا محمد سعید خان اور ملک بیگی بن بہرام بارک شاہ زئی اور میر پاشندہ بن قاسم تاجو خیل اتھان زئی اور محمد زئی کے دوسرے سردار بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آئے اور

اور خان کجو کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

بعد ازاں ملک شیخ بن خواجو خوبے زئی گلیانی، ملک خواجے بن میرے لاد زئی اور ملک آدم بن محمد علی لاد زئی، خواجہ گل ابن ابوبکر تبون زئی بسوز زئی اور میر ابدال ابن بہزاد آد داد خیل، بہزاد موسیٰ زئی اور گلیانیوں کے دوسرے ملکوں بھی بڑی بڑی جمیعتوں کے ساتھ جن میں اکثر سوار تھے، آکر خان کجو کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ اس کے بعد ملک مٹہ بن شمو سالاد زئی تدرکلائی بابوڑی اور ملک احمد بن کیمیل ابن بختی علاء الدین زئی یوسف زئی اور ملک عیسیٰ ابن میرداد موسیٰ زئی گلیانی بابوڑ کے راستے سے ایک ساتھ آئے اور خان کجو کے لشکر کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

الغرض رفتہ رفتہ تھوڑے ہی دنوں میں سارے خنی (خشی) کے لشکر آکر جمع ہو گئے اور شیخ تپور کے بالمقابل ڈیرے ڈال دیے اتنا بھاری لشکر اکٹھا ہو گیا کہ اس کی مثل افواج کا اجتماع سارے افغانستان میں نہ کسی نے دیکھا ہو گا نہ سنا ہو گا۔ اور مخفی نہ ہے کہ جس وقت خان اخوانین خان کجو خنی (خشی) کے لشکر کے ہتھام میں لگا ہوا تھا، ملک بازید بن محمود خلیل اسحاق زئی عیسیٰ زئی مالی زئی جو خلیل کا سب سے بڑا سردار اور نصیر الدین ہمایون بادشاہ کا مقرب تھا، ہمایون بادشاہ سے ملنے کیلئے کابل گیا ہوا تھا۔ اور اس کے حضور میں موجود تھا، ملک بنے ابن میرداد اسحاق زئی مالی زئی جو اس کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا، ملک بہلول عیسیٰ زئی صدوزئی کہ یہ دونوں خلیل کے نامی گرامی ملک تھے۔ غور یا خیل کے لشکر جمع کرنے کے انتظام میں لگ گیا۔ جاہا اپنے آدمی بھیجے۔ چونکہ یہ لوگ اکثر اس وقت ننگرہار اور بعض پشاور میں

تھے۔ چنانچہ سلیمان شاہ ابن زنگی مہمند اودی زئی جو اپنے وقت کا مشہور شجاع تھا، کا قبیلہ پشاور میں تھا۔ اس نے جاہا آدمی بھیجے۔ مہمند، خلیل اور داؤد زئی کا سارا لشکر جس میں ہر ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھا۔ خصوصاً خلیل سب کے سب مسلح تھے اور اناؤ لاغیرنی (یعنی ہچوما دیگرے نیست) کے زعم باطل میں مبتلا تھے۔ اور پوری جمعیت اور انتہائی شان و شوکت سے کوچ کرتے ہوئے خرم کے اس طرف ڈب کے کنارے شیخ تپور میں ڈیرے ڈال دیے۔

اس زمانے میں غور یا خیل بالعموم اور خلیل بالخصوص بڑے اہل ثروت تھے۔ ہر کسی کے پاس فرش، فردش، خیمے اور شامیانے موجود تھے جو کھڑے کر دیئے گئے۔ ایسا معدوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کا لشکر ہو۔ جس جگہ خان کجو اور خلیل کا لشکر آمنے سامنے پڑا ہوا تھا وہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

کہتے ہیں کہ خلیل کا لشکر بہت زور و شور کے ساتھ آکر شیخ تپور میں آئرا۔ ہر کسی کو ان کے زور و قوت کا علم ہو گیا، چونکہ خلیل کے لشکر میں سب گھوڑے سوار تھے، وہ بھی عراقی گھوڑوں پر تمام زور پوش اور لوہے میں غرق تھے اور اس لئے خنی (خشی) کے لشکر کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ پار چلے جائیں اور خدا نخواستہ شکست کھا جائیں تو سب دریا میں ڈوب جائیں گے۔ اس لئے خان کجو اور گلیانیوں کے سوا کہ گلیانی خلیل کے جانی دشمن تھے سارا لشکر اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اگر خلیل کے ایک دو سفید ریش معززین اور ملک بازید کے گھرانے کی دو عمر سیدہ مستورات اور قطب عالم شیخ میرداد متی زئی کے پوتے بطور جبرگہ خان کجو کے

پاس آجائیں تو ہمارے لئے اس قدر عذر خواہی بھی کافی ہے۔
یہ بات ملک خضر خان محمد زئی سے کہی گئی کہ آپ اپنی طرف
سے یہ بات خان کج کے گوش گزار کریں اگر ان کی رضا ہو تو ہم اس
بات کی کوشش کریں۔ لیکن اس سے قبل کہ ملک خضر خان خان
کج تک یہ بات پہنچائے، خان کج کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ خان کج
کو اس پر بہت غصہ آیا اور فوراً اٹھ کر ملک سرابدل کے ڈیرے
پر گیا اور اس سے کہا: "اے میرے بھانجے یہ لوگ مجھ سے
پوشیدہ کیا مشورہ کرتے ہیں کہ غور یا خیل کے جرگے کو بلانا چاہتے
ہیں۔ یاد رکھو اگر غور یا خیل کے لوگ بطور عذر خواہی یہاں آگئے تو
میں انہیں تمہارے ہی ڈیرے میں قتل کر دوں گا" سرابدل نے
عرض کیا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کے مرضی کے بغیر کچھ کر سکیں
جو آپ کی مرضی ہوگی وہی عمل میں آئیگا۔ اس کے بعد خان کج
ملک سرابدل کے ڈیرے سے اٹھ کر اپنے ڈیرے میں چلا گیا۔ چند
دن گزرنے کے بعد خان کج نے نخی (خشی) کے تمام رؤسا کو طلب
کیا اور دریا پار کرنے کے بارے میں استفسار کیا۔ ملک خضر خان نے
اہل نخی (خشی) کے مقتضا کے مطابق وہ بات خان کج سے کہی۔
خان کج سمجھ گیا کہ یہ بات اہل جرگہ کے مشورے سے کہہ رہا ہے۔
اس نے جرگے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس معاملے میں آپ
کی کیا رائے ہے۔ اہل جرگہ نے کہا کہ خان! ہم آپ سے زیادہ
سمجھدار نہیں ہیں جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس
جرگے میں آدو اور جونانام کے مطرب بھی بیٹھے تھے۔ خان کج نے
ان سے کہا کہ اے مطربو! تم بھی کچھ کہو۔ مطربوں نے خان کج کی مرضی
کو تائید کیا تھا۔ فوراً سرود پھیرا اور بلند آواز سے یہ غزلی کہی:

خان کجود قرہ زویہ
اوس پہ ہر شان شیم پور
اوکھ نہ وی دلیم بہ
دپیغورشی ترلوغویہ
تی جہ ۱۔ اے قرہ کے فرزند خان کج! آپ نے بہت بڑا خیمہ
کھڑا کر دیا ہے۔ اب جس طرح سے بھی ہو شیخ پور کو آپ کا جانا فوری
ہے۔ اگر نہ گئے تو آپ کا یہ خیمہ تمام عمر کا آپ کیلئے طعنہ ہو جائے
گا۔

اور دوسری غزلی یہ کہی:

بارا خان دموئی زویہ
کھل نخی دسوکہ کرہ کورولور
کہ موداوار غورے پرینود
دے بہشی ہر کو غورہ لہ پیلہ زو
تی جہ ۱۔ اے مومئی کے بیٹے بارا خان! سارے نخی (خشی) کو
تم نے اطراف سے اکٹھا کر دیا۔ اگر اس دفعہ تم نے غور یا خیل کو چھوڑ
دیا تو یہ اپنے زور میں اگر مغرور ہو جائیں گے۔
جب ان مطربوں نے یہ غزلی کہی تو ہر کسی کے دل پر اس کا اثر
ہوا اور ہر کسی میں جنگ کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس پر خان کج نے لوگوں
سے کہا کہ اے جرگے والو! میں آپ لوگوں سے اور کیا کہوں گا حقیقت
یہی ہے جو ان مطربوں نے آپ کے سامنے بیان کر دی۔ باقی آپ کی
مرضی ہے۔ البتہ اس دفعہ غور یا خیل کا بندوبست نہ کیا گیا تو پھر تم
خود دیکھ لو گے کہ غور یا خیل تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں وہ
اتنے مغرور ہو جائیں گے کہ تمہیں پہاڑوں میں بھی نہیں چھوڑیں
گے۔

اس کے بعد ہر کسی نے خان کج کی مصلحت پسندی اور کہا کہ
اس دفعہ نخی (خشی) کا شکر اللہ تعالیٰ نے اتنا فراہم کر دیا ہے کہ اس

کے بعد شاید ہی اتنی تعداد میں پھر کبھی جمع ہو سکے۔ پس صلاح یہی ہے کہ دریا کو عبور کر کے ان سے لڑیں، پھر جو بھی خدا کو منظور ہو۔

کہتے ہیں کہ اس مہم میں نخی کے جتنے مذہبی پیشواؤں کے خاندان تھے سب آگئے تھے اور اس جوگے میں حاضر تھے۔ خان کو نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "اے پیرانِ محترم! یہ دن ہم پر بڑا سخت آن پڑا ہے۔ آپ ہمارے آستانہ دار ہیں اور ہم آپ کے خدمت گزار ہیں، ہمارا آپ پر حق ہے، اگر کسی صاحب کو کشف یا الہام کے ذریعے آئیوے واقعے کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں اس سے آگاہ کریں۔"

کہتے ہیں کہ شیخ جلو ابن عثمان اوساخیل ملی زئی خواجوزئی جو یوسف زئی میں کشف و کرامات میں مشہور تھے۔ ان کے درمیان سے سر اٹھا کر کہنے لگے کہ اے لوگو! سب ملکر جو میں جلو اس عثمان کا بیٹا ہوں جس نے کابل میں مرزا الغ بیگ کے وقت میں ملک سلیمان شاہ کو یوسف زئی کے قتل کا اشارہ کیا تھا اور پھر اسی طرح ہوا تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ماہ جمادی الاول کی بارہ تاریخ کو پار ہو کر مقابل کے سامنے آ جاؤ گے، اسی ماہ کے تیرہ تاریخ کو تمہاری زبردست جنگ ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا کہ رسول مقبول ص ہمارے مدد و معاون ہیں۔ ہم حق پر ہیں اور ہم پر ظلم ہوا ہے۔ اس کے بعد جزیے میں آکر تین بار کہا کہ غوری یاخیل شکست کھا گیا اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عصا سے جو میرے ہاتھ میں ہے، غوری یاخیل کے بندے سے نخی (خشی) کو مخلصی دی اور اُسے آزاد کر دیا۔

شیخ جلو کے اتنا کہنے سے تمام نخی کو تقویت حاصل ہوئی اور فتح و

نصرت کو اپنا شامل حال جانا۔ یہ عین وہی وقت تھا کہ اسی وقت قزاق شاہ کاسر بھی پہنچ گیا۔ جیسے پہلے ذکر ہوا خوش دگنی ہو گئی اور اُسے نیک فال سمجھا گیا۔

اس درمیان میں غوری یاخیل کو بھی خبر مل گئی کہ نخی کے بیشتر لوگ اس بات پر راضی ہیں کہ اگر غوری یاخیل کا جوگہ عذر خواہی کیلئے ہمارے (یوسف زئی کے) پاس آجائے تو ہمارا عذر ہو جائیگا۔ مگر غوری یاخیل انتہائی مغرور اور بدست تھے، صلاح و آشتی کیلئے آمادہ اور راضی نہ تھے۔ اس لئے فتنہ انگیزی شروع کی۔

چنانچہ کسی قدر آدمیوں کو اس پار دو آبہ میں بھیج دیا۔ اُس وقت چونکہ دو آبہ کے لوگ دریا پار کر کے اشنغر آئے ہوئے تھے اور دیہات خالی پڑے تھے انہیں موقع مل گیا اور گلیا نیوں کے دیہات کو نذر آتش کر دیا۔



یوسف زنی قوم کی سرگزشت

باب (۷)

یوسف زنی کا دریائے لنڈی کو غور کرنا اور غور یا خیل وغیرہ سے ان کی جنگ

خان کجھ اور اس کے دو سر اعیان کو غور یا خیل کے ہاتھوں لگیا بیوں کے دیہات جلائے جانیکا علم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا اور سب نے دریا پار جا کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بہت سی کشتیاں اور شناسا فراہم کئے۔ ان میں سے ایک شناسا سر آدم سے اونچا تھا۔ اس کے بعد خان کجھ نے ملا احمد ابن خدائیداد متی زنی سے الوداعی خلیل کو غور یا خیل کے پاس بھیجا۔ ملا احمد بہت زمانہ پہلے خلیل آیا تھا اور خواہوزنی ملی زنی میں سکونت پذیر تھا۔ شیخ خیلہ میں اس کا گھر تھا اور کلیش خیل کا پیش امام تھا۔ اور بہت دانا شخص تھا۔ اس کے ذریعے ملک نبی مالی زنی اور ملک بہلول صدوزنی ہارڈوزنی کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ دریا کے اس پار جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیں تاکہ ہم دریا کو پار کر کے میدان میں پہنچ سکیں اور اگر آپ یہ بات پسند نہ کریں تو پھر آپ کیلئے ہم راستہ چھوڑ

کو ایک طرف کوہٹ جائیں گے۔ آپ دریا پار کر کے ادھر آجائیں۔ پھر جو اللہ کو منظور ہو دیکھا جائیگا۔

ملا احمد دریا کے پار گیا اور ملک نبی اور ملک بہلول کو یہ پیغام پہنچایا۔ یہ پیغام سن کر دونوں خوش ہوئے اور اس سے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ اطمینان کے ساتھ دریا پار کر کے اس طرف آجائیں۔ ملا احمد نے واپس اگر خان کجھ کو ان کا پیغام سنایا۔ خان کجھ نے یوسف اور منذر کو بلا کر کہا کہ تم یوسف اور منذر آپس میں قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکلا وہ پہلے پار چلا جائے۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو منذر کا نام نکلا، لیکن منذر اس پر آزدہ خاطر ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم پہلے پار جائیں اور غور یا خیل پر عہدی کر کے حملہ کو دیں تو ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ خان کجھ ان کی اس بات سے بہت دل گیر ہوا۔ وہ فکر مند بیٹھا ہوا تھا، کسی نے پوچھا کہ خان عالی! آپ اتنے طول کیوں بیٹھے ہیں؟ خان کجھ نے کہا کہ ہمارے یوسف اور منذر کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ہر جنگ اور ہر مہم میں بطور نیک خالی مقدمہ ہمیشہ پوپل کا گھرانہ میدان میں آتا تھا مگر آج میں خلاف معمول بات دیکھ رہا ہوں خدا خیر کرے۔

اس پر سلیم خان ابن مغدود ابن پوپل اور سیدو جو کا پسران ملک ابن پوپل منڈی زنی دولت زنی ملی زنی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اچھی بات ہے خان! جب آپ کی مرضی یہی ہے تو پہلے ہم پار جاتے ہیں، یہ کہ یمنوں روانہ ہو گئے۔ خان کجھ نے حکم دیا کہ پہلے ان کو کشتی دے دو یہ پہلے پار ہو جائیں ان کے بعد باقی لشکر کیباہ کی کشتیوں اور شناساؤں سے دریا پار کر کے مہادا غور یا خیل ان پر ٹوٹ پڑیں اور دھوکہ دیں۔

اس کے بعد سلیم خان، سید، جو کا اور تمام ملحقہ قوم کے ساتھیوں میں بیٹھ کر پار چلے گئے۔ چنانچہ سارا لشکر ایک دفعہ میں شاندار اور کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلا گیا۔ اور ڈوب کے کنارے ڈیرے ڈال دیے اور ہر کسی نے اپنے اپنے برابر میں موافق حال خندق کھودی اور کانٹے بچھا دیے۔ رات اسی جگہ گزاری۔

جب صبح ہوئی تو خان بکو نے حکم دیا۔ کہ لشکر میں جتنے مطرب ہیں انہیں بہترین گھوڑے اور ہتھیار دے دیں۔ تاکہ سب سے پہلے وہ غوریانہیل کے سامنے جائیں اور جنگ کا آغاز کریں۔ اس سے خان بکو کی غرض قوت نمائی تھی۔ چنانچہ اہل لشکر نے اپنے اپنے مطربوں کو بہترین گھوڑے اور ہتھیار دیے۔ انہیں خوب آراستہ کر کے میدان میں بھیج دیا۔

معلوم رہے کہ سات سو مطرب لشکر کے ساتھ تھے۔ اور اس وقت ان کے سردار، یوسف زئی بلکہ سارے خجی (خشی) میں شیشکی اور ادو تھے۔ یہ دونوں متنبہ و زنی کے ڈوم (مطرب) تھے۔ یہ دونوں ان سات سو مطربوں کے ساتھ ہو کر لشکر سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اور خنزرم میں پہنچ گئے۔ خنزرم، علی ثریٰ مغدود زئی خلیل کا گاؤں تھا اور باشندوں نے اسے خالی کر دیا تھا مطربوں نے اس گاؤں کو زندہ آتش کر دیا۔ اور ایک لاغر و بیمار بیل کو جسے گاؤں والے نہ بیچا سکے تھے، زخمی کر دیا اور واپس آگئے جب گاؤں سے دھواں بلند ہوا اور آگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو خلیل سمجھ گئے کہ ان کے گاؤں کو جلا دیا گیا ہے اس لئے ان کے تعاقب میں نکل آئے مگر اس وقت تک یہ لوگ واپس آگئے تھے۔ اسی اثناء میں فتو کے نامی بے اس وقت یہ مقام کا فور ڈیرے سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک مطرب جو عرصہ ایک سال سے خلیل سے آکر یوسف زئی میں احمد ولد کبیل بن بختی اکو زئی خواجوزئی علاؤ الدین زئی کے پاس آباد ہو گیا تھا۔ کسی پہانے سے مطربوں سے پیچھے رہ گیا تھا، پھر گھوڑا دوڑا کر خلیل کے سواروں میں گھس گیا اور سلام کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں آپ لوگوں کا نمکخوار ہوں۔ اسی لئے ایسے سخت وقت میں پھر آپ کے پاس آگیا ہوں یہ گھوڑا اور اسلحہ یوسف زئیوں کا دیا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور پوچھا یہ سوار کہاں کے تھے؟ فتو کے نے کہا کہ یہ سوار تو سارے کے سارے مطرب تھے جو خان بکو کے ساتھ آئے ہیں اور اپنی نمود اور جنگ کے آغاز کیلئے نکلے تھے۔ یہ سن کر خلیل نے ایک دوسرے سے کہا کہ جیب ان کی اس قدر فوج صرف مطربوں کی ہے تو ان کا لشکر نہ جانے کتنا ہوگا؟ اور بعض خلیل نے کہا کہ خان بکو ہم پر اپنی فوج کی کثرت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور ہمیں اپنا زور دکھاتا ہے۔ خیر حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی اور کل میدان جنگ میں اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

الغرض مطرب لوگ وہاں سے لوٹ کر خان بکو کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور یہ حال اس سے کہہ دیا۔ خان بکو بہت خوش ہوا انہیں انعام سے سرفراز کیا اور کہا کہ ہمارا فال نیک ثابت ہوا کہ ہمارے مطربوں نے ان کا گاؤں جلا دیا۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔ دوسرے دن جب لڑائی ہوئی تو فتو کے مطرب اس میں مارا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب مطربوں نے غوریانہیل کا گاؤں جلا دیا تو وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور رات یہ صلاح کی کہ کل ہی ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اور میدان میں ان سے لڑا جائے۔ خان بکو کو جاسوسوں

نے آکر فوراً اطلاع دی کہ کل غوریان خیل حملہ کریں گے۔ خان بچونے اسی وقت تمام ڈیروں میں قاصد بھیجے اور منادی کو انی کہ ہر شخص جنگ کیلئے تیار ہو جائے۔

جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو جمادی الاولیٰ کی تیرہ تاریخ تھی۔ غوریان خیل علی الصبح اپنے ڈیروں سے نکل کر روانہ ہوئے، اچر کے لوگ بھی تیار دستہ بیٹھے ہوئے تھے فوراً اپنا لادشکو نیکر نکل آئے اور صفیں بنالیں۔ اسی وقت خان بچونے ملک سربراہان نیکی خیل اکوڑی کے محبت میں ملک خضر خان اور ملک بیگی محمد زئی سے کہا کہ۔

”اے محمد زئی! میرے ننگ کر نیوالے محمد زئی بھائی! بھادری پالنے اور نیکی کرنے کا یہی دن ہے۔ مجھے آپ اور یوسف زئی کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں ہے۔ ترکلانی اگرچہ بہادر لوگ ہیں مگر بہت تھوڑے ہیں، صرف دو سو سوار آئے ہیں۔ اور گلیانی اگرچہ ہمارے بھائی ہیں ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ملک محمد خان گلیانی کے قتل ہونے پر ہم سے ہمدردی نہ رکھتے ہیں لیکن مجھے ان پر بھروسہ نہیں ہے کیونکہ وہ لاف زن اور تیز زبان ہیں۔ اب محنت اور ضرورت کی دو جگہیں ہیں جو پیش آتی ہیں۔ ایک سامنے غوریان خیل سے مقابلہ کی، دوسری پیچھے سے حملہ کرنے والوں سے محافظت اور نگہبانی کی۔ اب آپ جو مقام پسند کریں اسے اختیار کر لیں، ملک خضر خان اور ملک بیگی نے ان سے کہا کہ خان اعظم ہم آپ کے غلام ہیں آپ نے ہمیں ایک کاسہ آگروہ میں خرید لیا ہے۔ (یہاں آگروہ کے کاسہ سے مراد ملک اشغر ہے) اب جو بھی مشکل خدمت ہو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ خان بچونے کہا کہ آفرین باد! مجھے آپ سے یہی توقع تھی

میں جو آپ لوگوں پر ناز کرتا تھا تو اسی دن کیلئے اب آپ سارے محمد زئی ایسا کریں کہ بجانب سہیل (جنوب) چلی جائیں اور ان نالوں اور کھنڈوں کی طرف صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور ہماری پشت پناہی کرتے رہیں۔ اگر پیچھے سے ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو آپ ان کا دفعیہ کریں اور کوئی حملہ آور نہ ہو تو تب بھی آپ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب فرمائے اور دشمن شکست کھا کر ہھاگ کھڑا ہو تو پھر آپ بھی آئیں اور ان کا تعاقب کریں۔ ان کے مارنے اور قتل کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اگر خدا نخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو پھر فی الفور ہمارے پاس پہنچ جائیں تاکہ ہمارے لوگوں کو آپ کی وجہ سے استقامت حاصل ہو جائے اور ان کی ہمت بندھ جائے“

اس ہدایت کے مطابق محمد زئی نے اپنا لشکر ایک انگ صف میں کھڑا کر دیا اور پورے خلوص نیت سے ان نالوں اور کھنڈوں کے بالمقابل صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد خان بچو کو دمجی حاصل ہو گئی۔ اور اپنے لشکر کے اہتمام میں لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ خان بچونے سارے خچی (خشی) کا لشکر سات صفوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر صفیں پیادوں کی بنائیں اور ایک صف سواروں کی بنائی اور اس ہیئت سے کھڑی کر دی کہ پہلی صف ڈھال والے پیادوں کی تھی جو برہنہ تلواریں ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھے اور پانچ صفیں ان کے پیچھے تیر اندازوں کی تھیں اور ساتویں صف سواروں کی کھڑی کر دی مگر یہ ساتویں صفیں کچھ ایسے سلیقے اور ترتیب سے کھڑی کی تھیں کہ ان کے درمیان کوئی تفاوت اور کشادگی نہیں تھی۔ اور سواروں کو بھی ان کے پیچھے اتنا متصل کھڑا کر دیا کہ سواروں کے نیروں کی انیاں پیادوں

کی پشت سے لگی ہوئی تھیں۔

کہتے ہیں کہ سوار اس صف میں اتنے زیادہ ہو گئے کہ یہ صف ان کے لئے بالکل ناکافی ہو گئی۔ چنانچہ بقیہ سواروں کو گولیموں کی صف میں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خان کجو جب یہ صف بندی کر رہے ہیں تو وہ ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار تھے اور ہر ایک صف کے آگے پھر رہے تھے اور سب کو جنگ کی تعلیم و تلقین کرتے اور کہتے جاتے تھے کہ:

”میرے بھائیو اور عزیز دوستو! غور یا خیل زور آوری، بہادری اور شجاعت میں مشہور ہیں اور سب عراقی گھوڑوں پر سوار ہیں اور ہر ایک کی کمر میں مشہد اور مصر کی بنی ہوئی تلواریں نکل رہی ہیں۔ پھر ملک بھی اُن کا اپنا ہے۔ ہمارا وطن یہاں سے بہت دور ہے اور بیچ میں ایک عظیم دریا حائل ہے۔ ہمارا ناموس (زنانہ) بھی اُس پار ہمارے ساتھ ہے۔ پس یہ وقت جہادری اور مردی کا ہے۔ اگر ہمارے قدم اکٹھے گئے اور ہم نے شکست کھائی تو ہم سب قتل ہو جائیں گے یا دریا میں غرق ہو جائیں گے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔ دنیا میں تماشابن کورہ جاتیں گے۔ عزت خاک میں مل جائے گی!“

اور دوسری بات بھی فرمائی کہ:

”ملک بار خان! موسیٰ اکوئی باقی زنی اور سلیم خان ابن سفدود ابن پوپل اور سید و جو کا پسران دلک ابن پوپل ملی زنی دولت زنی جنگ کے وقت غایت شجاعت سے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اپنی جان سے بے پردہ ہو کر

دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُن کے گھوڑوں کی لگائیں مضبوطی سے پکڑے رہیں تاکہ بے فائدہ اور بے محل دشمن کے لشکر میں گھس کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ یہ لوگ مجھے بہت عزیز ہیں۔ لشکر میں اور بھی بہت شجاع اور بہادر لوگ ہیں مگر مجھے اُن کی اتنی فکر نہیں ہے لیکن اگر خدا نخواستہ ہمیں شکست کا سامنا ہوا تو پھر اُن کو پھوڑ دیا جائے کہ جو کچھ اُن سے ہو سکے کر ڈالیں۔“

ایک بات یہ بھی فرمائی:

”گلیانیوں کے سواروں کو اپنے سواروں کے درمیان میں اور ان کے پیادے اپنے پیادوں کے درمیان میں رکھو، اس لئے کہ وہ تیز زبان ہیں کہیں بھاگ نہ کھڑے ہوں اور ہلاری صفوں میں بھگدڑ نہ چر جائے۔“

نیز فرمایا کہ:

”جب وہ لوگ یعنی غور یا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آجائیں تو ہر صف کے تیر انداز تیر اندازی شروع کر دیں۔ مگر اس طرح کہ تیر تمام صفوں کے سروں کے اوپر سے جائیں اور سوار بھی پیادوں سے ایسے مل جائیں کہ ان کے نیزے اپنے پیادوں تک پہنچ سکیں۔ پھر جب پیادے شمشیر زنی کی حد پر پہنچ جائیں۔ تب اُن سے آگے ہو کر دشمن کے سواروں سے مبارزت طلب کریں۔“

کہتے ہیں کہ خان کجو صفوں کو درست کرنے اور جنگ کی ہدایت دینے کے بعد اپنے برق رفتار گھوڑے سے اتر گیا اور اپنے آپ کو خوب مسلح اور زندہ پوش کر کے ایک دوسرے عراقی قوی گھوڑے پر سوار

ہوا اور اپنے قبیلے والوں یعنی صدوزئی مندڑ کے پاس تمام صفوں کے
دنبال میں آگیا۔ اور ملک سرابداں ملک بارخان ملک سلیم خان، سید
اور جو کا دولت زئی پل خیل ملی زئی اور کرم علی ایاس زئی سالار زئی
اور ملک بین تاجو خیل ابا خیل اور ملک خدا نداد بن یارہ خان، میرا خیل
صدوزئی مندڑ ان کے ساتھ تھے اور ہر ایک سے کہتے جاتے تھے کہ
مردانگی کا یہی وقت ہے۔ دیکھو قدم پیچھے نہ ہٹیں، بزدلی نہ دکھانا
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور آگے بڑھو اس کے بعد صفوف سب
مغرب کی جانب غوری خیل کے لشکر کی طرف بڑھیں۔ اور غوریا خیل
کا لشکر بھی ان کی طرف بڑھنے لگا۔

اس اثنا، میں میرے مہند مریم زئی جو مہند کا نامور سردار
تھا، پانچ سو سواروں کے ساتھ کھڑوں اور نالوں میں پھپھنے کی غرض
سے جنوب میں اس جگہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے خان کج کو خطرہ
لاحق تھا اور لشکر خیل، داؤد زئی، مہند اور بعض توابع مثلاً چسکئی
زیمانی، بشنواری اور نیلابی وغیرہ ملک نبی مالی زئی و ملک ہسلول
صدوزئی اور دونوں عیسیٰ زئی محمد زئی باڈوزئی خیل تھے، ان کے ساتھ
خان کج کی طرف روانہ ہو گئے۔ غوریا خیل نے خان کج کا لشکر دور سے
دیکھا تو انہیں ایک ہی صف دکھائی دی اس لئے انہوں نے بھی
اپنے لشکر کو ایک لمبی کھوکھلی سی صف میں صف آرا کیا۔ خان کج
نے جب دیکھا کہ ان کے لشکر کی صف خان کج کے لشکر کی صف سے
بھی لمبی ہے تو بہت متوجش ہوا۔ حالانکہ صفوں کی قلت و کثرت
کا اسے کوئی علم نہ تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب آئے تو خان کج
سمجھ گیا کہ غوریا خیل کا سارا لشکر ایک ہی صف ہے وہ بہت خوش ہوا

اور اپنی فتح کا اسے یقین ہو گیا اور کہا کہ غوریا خیل نے جنگ کی تدبیر
میں غلطی اور بیوقوفی کی کہ سارے لشکر کی ایک صف بنادی۔ قاعدہ
ہے کہ جہاں کہیں رکاوٹ کمزور ہوتی ہے۔ پانی اسی جگہ کو توڑ پھینک
گتا ہے اور غوریا خیل نے جب دور سے خان کج کی فوج کے پیچھے لشکر
کے غول کے غول دیکھے تو سمجھے، شاید گائے بھینسوں کے گلے میں
خان کج نے ہماری لئے سیاہی سی بنائی ہے ہمیں مرعوب کرنا
چاہتا ہے مگر جب قریب آگئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ سب فوج
بے ہر امید اپنی زندگی سے منقطع ہو گئی اور کہنے لگے کہ اتنی بے حس
افواج سے ہمارا چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ ملک خواجوا بن
بابو مندی زئی یا منڈک زئی داؤد زئی جو بڑا عالی مرتبت اور بہادر
تھا اور سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ اس نے سب کچھ
اتار کر پھینک دیا اور کہا کہ اس قدر بے پناہ لشکر سے ہماری نجات
محال ہے۔ پس کیا فائدہ کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالوں اور اتنا
بوچھڑا اٹھائے چلوں چنانچہ وہ اس طرح جنگ میں شریک ہوا اور
مارا گیا۔

یوسف زئیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا

القسمت جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ایک تیر کے فاصلے
پر پہنچ گئے تو خیل کے سواروں نے یکبارگی نچی (خشی) کے لشکر پر
گھوڑے دوڑائے۔ خان کج نے فوراً حکم دیا۔

”تیر اندازو! تیر اندازی شروع کرو تاخیر نہ کرو“

اس حکم کے ملتے ہی تمام صفوں نے یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ

کر دی۔ تیروں کی ایسی بارش ہونے لگی کہ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ تیروں کے چلنے سے فضا میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور جب فضا میں تیر ایک دوسرے سے ٹکراتے تو ایک گونج پیدا ہوتی، سواروں کے جسموں میں اتنے تیر پیوست ہو گئے کہ بعض کے بیس، بعض کے چالیس اور بعض کے تو سو سو تیر تک پیوست ہو گئے۔ اس بے پناہ تیر اندازی نے سبھوں کو اندھا کر کے زمین پر بچھا دیا۔ اکثر یوسف زئیوں کی صفوں تک پہنچ بھی نہ سکے دور ہی گھر گھر ڈھیر ہو گئے اور بعض بے خود ہو کر سڑجوں میں گر گئے اور بعض رکابوں میں پھنس کر ٹنگ گئے۔ گھوڑے انہیں گھسیٹتے ہوئے صفوں تک لے آئے، وہاں گر گئے یا مارے گئے۔ غرض یہ کہ ان پر تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے دھم و گساں میں بھی نہ تھی۔ تیروں کی ایسی بارش نہ کانوں نے سنی اور نہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھی گئی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو متی زئی خلیل کہتا ہے کہ میں نے حسن بن الیاس ابن دلک اکوزئی خواجو زئی علی زئی سلطان خیل کو بادبایہ کہتے ہوئے سنا کہ اس جنگ میں جتنے یوسف زئی گھوڑوں پر بغیر زین کے ننگی پشت پر سوار تھے، خان کچھ نے سب کو پیادہ کر دیا۔ یوسف زئی کیا بلکہ سارے نخی (خشی) کے پیادے سواروں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ہر ہفتہ پشت پر سوار تھا خان کچھ نے مجھے بھی پیادہ کر دیا۔ جس وقت غوریان خیل ایک تیر کے فاصلے پر آ گئے اور انہوں نے ہم پر پلہ بول دیا، تو ہماری طرف سے تیر برسانے شروع کر دیے گئے۔ میں نے بھی تیر اندازی شروع کی یہاں تک کہ جب غوریان خیل تلواروں کی زد میں آئے تو میں

اس وقت تک دس تیر چلا چکا تھا۔ گیارہویں تیر کی باری نہیں آئی۔ فوراً تلوار سوئنت لی اور دست بدست جنگ شروع کر دی۔ اس طرح تمام لشکر کو قیاس کر لو اور جس وقت دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا تو شمشیریوں، خنجروں، نیزوں اور کلہاڑیوں کی ایسی مار پڑی کہ میدان میں آدمیوں اور گھوڑوں کی لاشوں کے ڈھیروں کی پہاڑیاں بن گئیں۔ گھوڑوں اور آدمیوں کے جسم تیروں سے پھلتی ہو گئے تھے اور تلواروں کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہر طرف میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اقبال نے خان کچھ کو ساتھ دیا اس کا لشکر بھی بید و بے حساب تھا غوریان خیل کا لشکر اس کے مقابلے میں عشرِ عشیر بھی نہیں تھا۔ فتح و نصرت نے خان کچھ کے قدم چومے اور غوریان خیل شکست کھا گئے۔ ان کے زیادہ سوار تو پہلے ہی ہلے میں گر گئے تھے اور جو صمیم سلامت رہ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پیادوں نے پشاور کا رخ کیا۔ نخی (خشی) کے شکری اُن کے تعاقب میں تھے۔ جہاں جسے جایت تھے وہیں اُسے قتل کر دیتے تھے۔ کھیت اور راستے لاشوں سے بھر گئے مگر آذین ان کی ہمت پر خصوصاً خلیل کی ہمت پر کہ شکست کھانے پر بھی پلٹ پلٹ کر اس طرح جنگ کرتے رہے اور تیروں، تلواروں کے ایسے وار کرتے رہے کہ لوگوں کو حیرت ہیں ڈال دیا۔

کہتے ہیں کہ عین اسی وقت کرم علی ابن فتح خان ابن ہوتی علی خیل الیاس زئی سالار زئی یوسف زئی جو نہایت صف شکن اور اپنے وقت کا جنگجو تھا زہر پوش اور لوہے میں غرق تھا۔ خیل کے چند پیادوں کے تعاقب میں جب کہ وہ بھاگ رہے تھے، گھوڑا دوڑا

اسی اثناء میں ایک پیادہ نے اس کے ایسا تیر مارا کہ اسی جگہ گھوڑے سے گم کر جان بحق ہو گیا۔ اس کا گھوڑا اسی جگہ کھڑا رہ گیا اور یوسف زئی کے سوار بھی اس کے چاروں طرف اکھٹے ہو گئے۔ ناگاہ خواجہ خضر ابن چوہڑ اور شاہی ابن سید احمد اس خیل الوزی نے خواجہ زئی ملی زئی کہ یہ دونوں آپس میں قریبی رشتہ دار تھے، آگئے اور کرم علی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ مرا پڑا ہے۔ اور گھوڑا پاس کھڑا ہے اور چاروں طرف سوار بھی کھڑے ہیں۔ کہنے لگے۔

”اے نامردہ! کرم علی جیسا بہادر جوان قتل کر دیا گیا اور تم کھڑے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہو وہ تم سے صمیم سلامت پنج کر نکل گئے نہ“

سواروں نے کہا کہ یہ پیادے ایسے نشانہ باز ہیں کہ ان کے تیر کیلئے کوئی ڈھال نہیں۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ کرم علی جیسا نوجوان قتل ہو گیا اور قاتل پنج کر نکل گئے۔ ہم قوم کو کیا منہ دکھائیں گے یہ دونوں فوڑا ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اور انہیں جالیا اور یکبارگی ان پر تیر بوسا نے شروع کر دیئے۔ خیل کے پیادوں نے بھی تیر مارنے شروع کئے۔ انہوں نے خواجہ خضر کے ایسا تیر مارا کہ ڈھال میں پھیدہ کر کے پار نکل کر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ اسی طرح شاہی کے سر پر خود کو اس طرح نشانہ بنایا کہ خود سے پار ہو گیا۔ اگرچہ شاہی پنج گیا۔

ان واقعات کا واقعہ نویس خواجہ لکھتا ہے کہ میں نے شاہی مذکور کو بار بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ خیل کے تیر انداز نے اتنے زور سے تیر مارا تھا کہ میرا سر چکوانے لگا تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے

اندھیرا چھا گیا تھا مگر اسی اثناء میں دوسرے سوار بھی ہماری مدد کیلئے پہنچ گئے اور پیادوں کو قتل کر دیا اور وہ کمان جس سے شاہی کو زخمی کیا تھا کوئی آدمی ”صدوم“ لے آیا مسبدوں اور چجروں میں پھرائی گئی اور لوگوں نے اُسے دیکھا وہ کمان اتنی سخت تھی کہ کوئی شخص اُسے کھینچ نہیں سکتا تھا۔ وہ کمان سارے یوسف زئی میں مشہور تھی۔

الغرض خیل کے پیادوں پر آفرین ہو کر شروع میں ایسے تیر مارے اور ایسی تلواریں چلائیں کہ حق ادا کر دیا اور آخر میں شکست کی حالت میں بھی ایسے پھیر کھائے اور تیروں اور تلواروں کے ایسے وار کئے کہ زخمی (خشی) کے بہت سے سوار ان کے ہاتھوں ڈھیر ہو گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ خان بکو کے سر پر بھی ایک پیادے نے تیر مارا تھا جو اس کے خود کو توڑ کر سر میں چبھ گیا تھا اور خود کی وجہ سے زیادہ اندر نہ جاسکا پھر بھی سر میں ایسا پیوست ہوا تھا کہ اس کش مکش کے عالم میں اُسے کوئی زکاتنے کی جرأت نہ کر سکا نہ تیر زکاتنے کا موقع تھا اور نہ خود اُتار سکتا تھا۔ اس نے باہر کا حصہ خان بکو نے توڑ کر پھینک دیا اور کچھ حصہ خود اور سر میں اڑکا ہوا رہ گیا اور وہ اس کی پردہا کئے بغیر دن بھر لڑتا رہا۔ جب رات ہوتی ٹوہرے میں آیا تو جراحوں نے نکالا جس کی وجہ سے اُسے درد و آلم سے دو چار ہونا پڑا۔ مگر اللہ نے اپنا فضل کیا جان پنج گئی۔ سب نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خیرات اور صدقہ بھی دیا۔ داؤد زئی نے بھی اس جنگ میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ہر جگہ خیل کے ساتھ کھڑے رہے۔ کہیں بھی سپائی اختیار نہ کی۔ لیکن مہند بڑے بے کار نکلے۔ انہوں نے کچھ نہ کیا۔ سب کے سب

اپنے توابع اور ہمسایوں جیسے سرغلانی، زرخیل، چکنی، ملاگورجی، زیرانی اور شہزادوں کے ساتھ جنگ کے بغیر بھاگ نکلے اور سرہیم ہوکر نالوں میں گھس گئے۔ محمد زئی نے دوزخ ان کا تعاقب کیا اور انہیں جھگا آئے۔

محمد زئی نے ان کے بہت سے نامی گرامی سواروں کو قتل کر دیا پھر خان بکو کی خدمت میں آئے۔ خان بکو نے ان کی بہادری کے صلے میں ان پر بڑی نوازشیں کیں اور شاباش اور آفرین کہا۔ اس کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ مل کر غوریان خیل کا تعاقب کیا یہاں تک کہ پشاور شہر تک چلے گئے اور راستے میں جس کسی کو پایا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اور پھر ہر جانب سے لشکر سرہند، پشاور، شیرکوٹھی، چیل گڑھی، نوبہ اور ترم (جمروں) تک گیا اور خلیل، مہمند اور داؤد زئی کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیا اور قتل و غارت گری اور قید و بند میں کوئی کمی نہیں کی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجہ موتی زئی لکھتا ہے کہ میں نے ملک تنی ابن عبدالرحمن ابن شیخ احمد گیلیانی مغل خیل سے بارہا یہ بات سنی کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہوا تھا اور بارہ غلام اور کپڑوں کی کئی بڑی بڑی گھٹریاں اور بے شمار مویشی مال غنیمت میں لایا تھا۔ اسی پر غنی (خشی) کے سارے لشکریوں کو قیاس کر دو۔

خان بکو لشکر کی معیت میں پشاور کے مقام گود گھٹری تک ٹھہران کے تعاقب میں گیا۔ دیاں ایک بلند جگہ پر شامیانہ نصب کیا گیا۔ جس میں خان بکو نے استراحت کی۔ سارا لشکر اطراف و جوانب

میں پھیلا ہوا تھا۔ لوٹ مار اور قید و بند میں کسی نے کمی نہ کی۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد تمام اطراف میں سوار بھیج کر لشکر کو طلب کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ اب بس کرو جو ہوا سو ہوا۔ غرض یہ کہ اسی طرح فتح و کامرانی کا نقارہ بجاتا اور خوشی اور فتح و نصرت کے گیت گاتا لشکر روانہ ہوا۔ اور اسی روز عصر کے وقت اپنے ڈیرے میں ڈب کے کنارے آکر مقیم ہو گیا۔ اسی وقت شیخ جلو ابن شیخ عثمان اسخیل کو زئی خواجہ زئی ملی زئی جس کا ذکر پہلے آپسکا۔ خان بکو کے ایماء سے چند معتبر آدمیوں کے ساتھ تمام لشکر میں ہر ایک ڈیرے میں گیا اور غوریان خیل کے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو رہا کر دیا۔ اور انہیں اسی وقت لشکر سے نکال دیا رات گزارنے کی اجازت بھی نہ دی۔

الغرض شیخ جلو نے جو کچھ فرمایا تھا اور جو بات کہی تھی تمام واقعات اسی طرح پیش آئے۔ خان بکو نے وہ رات اسی جگہ گزار دی علی الصباح کوچ کر کے دریائے نندا (کابل) سے پار آ گئے۔ وہاں سے سب لوگ رغبت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں غنی (خشی) کے پانچ سو آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں زیادہ تر یوسف زئی تھے ان میں یہ چار ان کے نامور سردار تھے۔

(۱) کرم علی سالار زئی ملی خیل ایلیاس زئی

(۲) سید ابن دکن ابن پوپل ملی زئی دولت زئی منڈے زئی۔

(۳) الو ابن مانا بان اکو زئی بائی زئی مولیٰ خیل۔

(۴) غازی خان ابن خان منڈے ملک زئی۔

اور زخمیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جسے زخم نہ آیا ہو۔

کہتے ہیں کہ شیخ پتور کی جنگ کے بعد خان بکو کا درجہ بہت بلند ہو گیا۔ تمام پنجتون قویں (قبائل) اُن کی مطیع و فرمانبردار ہو گئیں اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے۔ شیخ پتور کی جنگ کے تین سال بعد خان بکو اپنے تمام لشکر کے ساتھ پشاور شہر آئے اور بگرام (پشاور) کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ قلعہ دار کا نام سکندر اور بک تھا اور ہمایوں بادشاہ کی طرف سے تازہ تازہ کابل سے آیا ہوا تھا۔ یہ قلعہ سنگین اور بہت مضبوط تھا۔ محاصرہ کے دوران قلعہ دار نے امن طلب کی اور خان بکو نے ان کو یہاں سے پُرا امن طور پر نکلنے اور چلے جانے کی اجازت دیکر متمسک ہی ہمایوں کے فوج پشاور سے چلی گئی۔ دوسری بار دریائے سندھ کو عبور کر کے سنجندہ، گھیب دیوہ کے علاقوں کو تاخت کیا، مال، مویشی لوٹے، لوگوں کو قید کیا اور بہت سے مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

تیسری بار پھر غنی (خشی) کی تمام افواج کو جمع کر کے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پچھم، ہزارہ، کورنخ، ہزارہ، مانگڑاؤ اور اس کے توابع اور مضافات کو فتح کرنے کے بعد دمتوڑ اور پکھلی کی طرف متوجہ ہو گئے جب موضع کوٹ بارہ پہنچ گئے اور پکھلی کے سلطان غیاث الدین تیرک کو ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے نفیس اور اعلیٰ سے اعلیٰ اشیاء بطور ہدیہ و تحفہ بھیجیں اور سال بہ سال اس کی پیشکش قبول کر کے ان کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔ وہاں سے واپس ہو کر ملک گگھر کی طرف روانہ ہو گئے اور جب گگھر کے سلطان آدم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بھی سلطان غیاث الدین کے طرح تحفے تحائف، بھیجے پیشکش اور اطاعت قبول کی اس کے بعد خان بکو اپنے دولت خانہ تشریف لے آئے۔

خان بکو کے ممالک متصرفہ کا ذکر

حاصل یہ کہ سارا علاقہ سمیت تاشنغر تا دریا کے لٹرا اور دریائے سندھ سارا سوات تا توروال اور تیرات، پنجکوڑہ تا نیلگ بولہ پور کے نام سے مشہور ہے اور سارا بونیر، چملا تا تنول، سارا اشنغر اور سارا دوآبہ اور سارا باجوڑ، ہندو راج تک اسمان ناوہ گئی، کونٹر اور ساری وادی پشاور کو پٹنم، خیبر، ننگر حصار، تیران، کوہاٹ اور تمام خٹک اور دریائے سندھ کے اس پار سنجندہ تا گھیب سوہان، مرگلا، گگھر اور پکھلی تک یہ تمام ممالک اُس نے منہج کر لیے تھے اور اس کے باشندے اس کے تابع و فرمان برار تھے۔ جس وقت وہ کسی مہم پر بلائے جاتے تھے۔ کسی کو حکم سے مرتابی نوکرا نذر کی مجال نہ ہوتی تھی۔ لے

دافع رہے کہ ان ممالک سے ڈیڑھ لاکھ لشکر اکٹھا ہوتا تھا۔ خان بکو نے کئی برسوں تک نہایت شان کے ساتھ حکمرانی اور سرداری کی اس کے ساتھ ہی اس سے بعض کرامات اور خوارق بھی ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھا۔ ہر کوئی اُس سے استمداد باطنی طلب کرتا تھا۔ اور اس کی دعا سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔

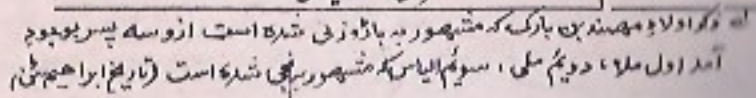
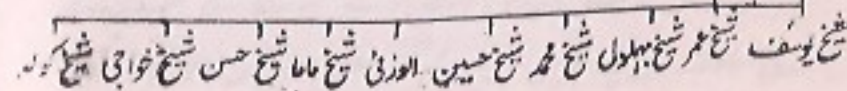
اور حقیقت یہ ہے کہ خان بکو بادشاہ ہو گئے تھے اور کئی برسوں تک سلطنت و امارت کی۔ البتہ کبھی صرف یہ تھی کہ سکھ ان کے نام کا پھلتا تھا اور خطبے میں ان کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ جب عمر رسیدہ ہو کر دیکھتے ہیں "خلاصہ یہ ہے کہ بابر اور ہمایوں کی اموات کے درمیان ۱۵ سال کے عرصہ میں دریائے سندھ کے آہ پار کا پورا علاقہ جس میں وادی پشاور کے میدانی اور پہاڑی علاقے شامل ہیں مغلوں کے زیر اقتدار نہیں رہا۔"

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِجَمِيعِ الْمَسَامِينِ وَالْمُسْلِمَاتِ
بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ .

خانکجویا خان کجو بڑا استہال مند شخص تھا۔ اس کے زمانے میں اس کا کوئی بڑا مقابل نہ تھا۔ پختون ہوتے ہوئے شیرشاہ نے بھی اس کے حدود سلطنت پر کچھ تعرص نہیں کیا۔ بعض مؤرخین اس کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں کہ خان کجو آں بود کہ دعوائے ہمسری شیرشاہ

”یوسف زئی قبائل جن کا لیڈر خان گجوت تھا، مغز اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہمایون (ہندوستان جاتے ہوئے) اس راستہ (پشاور) سے نہیں گزرا اس نے بنگش (کوہاٹ) کا راستہ اختیار کیا جو بُری حالت میں تھا“

قیس عبد الرشید (اعزازی جہ اعلیٰ قوم بخون)

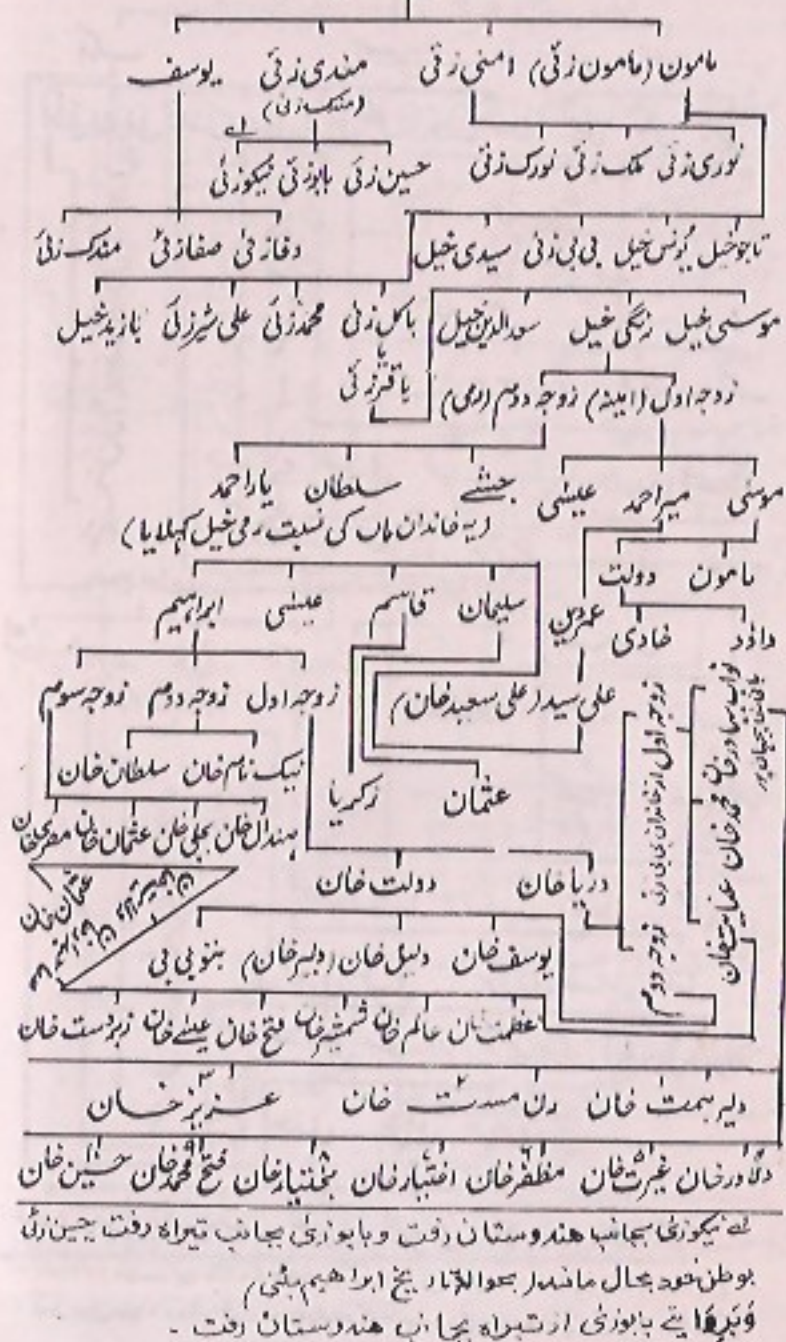


باب (۸)

خان گجو کے بعد کے حالات

۴۴

داؤدزی غوریاخیل



ملکیت ہر فرد اور قبیلے کی ہر شاخ کیلئے یکساں ہوتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ باہر سے حملہ آوروں کا آئے دن خطرہ رہتا تھا اور اس خطرے کے پیش نظر ایسی تقسیم لازمی تھی۔ اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہوتا تو تمام قوم بیک آواز مقابلہ کرنے لئے سینہ سپر ہوتی۔ اور یہ طریقہ تقسیم و تبادلہ نہایت کامیاب رہا یہ طریقہ اب تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اختتام پذیر ہوا۔

ایک معمر ترین شخصیت جناب گل بابا ہوتی خیل ملی خیل فتح خیل سالار زئی موضع بازاوگی بوئیر ضلع سوات کے بیان کی مطابقت یہ تبادلے ایسے منظم طریقہ پر کئے جاتے تھے کہ ہر کنبہ گھسہ پھوڑتے وقت ایک معین وزن کا گوندھا ہوا آٹا اور پکے ہوئے سالن کی بانڈی پھوڑ جاتا تھا تاکہ نوآباد ہونے والے کنبہ کو پہلے وقت کا کھانا با آسانی میسر ہو سکے۔

خان گجونی وفات پائی تو یوسف زئیوں نے متفقہ طور پر علی الترتیب علی اصغر المعروف ملک مصری خان، غازی خان ملک کالو خان اور بہا کو خان کو یکے بعد دیگرے اپنا سربراہ مملکت منتخب کرتے رہے۔ جن کے حالات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

مصری خان

علی اصغر المعروف ملک مصری خان بن محمد بابا بن جلال خان ملی خیل سالار زئی الیاس زئی کو خان گجو کے بعد پہلا سربراہ بنایا گیا۔ جسے اپنے دور میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں شیر شاہ افغان کے ہاتھ کارکھا ہوا بنیاد آخری سانسوں میں تھا۔ اور ہمایوں دوبارہ تخت ہندوستان حاصل کر رہا

تھا۔ یوسف زئیوں کی تاریخ میں اس دور کو امن و چین کا دور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ ملک مصری خان کو ایک بار پھر اپنی قوم کو نہایت بہت جرات اور قابلیت سے منظم کرنیکا موقع ہاتھ آیا۔ ملکی ترقی کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ ہوئی اور ہلکسی حیل و حجت کے یوسف زئی اپنے علاقہ سے نکل کر دریائے سندھ پار چھوڑ اور ہزارہ میں آباد ہونے لگے۔ وسعت علاقہ کے ساتھ ساتھ اسے قبیلہ کے فلاح و بہبود کے اقدامات کا بھی خیال پیدا ہوا۔ اور قلت آب کے پیش نظر انہوں نے جگہ جگہ ذخیرہ ہائے آب کا انتظام کیا۔ پانی کے تالاب تعمیر کرائے۔ یوسف زئیوں کو مختلف طغیوں میں تقسیم کیا۔ جسے وہ اپنی اصطلاح میں تپہ کہتے تھے اور جو اب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے۔ جسے تپہ بائی زئی تپہ دانی زئی۔ تپہ سالار زئی تپہ رنڈر اور تپہ امان زئی وغیرہ۔ علاقہ یوسف زئی کی سرحد اُس وقت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اپنی اس سرحد کے تحفظ کیلئے انہوں نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں، راستوں میں ٹکڑوں کا منظم نظام بھی علاقہ یوسف زئی میں اسی دور میں ہوا۔

علی اصغر المعروف ملک مصری خان کے معتمدین اور مشیروں میں ملک ہندال بن علی خان شہوزئی خواجہ زئی، ملک متہ خان بن شرف بن شاہ بیگ ابانیل اکو زئی، ملا ابراہیم بن شیخ کنبو بے برہان ایوب خیل ایاس زئی سالار زئی، ملک ترکیال بن شمشک بے جہانگیر بن منی عمر خیل صدوزئی منڈر اور ملک بامان بوکا بن دلک منڈے زئی دولت زئی ملی زئی بیان کئے جاتے ہیں۔

ملک مصری خان کی قبر مقام سخی کوٹ، ملک متہ کی قبر موضع کلیا زئی بوئیر میں۔ ملا ابراہیم کی قبر موضع چیدہ میں اور ملک بامان کی قبر بوئیر کے موضع کلیا زئی میں واقع ہیں۔

انخون دروینہ اپنی تصنیف "نذرہ" میں لکھتے ہیں۔
 "بعد علی اصغر را این مردم یوسف زنی بر خود بادشاہ گرفتہ
 انقضتہ در میان سرداران این اولس پیچ کدام پندار فتنہ و
 ظفر برابری علی اصغر نیافتہ"

ہمایون کی وفات پر عثمان سلطنت شہزادہ اکبر کے ہاتھ لگی اور
 اس نے جلال الدین اکبر کے نام سے ہندوستان پر حکومت شروع کی
 اسے بہترین ساتھی اور کارکن مل گئے۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی اس
 کے تعلقات صرف خوشگوار ہی نہیں بلکہ ان میں نشادیاں کرنے کی
 وجہ سے بہت ہی قوی اور گہرے تھے جس کی وجہ سے اس کا ہر قدم
 ترقی کی جانب اٹھتا رہا۔ بابر، کامران اور ہمایون کوئی ایک بھی یوسف
 زئیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا تھا۔ اس لئے یوسف زئیوں کے
 حوصلے اور بلند ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے شاہراہ ہندو کاہل پر دست
 درازیاں شروع کیں۔ اکبر گذشتہ دور کے حالات سے واقف تھا۔
 اور اس کی حکومت بھی مضبوط ہو چکی تھی۔ اسی دوران مغلوں کیخلاف
 افغانوں میں ایک جدید تحریک روشنائی نے جنم لیا۔ جس نے تمام افغان
 قبائل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تحریک کا بانی بایزید انصاری تھا
 بایزید کا خیال یہ تھا کہ افغانوں کی سلطنت پھر بحال ہو اور مغلوں کی
 حکومت پائمال ہو۔ پہلے پہل اس تحریک کو سچلے کیلئے مقامی علماء
 کام بیگیا۔ مذہب کے نام پر اس کی مخالفت ہوئی۔ لیکن تحریک کو
 سخت دھکا لگنے کے باوجود اس کے پیدا کردہ جذبہ کو جو مغلوں کیخلاف
 تھا نہ مٹایا جاسکا تو مغل لشکر نے یلغاریں شروع کر دیں۔ یوسف زئیوں
 میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ مندر قبائل کی اکثریت نے تحریک
 روشنائی کی حمایت کی جب کہ بہت سے یوسف قبائل مخالفوں کی طرف راہ

میں نبرد آزما دکھائی دینے لگے۔ اس طرح یوسف زئی قبائل آپس میں
 گتہم گتہا ہو گئے، بقول ابراہیم عطائی "مغلوں کی طرف سے سید علی
 ترمذی اور انخون دروینہ افغانوں کے درمیان ایسے لوگ تھے جن کے
 مغلوں کے ساتھ قدیمی دوستی اور نسلی تعلق بھی رہا تھا اور وہ ان
 کی حکومت کے طرفدار بھی تھے۔ چنانچہ طبعی طور پر ان کو پیر روشن
 کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ افغان پیر روشن کے
 طرف اور کچھ انخون دروینہ کے طرف ہو گئے اور داخلی جنگ شروع
 کی۔ ان جنگوں میں ہزاروں افغان آپس میں مارے گئے اور مغل
 حکمرانوں کا جو مقصد تھا وہ انہیں بخوبی حاصل ہو گیا۔"
 (دہلیوستان مسئلہ مطبوعہ کابل)

مولوی ذکا، اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

"مخالف یوسف زئیوں نے (انخون دروینہ کی راہنمائی میں)
 شیخ عمر (جو بایزید کا بڑا بیٹا تھا) پر ہارہ میں دریائے سندھ
 کے مغربی کنارے پر آخری حملہ کیا اس کو شکست دی
 اور اسے اور اس کے بھائی نیر الدین کو مار ڈالا۔ شیخ عمر کے
 لاش کو جلا کر خاکستر بنایا۔ اس کو اور بایزید کی بیٹیوں کو دریا
 میں پھینک دیا۔ (ساتھ ہی ان کے حمایتی یوسف زئیوں
 بھی شکست خوردہ ہو کر مصلحتاً خاموش ہو گئے) بایزید
 کے بیٹوں میں نور الدین کو گوجروں نے مار ڈالا۔ سب
 سے چھوٹا بیٹا جلال الدین مخالفین کی قید میں آیا (جسے
 اکبر بادشاہ کو بمقام ایک حوالہ کیا گیا) تسم بیٹوں میں
 یہ ایک ہی بیٹا بچا جو اس وقت پودہ برس کا تھا۔
 بادشاہ نے جلال الدین کی بڑی خاطر داری کی مگر یہ شوخ

بے باک لڑکا بادشاہ کے دم میں نہ آیا۔ اور موقع پاکر
بھاگ کر تیراہ میں جا پہنچا جو سب سے زیادہ روشنائیوں
کے لئے مامن تھا۔ اُس نے تیراہ میں بیٹھے بیٹھے بنگش
آخری اور درکنی قبائل سے اخلاص پیدا کیا۔

(اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

الفرض یوسف زیموں کے سمجھدار لوگ ہرگز مایوس نہ تھے۔
جیسا کہ ایک مشہور شاعر گل احمد ساکن مرغز (صوابی) کے اشعار سے
ظاہر ہے۔ جسے یہاں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جنہٗ د آزادے لہ ہمیشہ زلمی و تلی دی

دایہ و پی غنچے دکھون پرون کھلتی دی

بازگہ د اغیار پہ مکمل ناست دکتور خط نشہ!

مونہ د ذہکا پہ غو غو باتوران ورلہ ساتلی دی

اقبال کا ایک شعر اچانک یاد آیا جو اس موقع کیلئے مناسب ہے

کہ درج کروں۔

سے شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

پُرم ہے اگر تو، تو نہیں خطرہ اُفتاد

یوسف زیموں کا دوبارہ اتحاد

یوسف زیموں میں ایسے مخلص اور باہمت افراد کی کمی نہیں تھی۔
جو اس باہمی جنگ و جدل کے باعث اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے تھے
لیکن طرفین کی ہمہ گیر تحریکات کے سامنے بے بس تھے۔ اُن کے لئے
سوائے اس کے کہ خاموشی سے موقع و محل کا انتظار کریں اور کوئی
چارہ کار نہ تھا۔ انہی افراد میں ملک کا لوخان ولد علی خان المعروف

رستم ابن مبارک بن مہلول جو یوسف زئی کے قبیلے دزڈ کی ذیلی
شاخ مانی زئی سے متعلق تھا، قابل ذکر ہے۔ واضح ہو کہ اس دوران
مصری خان وفات پا چکا تھا۔

جنگ موضع بینئ اور اُس کے بعد دوفلن درہ اور بارہ میں جب
تحریک روشنائی کی طاقت ٹوٹ گئی اور اُس کے اُس وقت کے قائدین
بشمول ملا میر و بن سلیمان بن بازید امان زئی مندر میدان جنگ میں
کام آئے۔

ضروری ہے کہ جلدی مضمون کے پورا ہونے سے قبل ملا میر کے
متعلق کچھ ذکر کیا جائے۔

”علاقہ یوسف زئی میں روشنائیوں اور ان کے مخالفین میں جو
آخری جنگیں ہوئیں۔ اس میں ملا میر کو خاص اہمیت حاصل رہی، بانی
کے خلیفہ کی حیثیت سے ملا میر وہی راہنمائی کر رہے تھے ملا میر المعروف
حسن پیر کی قبر موضع ہاجا تحصیل صوابی کے مشرقی جانب ایک قیم
قبرستان میں یعنی گورنمنٹ کالج کوٹھ کے قریب سامنے بطرف
مغرب واقع ہے۔ میر و اسم اور ملا خطاب ہے جسے قطب الزمان
شیخ میر ولد افغان خلیل متی زئی ترکی قدس سرہ نے حصول علم کے
اختتام پر بمقام لاشوڑہ باجوڑ میں دیا تھا۔ جو اس کا شاگرد رشید تھا۔

اور حسن پیر کا خطاب اُسے بانیہ انصاری (جسے ان کے پیر و کار پیر
روشن سے پکارتے تھے اور مخالفین پیر تاریک سے یاد کرتے تھے)
نے دیا تھا۔ ملا میر ویا پیر حسن کی اولاد پیر خلیل سے مشہور ہوئے۔
اس کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ میر ویش، پیر و انقرہ دین،
جانہ اور عیش۔ جن کے ناموں کے نسبت سے علی الترتیب اُن
کی اولاد ان ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ میر ویش خیل پیر و خیل۔

نقرۃ ین خیل، جان خیل اور عیسویں - یہ لوگ تپہ امان زئی علاقہ
نگرئی مہابن اور نیز تحصیل مردان میں بمقام سدوم و شہباز گڑھ سکونت
پذیر ہیں۔ میروس کا قبر قصبہ مردان کے مغرب میں چار سہ
مردان سرگ کے جنوبی کنارے مٹی کے ایک ٹیلے کے اوپر ہے جو
اس کے نام کی نسبت سے یہ مقام میروس ڈھیری سے مشہور ہے۔
انقرض ۹۸۹، بحری بمطابق ۱۵۸۱ عیسوی میں ملا میرو کے وفات
اور ان کے شکست پر حبیب منل شکر نے تمام علاقے کو خراب و
برباد کیا تو ملک کالو خان نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسف زئیوں
کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش شروع کی۔ چنانچہ جنگ مینی دغان در
اور بارہ کے بعد یوسف زئیوں کو برباد ہوتے دیکھ کر اُس نے اپنے رفقا
سے مشورہ کیا اور شملہ یوبن روس، بابو بن سیفو بن نصرت اباخیل منڈ
میروس بن ملا میرو وغیرہ ایک جوگہ مرتب ہوا۔ جس نے علاقہ یوسف زئی
کا دورہ شروع کیا۔ لوگوں کو اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی تعلیم و
تلقین کرتے اور کہتے تھے مینی اتفاق کے فوائد اور اختلاف کے سبب
تباہی و بربادی کو سامنے رکھ کر اپنی قوم کو سمجھاتے رہے اور اس
مصرع کو اکثر اوقات میں دہراتے رہے۔

د مغلو چیاؤ بنہ دے نہ پھ کو رکبں حدام جنڈ

نچے لے سہے بنہ دے نہ پھ خپو کبں پزار تنڈ

اذا کیں جوگہ اور ملک کالو خان کی حیثیت چونکہ غیر جانبدار تھی اس
لئے قبائل منڈ اور یوسف دونوں نے اُن کی گفتگو کو بغور سنا، اور
اپنی خدا داد ذہنیت کی بدولت جلد ہی انہوں نے عوام کو اپنا گرویدہ
بنالیا۔ درس آٹا اکبر اعظم نے بھائی عبد الیکم جو کابل کا حکمران تھا، سے
کشکمش کے دروان یوسف زئی کے ادا کیں جوگہ سے اس سردار ملک

کالو خان کو نو شہرہ تھکانہ سے اپنے ہمراہ آگہ لے گیا اور اس
کی کافی عزت و خاطر تواضع کی مگر وہ مطمئن نہ ہو سکا اور بھاگ نکلا
راستہ میں ایک کے مقام پر پہچان کر اکبر کے ایک کاردار شمس الدین
خانی نے گرفتار کر کے پس آگہ بھجھ دیا۔ اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر
بھی اُسے عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا۔ لیکن وہ پھر بھاگ
نکلنے میں کامیاب ہو کر اپنے قبیلے میں جا پہنچا۔

ملک کالو خان کے متعلق انون دروینہ نے یوں لکھا تھا کہ۔

”اذا ملک کالو خان اہل سنت والجماعت است و لکھن
در مسلمات مار آید“

یعنی کالو خان آدمی بُرا نہیں مگر افسوس کہ وہ ہمارے
صلاح و مشورہ میں نہیں آتا۔ یعنی خطرناک ہے۔

غازی خان

ملک کالو خان کی عدم موجودگی میں یوسف زئی قبائل نے متفقہ
طو پر اپنا سربراہ غازی خان بن اللہ داد بن برت علی شیر خیل نوری زئی
ملی زئی کو منتخب کیا جو نہایت مدبر اور جنگجو تھا۔ قسمت نے ساتھ
نہ دیا اور جلد ہی اس نے اکبری فوج کے ساتھ معرکہ ماجوڑ میں جاں
شہادت نوش کیا۔

انون دروینہ اپنی تصنیف تذکرہ میں یوں رقم طراز ہے۔

”ایں مردم (یوسف زئی) غازی خانے ملی زئی را بر خود باشاہ
گرفتند آقا عقیدہ نیر تا یک را بر خود دوز کردند۔ تا او شہادت
شہادت چشیدہ از سرداران این اولس بیج کدام از غازی
در دیانت و صلاح و دین داری بہتر معلوم نہ شد، چہ عالم

عابد عادل بودہ در امور دین و دنیا - بعد ازاں چوں
طبیعت پیر تاریکی اختیار کرد ہمہ گی اوس بقید زین فنا افتادہ

ملک کالو خان

غازی خان کا سربازی کے دوران ملک کالو خان دوبارہ آگرہ سے
واپس اپنے قبیلے میں پہنچ گیا تھا اور وہ بھی جنگ باہوڑ وغیرہ میں
غازی خان کے ہمراہ شریک تھا۔ چونکہ اکبر کے اُسے آگرہ لیجائے سے
قبل ہی وہ اپنی قوم کو اعتماد میں لے چکا تھا۔ اور قوم کو یکجا کرنے
میں اس نے کافی ہنگ و دو اور محنت کی تھی اس لئے غازی خان
کی وفات پر قوم نے متفقہ طور پر جنگ کے دوران ہی ایک عام اجتماع
میں کالو خان کو بمقام سولت (دستار) سربراہ مملکت منتخب کر کے اس
کی دستار بندی کی اور جب اُسے قوم کی قیادت ملی تو سرباز دست مغلوں کی
مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگا۔ اس نے مغلوں کے خلاف
قوم کو ابھارا تو وہ جنگیں ہوئیں جن میں خود مغلوں کے قول کے مطابق
ہزاروں لشکری مارے گئے اور اکبر کے محبوب وزیر راجہ بیربل کی لاش
ملک کا پتہ نہ چلا۔

بیربل کے ساتھ خواجہ عرب بخش، ملا شیر اور کئی دیگر قابل ذکر
درباری بھی اس جنگ میں قتل ہوئے۔

مغل مؤرخ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں کہ

”دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر جنگ بارہ میں شیخ عمر
کے قتل کے بعد جب اکبر بادشاہ نے یہاں (ملک یوسف پور)
بورش کی تھی۔ تو یوسف زئیوں میں سے جو کلاں تو تھا وہ
لابگوری کر کے جب فرسا ہوا تھا اور پہلے اپنی بدکاری سے

شرمسار ہو کر پیمان پرستاری استوار کیا تھا۔ ان میں سے
کالو پر بادشاہ نے عنایت کر کے سب سے زیادہ سرفراز
کیا مگر تھوڑے دنوں میں بغاوت کر کے یہ قوم پھر اپنے
آئین سابق پر مائل ہوئی۔ راہ زنی اور خلق آزاری پر مگر
باندھی اور دار الخلافہ سے ”کالو“ بھاگ گیا خواجہ شمس الدین
خوانی نے نواحی ملک سے دستگیر کر کے بادشاہ کے پاس
بھیجا۔ بادشاہ نے بجائے پاداش کے اس پر نوازش فرمائی۔
لیکن پھر وہ بھاگ گیا اور اپنی پہلی ہنگامہ میں پناہ لی اور
یوسف زنی زمینداروں کی سرکشی کا بھی سبب ہوا۔ کالو خان
پر بادجو دیکھ بادشاہ نے بہت نوازش کی تھی مگر وہ بھاگ
کر شورش غشوں سے جا ملا اور دمغار سوات میں انقلاو
نے اُس کو اپنا سردار بنایا اور کوہ مورا کو وہ روانہ ہوئے۔

بادشاہ نے بہت سے سپاہ اور افسروں کا زین خان کو کلتاش
کو سپہ سالار بنا کر اور غریب خان جہانی کو بخشی بنا کر روانہ کیا تاکہ
یوسف زنی کو سزا دیں۔ ۲۵ دی ۹۹۳ھ کو قزلباش و ضیا الملک اور
سپاہ کو سرکردگی شیخ فرید بخش کو روانہ کیا وہ ایک عمدہ تاخت
کر کے اٹا چلا آیا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ دشت کا کام بہت
سخت ہے۔ مناسب ہے کہ ایک فوج اور نامزد ہو تاکہ شانتہ
طور پر قوم یوسف زنی کی بیخ کنی کی جائے۔ اس لئے بادشاہ نے مزید
لشکریوں اور افسروں کو جانی کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم بہمن کوہ سرکردگی
سعدیان اور ملک الشعراء فیضی اور دستر خواجہ و شیخ ابوالبرکات
اور دیگر افسروں سمیت یوسف زنی کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے اور
بادشاہ نے ان کو ہدایت کی کہ اگر بڑی بڑائی خود نہ کر سکیں تو ہم کو مطلع

کہیں۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو ایک تازہ لشکر بیربل کی سرکردگی میں روانہ کیا۔
(استبالی نامہ اکبری جلد پنجم)
یہ جنگ ۹۹۴ھ میں لڑی گئی لشکر کی بہتات اور محاذ جنگ کی طوالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اُس میں دربار مغلیہ کے مشہور ترین افراد شامل تھے۔ منل فوج کا ایک حصہ چکدرہ سے دوسرا علاقہ سدھوم اور تیسرا صوانی اور موضع سلیم خان سے اقدام کر رہا تھا منل لشکر کی کمان زین خان کو کر رہا تھا جو کابل سے باجوڑ کی جانب سے حملہ آور ہوا تھا۔ ابتدا میں اُس نے بڑی بہت دکھائی۔ لیکن یوسف زئی اس بے جگری سے لڑے کہ زین خان کو کہنے لگا کہ شاہ سے جس کا شاہی کیمپ اُنک کے مقام پر تھا مزید کمک بھیجنے کے درخواست کی۔ شاہ نے بیربل اور حکیم ابوالفتح کی قیادت میں تازہ دم لشکر روانہ کیا۔ یوسف زئیوں نے اس شدت سے تمام محاذوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ شاہی لشکر سرسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا۔ یوسف زئیوں نے تعاقب کیا۔ بیربل پہاڑوں میں گھسایا۔ یوسف زئی اُس پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ شاہی لشکر کو تیس تیس کھڑا۔ اور بقول مؤرخ ملا بدایونی (جو اکبر کا کاتب تھا) شاہی لشکر کے آٹھ ہزار یا اس سے زیادہ افراد قتل ہوئے۔ جن میں بیربل بھی شامل تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منل فوج کی تعداد جو اس جنگ میں کام آئے باؤں ہزار تھی۔ اس جنگ کا حال منل اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔
پنانچہ ماثر الدر جلد دوم میں تحریر ہے کہ:-

تیسویں سال جلوس اکبری ۹۹۴ھ میں زین خان کو کہ یوسف زئی قبیلے کی تنبیہ کیلئے مقرر ہوا جو باجوڑ اور سوات کے علاقے میں آباد

ہے۔ بادشاہ نے راجہ بیربل کو بھی مدد شکر کے بھیج دیا اس کی امداد کیلئے حکیم ابوالفتح کو بھی ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ افغانوں نے حملہ کر کے سرکاری فوج کو تباہ و برباد کیا۔
آگے یوسف زئیوں کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:-

”جس سال کہ اکبر بادشاہ مرزا حکیم کی تنبیہ کیلئے اس نواح میں پہنچا تو پہلے ہی اس قبیلے یوسف زئی کے بڑے سردار بادشاہ کے خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ”کالو“ پر بادشاہ کی نظر عنایت ہوئی۔ لیکن وہ دارالخلافہ آگرہ سے فرار ہو گیا۔ خواجہ شمس الدین خوانی نے اُنک کے نواح میں اس کو گرفتار کر لیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ سزا دینے کی بجائے اس پر نوازش ہوئی۔ لیکن وہ دوبارہ فرار ہو کر اپنے گھسکاٹے پر پہنچ گیا اور سرکشی شراذگیزی میں دو ستر زمینداروں (سرداروں) کا رہنما ہو گیا۔

زین خان کو کہ منل پہلے ولایت باجوڑ میں پہنچا کہ جس کے جنوب پشاور اور مغرب میں کابل کے پرگنات ہیں۔ اس قبیلے یوسف زئی کے تیس ہزار گھر وہاں آباد ہیں۔ اس نے ان کے بہت سے آدمیوں کو سزائیں دیں۔ غازی خان اور مرزا علی اور اس قوم کے دوسرے سردار پناہ طلبی کے بعد زین خان کو کہ منل سے ملے۔ سخت لڑائیوں کے بعد دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے پکدرہ میں جو کہ اس ولایت کے درمیان واقع ہے ایک قلعہ بنوایا۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے تیس مرتبہ فتح پائی۔ سات سنگر ٹوڑے، قوافر کی پہاڑی اور ولایت بونیر کے علاوہ تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ پہاڑوں میں پھرنے سے فوج پریشان ہو گئی تھی۔ اس لئے زین خان کو کہ نے مدد کی درخواست کی۔ اکبر بادشاہ نے راجہ بیربل

اور حکیم ابوالفتح کو ایک دوسرے کے پیچھے تعینات کیا۔ مشورے کے وقت کوک نے کہا کہ سرکشوں کی تنبیہ کیلئے تازہ دم لشکر روانہ کیا جائے۔ میں درمیانی علاقے کی نگرانی کرتا ہوں۔ یا تم چکدر میں ہیں۔ مینا اختیار کرو اور میں پہاڑوں میں رہنے والوں کو سزا دیتا ہوں۔ راجہ بیرل اور حکیم ابوالفتح نے جواب دیا کہ ملک کو لوٹنے کا حکم ہے حفاظت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ سب متفق ہو کر ان کو سزا دیں۔ اور پھر بادشاہ کے حضور میں چلیں۔ مختصر یہ کہ کوک چکدر میں رہ گیا اور راجہ بیرل اور حکیم دونوں قراقو کے اسی راستے سے جو نشیب و فراز سے پُر تھا چلے گئے، اور کوک بھی بارل ناخواستہ چکدر سے روانہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہوا۔ اس کے بعد ہڑنگ درے میں جنگ ہوئی اور مغل لشکر کا سامان لوٹ لیا جاتا تھا۔ جب وہ ملندی کی پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے تو دین خان کوک فوج کے آخری حصے کا سردار ہو گیا۔ افغان دہاتے ہوئے چلے آئے تھے مجبورا جنگ کوئی پڑتی تھی۔ افغانوں نے ہر طرف سے تیر اور پتھر برساکر مقابلہ کیا۔ مغل فوج پریشان ہو کر پہاڑ کے بلندی سے نیچے اتر آئے۔ اس افراتفری میں ہاتھی گھوڑے ایک دوسرے سے مل گئے اور گر پڑے اور بہت سے لوگ ضائع ہو گئے۔ کوک نے چاہا کہ وہ جان نثاری کرے۔ جانش بہادر نے اس کے قریب پہنچ کر اس کو واپس کر لیا۔ کچھ دور راستہ بھول کر پیدل چلا۔ اور پھر منزل پر پہنچا۔ جب یہ شہرت سنی کہ افغان پیچھے سے آ رہے ہیں تو بہت پریشان ہو کر بے وقت چل پڑا۔ سرکاری فوج اندھیرے کیوجہ سے راستہ چھوڑ کر دروں میں گر پڑے، اگرچہ افغان مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ دوسرے روز وہ لو

جو راستہ بھول گئے تھے۔ ہلاک اور ختم کر دیے گئے۔ راجہ بیرل بہت سے آدمیوں کے ساتھ جن میں سے پانچ سو آدمی بادشاہ کے روشناس تھے۔ اس بے راہ روی میں مارا گیا۔ اس بارے میں ایک اور مؤرخ اپنی تصنیف مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں:-

”مصاحب دانشور راجہ بیرل دریا میکہ محمد اکبر بادشاہ در (صوبہ کابل بود۔ بیرل را ازاں جا ہمسراہ زین خان کوک کہ بجانب سواد باجوڑ کہ بنگاہ یوسف زئی است فرستادہ بود و مدتہ بایشان جنگ و جہل داشت تا آنکہ سنہ نہ صد و نود و چہار ہجری (۹۹۴ھ) بابیادی از مردمان کار آمد۔ اذین سانحہ تابو روز بادشاہ هیچ طعام نخوردند و ملاشیری نیز ہمدردیہ معہر مقتول شد۔ شمس الدین خانی (اکبر کھ مغل افسر) لکھتا ہے کہ:-

”چالیس چالیس ہزار آدمی مارے گئے اور لشکر میں ایک بھی زندہ نہیں بچا۔ یہ شکست سواد کے پہاڑوں میں ہوئی اور جن دروں میں واقع ہوئی ان کا نام کوک اور ملندی لکھا ہے۔ بادشاہ کے روشناس بہت تلف ہوئے خصوصاً راجہ بیرل کے مرنے سے طرح طرح کے رنج بادشاہ کو ہوئے، ایک رات دن کھانا نہیں کھایا۔ بادشاہ کو اس کے برابر کسی امیر کے مرنے کا غم نہ ہوا وہ افسوس کرتا تھا کہ اس کا جسم نہ ہاتھ لگا کہ آگ میں جلایا جاتا مگر اپنے دل کو اس طرح تسلی دیتا تھا کہ وہ سب قیود سے آزاد اور مجرّد تھا اس کیلئے نیر اعظم (سورج) کی تابش پاک کو نیوالی دکھائی ہے۔ بادشاہ قلعہ اکہ میں

مقیم تھا۔ جب بادشاہ نے شکر اور اپنے اخلاص نہاں
کے مرنے اور شکست پانے کا حال سنا تو خود بادشاہ
کا ارادہ اس ملک میں جانے کا ہوا لیکن اخلاص گزینیوں
کے کہنے سے اس یورش سے باز پانا

(اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

یہ حالات ہونیر محاذ کے تھے اب محاذ خدخیل پر ایک نظر
ڈالتے ہیں۔ علاقہ خدخیل جہاں ایک دوسرے کے قریب تین پہاڑی
درے ہیں۔ پختار سے دو میل کے فاصلہ پر کالو خان کے نام کی نسبت
سے کالو درہ ہے۔ جہاں یوسف زئیوں نے اپنا کیمپ نصب کیا تھا
اُن کے مقابل نوگرام کے قریب مغلوں نے اپنا لشکر جمع کیا تھا جو
ان کے نام کی نسبت سے مغل درہ پکارا جاتے لگا۔ ان دونوں کے
درمیان ایک تیسرا درہ ہے جہاں مغلوں اور یوسف زئیوں میں جنگ
ہوئی وہ جنگ درہ پکارا گیا، یہاں پر یوسف زئیوں نے وہ پور دکھائے
کہ مغل لشکر کیلئے راہ فرار ہی باقی نہ رہی اور وہ ارد گرد کے علاقہ
میں بھاگ کر نوگرام، نانچی اور شیر درہ وغیرہ کی پہاڑیوں میں جا
برباد ہوئے۔ اس بربادی کی تاریخ ۲۶ فروری ۱۵۸۶ء بیان کی
جاتی ہے۔ شاہی کیمپ انک سے مزید شکر راجہ ٹوڈر مل اور راجہ
مان سنگھ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت یہ تھی۔ کہ
یوسف زئیوں کے اقدام کو روکا جائے۔ لیکن جب یوسف زئی
کی ہزیشن جنگی نقطہ نظر سے محفوظ نظر آئی تو مان سنگھ کو کابل
جا۔ کی ہدایت ہوئی تاکہ وہ وہاں افغانوں اور روشنائیوں کا قتل
عمر کرے اور وقت ضرورت اکبر کیلئے امداد و اعانت کا بندوبست بھی
کرے۔ دوسرا اقدام اکبر نے یہ کیا کہ یوسف زئیوں کا داخلہ زیریں

علاقہ میں بند کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ضرورت زندگی سے تنگ آکر
یوسف زئی اطاعت قبول کر لیں گے۔ لیکن اس کا نتیجہ اس کے خیال
کے برعکس نکلا۔ یوسف زئی اپنی ضروریات بزور بازو حاصل کرنے لگے
ان کی کربندی کو مؤثر بنانے کیلئے اکبر نے موضع ہنڈ میں فوجی چوکی
قائم کی۔ مذکورہ ہنگامہ آرائی کے بعد بھی یوسف زئیوں کے خلاف
مسلل شکر کشی جارہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

عہد اکبری پر ایک نظر

مغل فرمانروا شہنشاہ اکبر کی افغانوں کے ساتھ لڑائیاں

مغل درباری مؤرخین کے زبانی از مولوی ذکا، اللہ دہلوی سے
مصنف تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری کی تمہید
(صفحہ ۵۲۷) کا خلاصہ پیش خدمت ہے:-
”شہنشاہ اکبر نے توران کے باب میں جو پالیسی اختیار کی
تھی۔ اس نے افغانوں کے ساتھ لڑنے کا وقت مقرر کر دیا۔ گوکہ
وہ ابتدائی سبب اس لڑائی کا نہ ہوئی۔ عبداللہ خان دالسی توران کی
قوت روز افزوں کے سبب سے تاخیر ہوئی۔ جب اکبر کے
توجہ شمال مغرب کی طرف ہوئی تو افغانستان میں ایک مذہبی طوفان
اٹھ رہا تھا اور افغان قومی تحریک پورہی تھی اور وہ ایسی قومی
تھی کہ اکبر کو اس کا روکنا ناگزیر اس لئے تھا کہ توران کوئی خوفناک
حملہ نہ کرے۔ چھپیس برس پہلے سے افغانستان میں ایک نیا
مذہب روشنائی پھیل رہا تھا۔ اس فرقہ کا بانی بایزید انصاری تھا۔

وہ افغانستان میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پنجاب کے جالندھر میں۔ ہارنے جب افغانستان کی سلطنت لی ہے اس سے ایک سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ بایزید کا خیال یہ تھا کہ افغانوں کی سلطنت پھر بحال ہو اور افغانستان میں مغلوں کی حکومت پائمال ہو۔ اس کا باپ عبداللہ کافی گرام میں رہتا تھا۔ یہ مقام کوہستان افغانستان میں دو دریاؤں گوہل اور کورم کے درمیان ہے۔ یہ دونوں دریا دریائے سندھ میں ملتے ہیں۔

بایزید کے خیالات کی بلند پروازی کے سبب سے قوم مہمند کے سردار سلطان احمد نے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہاں افغانوں میں اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کا وعظ سنایا اور ان کو خرید کیا۔ مگر جب اس پر عرصہ گزرا تو تاجیک کے سنی ملّا (انخوندرویزہ) نے اس کا ناک میں دم کیا۔ (کابل) دریا کے دہانے کنارہ جنوب مشرق میں غوریاخل اقام رہتی تھیں اور دریا کے بائیں کنارہ اشغزی میں محمد زئی رہتے تھے۔ بایزید کو بڑی کامیابی ہوئی اور یہ لوگ اس کے کپے چیلے ہو گئے۔ وہ خود اور اس کا بیٹا کلید (کلہ ڈھیر) میں عمر زئیوں کے درمیان مقیم ہوئے یہ ایک خیل اشغزی ہے۔ گو ملّا تاجک (انخوندرویزہ) نے اس سے نفرت کی مگر افغانوں نے اس سے رغبت کی، غرض اب وہ دونوں دین و دنیا کا راہنما بن گیا مذہبی و ملکی معاملات کا پیر و مرشد ہو گیا۔ اب پیر جی کو بھی الہام ہونے لگا۔

مریدوں نے اس کو پیر روشن کہا۔ وہ قرآن کے اسماء بیان کرنے لگا۔ اس نے ایک کتاب غیر البیان تصنیف کی، جس میں اپنے مذہب کے مسائل قرآن و حدیث کے موافق بیان کئے گئے۔ مگر ان کو اس کے

مخالف (انخوندرویزہ وغیرہ) قرآن و حدیث کے مخالف و متضاد جانتے تھے۔ اور ان کو زندہ دغا کہتے ہیں اور اُسے پیر تاریک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آگے لکھتا ہے کہ:-

”مرزا ابغ بیگ کابل کے زمانہ سے اولس یوسف زئی کو ایک لاکھ سے زیادہ تھے، کوہستان کے دشوار گزار کی آڑ میں ہمیشہ راہ زنی کرتے اور شاہی مسافروں کو طرح طرح کی گزند پہنچاتے۔ کابل کے مرزبانوں میں یہ قدرت نہ تھی کہ ان کی مالش کرتے۔ ہندوستان کے حکمرانوں کو بھی اپنے کاموں کی کثرت اور تنگ حوصلوں کی ہمنما بنی نے اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ ان دنوں اکبر بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ یہ قوم مردم آزادی اور تباہ کاری سے باز آئے اور فرمان پزیری اور خدمت گزاری اختیار کرے اور ملک سواد و بجزوغہ ان بدکاروں سے پاک ہو جائے لیکن اولس یوسف زئی اپنی مضبوط دفاعی مقامات اور بادشاہی لشکر کی شکست کے سبب سے زیادہ کسر ہو گئے تھے۔ ہرچند کہ اس کو سنرا دیجاتی تھی مگر وہ اپنی راہ زنی اور بدکاری سے باز نہیں آتی تھی۔ یوسف زئیوں کی مالش میں سپاہ شاہی پیہم کوشش کرتی تھی مگر یوم استواری سے غالب نہیں ہوتی تھی۔

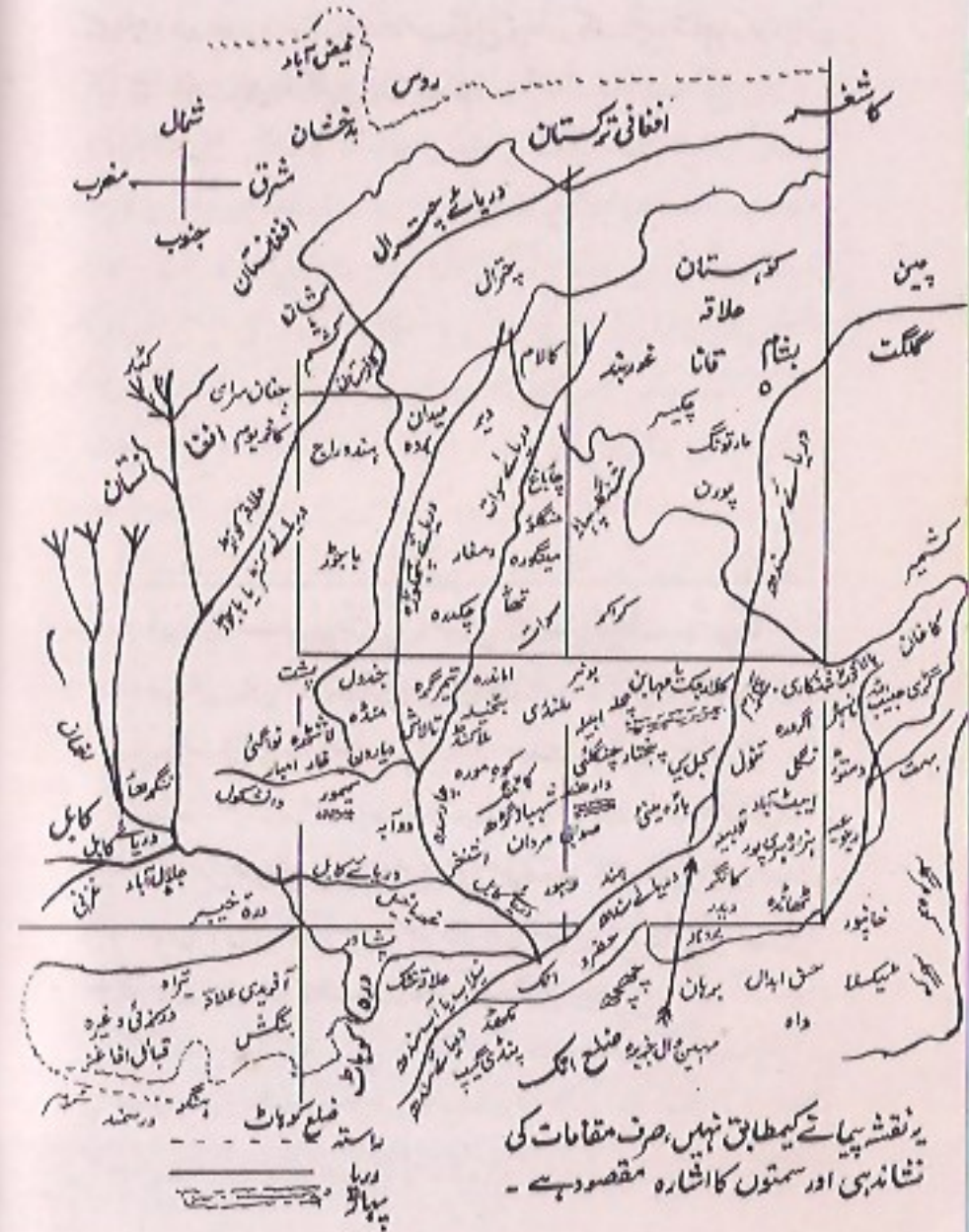
۹۹۶ھ میں جلالہ روشنائی منغل سپاہ سے جب تنگ ہوا تو وہ تیراہ سے یوسف زئی کی بنگاہ میں چلا گیا اور انہوں نے اس کو اپنے ہاں جگہ دیدی۔ روشنائی افغانوں اور یوسف زئی مل کر آمادہ پیکار ہوئے۔ اولس گگیا نی اور محمد زئی بھی روشنائی افغان اور یوسف زئی کے ہمدستان ہوئے اور بگرام کے نزدیک محمد قلی نریمان

کے پیچھے پڑیں تاکہ اس تمام ملک پر ان کو غلبہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلالہ پھر تیراہ چلا گیا اور یہاں اپنا قائم مقام اپنے خویش وعدت علی کو چھوڑا۔ وعدت علی جلالہ کے خویش نے یوسف زئی کی مدد سے ۱۰۱ھ میں قلعہ کنشان اور کچھ حصہ کافروں کی ولایت کا بھی فتح کر لیا تھا۔ شاہی فرمان صادر ہوا کہ اب وعدت علی کو پانچمال کوٹنا چاہیے۔ بادشاہی لشکر اچانک کافربوم میں شاہزادی راہ سے آئے اور موضع کندھی کہار میں دریائے بچور (کنڑ) کا پل باندھ کر اُتے۔ یہ دریا ستر گز چوڑا اور بہت گہرا وُتند تھا۔ خواجہ شمس الدین خانی کو اس پل کی پاسبانی اور راہ کی ایمنی سپرد کر کے لشکر آگے جاکر غنیم سے آٹھ کوس پر پہنچے۔ دس جگہ دشمنوں نے سنگ چیں بنائے تھے۔ اور ویاں سے ٹپتے تھے۔ سو کہ چند آدمیوں کے ساتھ جاکر منزل گاہ کی تلاش میں لگا اور تختہ بیگ، سعید خان اور سعید علی عرب ہر آدل بنا کے آگے بھجے کہ خفیہ طور کسی عمدہ جگہ بیٹھیں اور لڑائی نہ لڑیں یعنی اپنے کو ظاہر نہ ہونے دیں لیکن ان کو دیکھ کر افغانوں نے ان کے سر پر ہجوم کیا ناچار لڑنا پڑا۔ انہوں نے غنیم کو چار دفعہ پرے بٹا دیا۔ سو کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جلالہ جن سے ہراول کو تقویت ہوئی۔ سخت لڑائی اور نقصان عظیم کے بعد وعدت علی چند آدمیوں کے ساتھ پرتکشیب میں گیا۔ دشمن شکست کھا کر پراگندہ ہوا اور قلعہ کنشان اور دیگر بہت آباد جگہیں بادشاہی لشکر کے ہاتھ آئیں۔ کچھ افغان چغان سرا کی طرف بدخشاں روپ چلے گئے تاکہ دریائے بچور (کنڑ) سے گزر کر کافروں کی زمین میں جاکر پناہ لیں۔ بادشاہی لشکر نے تیز دستی کر کے اس طرف کا پل توڑ دیا۔ ناگزیر یوسف زئی کے سرداروں

حاتم، بابا علی، ہندال اور حسین نے قاسم خان (منغل السر) سے پناہ مانگی۔ غنیم کے چار سو آدمی مارے گئے۔ بادشاہ کی طرف سے تیس آدمی مارے گئے۔ اور ٹیڑھ سوز خمی ہوئے۔ لیکن قاسم خان کے مرنے کے بعد پھر ان افغانوں نے سترابی کی اور ابک خیبر شاہراہ کو نایمن کیا۔ (اقبال نامہ اکبری جلد پنجم)

ابو بابا علی بن سرگن ماموزی راقم الحروف روشن خان بن محمد زمان خان کابارہویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہے، غفر اللہ لہ بابا علی کا منار موضع چاد باغ سوات میں پر دیسی بابا کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان کی اولاد موضع لوانکلی تحصیل صوابی میں آباد ابو بابا علی خیل کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔ ان کی اولاد میں رحیم خان بن میر بن امیر خان ایک نامور اور اہم شخصیت کے مالک گزرے ہیں۔

علاقہ پشاور یا گندھارا



یہ نقشہ پیانے کی مطابق نہیں صرف مقامات کی نشان دہی اور سمتوں کا اشارہ مقصود ہے۔

مختصر یہ کہ اکبر کی تمام کوششیں افغانوں کو مطیع کرنے کے سلسلہ میں ناکام رہیں۔ اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک جاری رہا۔ عہد اکبر کے متعلق میجر راورٹی نے یوں اظہار خیال کیا ہے کہ:-

”مقتل و خونریزی اور ملک کی تباہی و بربادی کے باوجود ان افغان قبائلی علاقہ میں مغل کسی وقت میں بھی مستقلاً اپنے پاؤں جما نہ سکے اور نہ ہی کسی وقت ان تھاق کو ضبط تحریر میں لانے کے قابل ہوئے اس وجہ سے ”آئین اکبری“ کی کوئی ایک جلد بھی مکمل نہیں کہلا سکتی۔“

یوسف زئی اور خٹک

خٹک:- یہ افغان قبیلہ کرلائی کی ایک شاخ ہے اور دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہے ایک تورمان جس کی دو ذیلی شاخیں ہیں۔ توری اور ترکی۔ اور یہ دونوں مل کر توری کہلاتے ہیں جو خوشمال کا قبیلہ ہے۔ سرابلاق جو سانغری، نندرک اور مروزی کہلاتے ہیں۔ پھر ان کی بہت ذیلی شاخیں ہیں۔ ابتداً خٹک جنوبی وزیرستان میں آباد تھے اور بعد میں علاقہ کوہاٹ اور موسی درہ میں جا کر آباد ہوئے۔ شیخ علی کی تقسیم میں نوشہرہ سے خیر آباد تک کا علاقہ غوری یا خیل خیل، مہند اور داؤد زئی کا مشترکہ طور پر چراگاہ کی صورت میں رکھا گیا تھا اور ان کی با قبضہ علیت تھی۔ مغلوں نے ان کے اس علاقہ پر قبضہ کر کے خٹکوں کے حوالہ کیا۔ واقعوں تھا کہ ۱۵۸۱ء میں اکبر نے بغرض حفاظت شاہراہ پشاور و کابل، چند آدمیوں کو الگ بلا کر ان کو شاہراہ افغانستان کی حفاظت کے بارے میں کہا انہوں نے اس کام کیلئے ملک اکوٹے ابن چنچو کا نام بتایا جو اس وقت وہ چند

آدمیوں کے ہمراہ ایک سے جانب جنوب مغرب ایک پہاڑ میں قیام کر دیا تھا۔ اکبر نے اسے بلایا اور راستے کی حفاظت اُن کے سپرد کی، اور نیز ملک اکوڑے کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا۔ ملک اکوڑے خشک کے ذیلی قبیلہ تری سے تعلق رکھتا تھا۔ حفاظتِ راہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے ملک اکوڑے نے ایک مرکز قائم کیا تو گاؤں آباد ہوا جو اس وقت بھی اس کے نام کی نسبت سے سرائے اکوڑے یا اکوڑی سرائے کہلاتا ہے۔

یوسف زئی چونکہ مغلیہ سلطنت کے سخت مخالفت تھے اور خشک منغل کے وفادار بن گئے اسی سبب سے یوسف زئی اور خشک کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا۔ بدقسمتی سے بہت جلد خشک کے دونوں قبیلوں تری اور بلال میں خانگی معاملات کے سلسلہ میں کشمکش پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے بڑے یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ساغر سے نندرک اور مردنی ہلاتوں جن کی قیادت ملک نازو ساگری کر رہا تھا، کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ ملک اکوڑے کے بعد قیادت اس کے بڑے بیٹے یحییٰ خان کو ملی تو اس نے باپ کا بدلہ لینے کیلئے ہلاتوں پر حملہ کر دیا۔ وہ مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے یوسف زئیوں کے علاقہ میں جا پہنچے اور پناہ لینے کی درخواست کی۔ ملک کالو خان اور اراکین جو کہ یوسف زئی نے ہمدردانہ طور پر انہیں پناہ دے کر ان کو دو حصوں میں تقسیم و آباد کر دیا۔ ایک حصہ علاقہ مندڑ کے مواضعات لاہور غری، جلے، جلے، نندرک، مانجھی، جہانگیر اور تور ٹھہر وغیرہ میں آباد کیا گیا تو علاقہ انہی کے نام سے بلال نامہ پکارا گیا۔ دوسرے حصہ کو قبیلہ یوسف نے تپہ بائی زئی کے دیہات کٹی گڑھی، کالنگ، جال گڑھی، ساوڈھیر، کوٹنگ

میاں عیسیٰ، لونڈ خور، الو، تازہ گرام، قطب گڑھ، دونڈیا، شیر گڑھ، ٹوگلی جنگی ٹھہر، سرو بے، قاسمی، وغیرہ میں آباد کر دیا گیا۔ جہاں وہ اس وقت تک آباد ہیں۔

مگر کسے معلوم تھا کہ بلال کے یوسف زئیوں کی یہ خوش اخلاقی اور فیاضی اُن کیلئے تری خشک کے ساتھ موجب نزاع بنے گی۔ اور یہی ہوا کہ بعد میں تری خشک منغلوں کے امداد اور طاقت سے ہمیشہ یوسف زئیوں کیلئے درد سر بنے رہے۔ الغرض ہلاتوں کے اس نئے دیہات پر جہاں تری کے قریب تازہ تازہ پناہ لے چکے تھے، تری خشکوں نے حملہ کیا۔ یوسف زئی امداد کو پہنچنے، سخت جنگ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک یحییٰ خان اور اس کا بیٹا عالم خان دونوں بلال اور یوسف زئی کے مشترک دشمن کے ہاتھوں اس جنگ میں واصل بحق ہوئے۔ منغل حکومت نے یحییٰ خان کے بیٹے شہباز خان کو سردار قبیلہ تسلیم کیا۔ وہ بھی اپنے پیشروں کے نقشے قدم پر چل کر ہلاتوں پر حملہ آور ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حملہ میں کامیاب ہو کر بلال کے سردار خادی خان کالڑ کا جلیٹی جلسی کے قریب مارا گیا۔ ملک خادی خان اور فرید خان بلال کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ جنہیں پشاور کے قید خانہ میں بند کر کے تہ تیغ کر دیا گیا۔ حالات یہ نہ تھے کہ ملک کالو خان کی وفات کے بعد یوسف زئیوں کی قیادت بہا کو خان اور تری خشکوں کی قیادت شہباز خان کر رہے تھے، تیاری کر کے شہباز خان نے اچانک بہت زیادہ طاقت کے ہلاتوں پر جلیٹی، جلسی اور مانجھی کے دیہات پر حملہ کر دیا۔ تو بہا کو خان کی قیادت میں یوسف زئی اُن کی حفاظت کیلئے پہنچ گئے۔ یوسف زئیوں اور بلال خشکوں نے مل کر تری خشکوں کو شکست دی اور جہانگیر تک جا پہنچے شہباز خان کا لشکر تباہ ہوا اور صرف وہ مع اپنے اٹھارہ سار بڑے

خوشحال خان کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ نکلنے کا میاب ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شہباز خان نے پھر حملہ کیا اور اس دفعہ اس نے یوسف زئیوں کے تپہ کمال زئی کے ایک گاؤں کو نذر آتش کر دیا یہ واقعہ ۱۰۵۰ھ میں پیش آیا اس حملہ میں خوشحال خان، اس کا بھائی جمیل بیگ اور ایک برادر زادہ ساقی بیگ ولد آدم خان ساتھ تھے، مقابلہ ہوا، ساقی بیگ مار گیا۔ شہباز خان و خوشحال خان اور جمیل بیگ زخمی ہوئے بلکہ ایک سوار بھی ایسا نہ رہا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ اختتام جنگ کے چوتھے روز شہباز خان زخموں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو گیا۔

شہباز خان کی وفات پر مغل حکومت نے خوشحال خان کو قائد قبیلہ تسلیم کیا۔ خوشحال خان نے زخموں سے چالیس دن بعد صحت یاب ہو کر رات کے وقت اچانک کمال زئیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان کے ایک گاؤں ایتیم کو جو اسماعیل سے مغرب کی جانب تھا، نذر آتش کر دیا۔ اس وقت اس گاؤں میں کمال زئی کی ذیلی شاخ اکاخیل رہائش پذیر تھے۔ وہ سب تباہ ہو گئے۔ کمال زئی، امان زئی اور رزڑ امداد کیلئے دوڑے تو خوشحال خان اپنا شکریہ ادا کر کے واپس ہو گیا، مگر بلو کے مقام پر یوسف زئی پہنچ کر ایک اور جنگ ہوئی جس میں خوشحال خان نقصانہ عظیم کھینچا تھا بشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

البتہ ان جنگوں میں خوشحال خان کے ہاتھوں یوسف زئی کے دو نامور اشخاص یعنی ملک جانم امان زئی مارا گیا اور (مردان) پیر کمال جو اولاد پیر مدے سے تھا اور قبیلہ کمال زئی کا ملک تھا، گرفتار ہوا۔ (بحوالہ کتاب یوسف زئی اشاعت چہارم)

چھپر خانی کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ جیسا کہ عہد بہا کو خان میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ خوشحال خان نے ۱۱۶۸ھ میں قید سے رہائی

کے بعد قلعہ لنگر کوٹ کے تعمیر کی مخالفت کی اور یوسف زئیوں سے تعلقات کو معمول پر لانے کی فکر میں تھا۔ اور بعد میں یوسف زئیوں کے علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے سوات تک جا پہنچا۔ یوسف زئی عزت و احترام سے پیش آئے لیکن اظہار اعتماد نہ کر سکے۔ تو ان کی مذمت میں شنوئی سوات لکھ کر واپس لوٹ گیا۔ بعد میں خوشحال خان اور اس کے بیٹے بہرام خان کے آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو نتیجہ کے طور پر خوشحال خان نے مواضعات سوڑی زئی، ڈنگر زئی، شیدو اور نرے کو نذر آتش کر دیا مگر ناکام ہو کر واپس ہوا۔

اورنگ زیب نے اوائل ۱۱۶۴ھ میں اپنے بیٹے شاہ عالم کو پشاور کی طرف بھیجا تو اس نے خوشحال خان کو دعوت ملاقات دی خوشحال خان نے موقع بخیر غنیمت جان کر تمام مخالفت کو نظر انداز کر دیا اور شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ پشاور سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں غلعتیں عطا ہوئیں اور جلال آباد سے رخصت کیا اور اُس کے بیٹے سکندر خان کو شہزادہ اپنے ہمراہ کابل لے گیا۔

خوشحال خان مطمئن تو ہو گیا، تاہم جو اقتدار وہ کھو چکا تھا وہ خود خٹکوں کے ہاتھوں اُسے دوبارہ نہ مل سکا۔ اس کے دوہرے بیٹے بھی ہمنوائی نہ کر سکے۔ قبیلہ کی حمایت وہ پہلے ہی سے کھو چکا تھا مؤخر یہ کہ شاہ عالم کے ملاقات کے بعد اُس نے مغلوں کی خلاف کوئی حرکت نہ کی البتہ خانہ جنگی میں بندھا رہا اور اپنے چچوں، بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھوں پریشان ہو کر تیراہ کی راہ لی اور مجبوراً اپنا وطن چھوڑ کر مقام ڈوبہ میں مقیم ہوئے اور سنہ ۱۱۸۹ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۷۸۹ء کو وہیں فوت ہوا اور اس کی لاش کو موضع ایسوری نزد ریلوے اسٹیشن کوڑھ خٹک

پیرد خاک کیا گیا۔ یہ تھا مختصر احوال خوشحال خان، جس نے بیٹوں پوتوں، بچوں، اہل خاندان، قبیلہ تری خشک کے بے مروتی و بے وفائی اور اورنگ زیب بادشاہ کی ناقدری کا داغ دل پر لے کر دوسروں کے گھر میں ناپڑوسی کی حالت میں وفات ہوا۔

بہا کو خان یوسف زئی

اکبر اعظم کی وفات پر عنان حکومت شہزادہ سلیم نے محمد نور الدین جہانگیر کے نام سے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء تک حکمران رہا۔ اس کی حکومت کے دوران حالات جوں کے توں رہے اس کے ابتدائی دور میں ملک کالو خان نے وفات پائی تو یوسف زئیوں کا اقتدار بہا کو خان کے ہاتھ آیا۔

جہانگیر کی وفات پر اس کے لڑکے شہا جہان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد میں مقابلتاً امن رہا۔ اور یوسف زئیوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش وسیعی ہوئی، حکومت مغل نے یوسف زئی کے ذیلی قبیلہ خدوخیل صدوزئی مندر کے مشہور بہادر سردار بہا کو خان کو یوسف زئی کے علاقہ کی دھڑت وصول کرنے کا اختیار تسلیم کر لیا تھا۔ مقامی روایات ان تعلقات کو یہاں تک خوشگوار ظاہر کرتی ہیں کہ ایک موقع پر بمقام بابو دیری عمر ہی امان زئی یوسف زئیوں نے شاہ جہان کی دستار بندی کرتے ہوئے اسے اعزازی طور پر اپنے قبیلہ میں شامل کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بہا کو خان نے جب شہا جہان کے اعزاز کو قبول کیا تو شہا جہان نے فرمانِ تقرر کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم کا گھوڑا جس کے زین پر سونے کی گلدھاری بیکٹی تھی، بطور تحفہ ارسال کیا تھا۔ ان حالات

کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ عہد شہا جہان میں بڑی حد تک مغلوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے۔ جس کا بانی اور محرک شہا جہان کا ڈاراشکوہ تھا۔

بہا کو خان نے اپنی زندگی کی ابتدا عہد جہانگیر میں کی تھی۔ اس کے عہد شباب میں ڈوما جو اس وقت حسن زئی اکاڈی ملاخیل مخوزئی اور چھترئی بابوزئی جنکی خیل غری خیل، چوگا، کانا، غوبند، شام چکیر اور پورن کا موجودہ پہاڑی علاقہ ہے، پر ستاری النسل قوم ڈوما حکمران تھی۔ جو اس قدر طاقت ور تھی کہ جب یوسف زئی مردان سوات اور اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہا کو خان نے انھوں سالاک کے اشتراک سے حکومت ڈوما کے خلاف شکم کشی کی۔ اور بالآخر وہ علاقہ ان سے خالی کر لیا انھوں سالاک ایک افغان بزرگ تھا جس نے مذہب کے نام پر اپنے معتقدین کی ایک جمعیت پیدا کر لی تھی۔ اور جذبہ جہاد سے کشاد قبائل بوق در بوق اس کی جمعیت میں شامل ہونا شروع ہوئے۔ حتیٰ کہ ایک پورا شکم دکھائی دینے لگا۔

تاریخ مرصع اور تحفۃ الاولیاء کے مطابق انھوں سالاک اصل میں طوغہ کے تھے۔ طوغہ افغان اصل میں تہین ہیں۔ ان کے والد ماجد علاقہ خٹک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ انھوں سالاک اکثر ان کی زیارت کیلئے جاتے تھے۔ انھوں پنچو کے ایماء اور ہدایت کے سبب انھوں سالاک علاقہ یوسف زئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا شب دروڈ یہی شغل رہتا تھا۔ بہت سے ملک اور قلعے ان کی برکت سے کفار سے خالی ہو گئے۔ تاریخ مرصع نے آگے چل کر لکھا ہے

”شاہجہان نے اخوند سالاک کے نام ایک پیغام بھیجا۔ جس میں یہ آیت تحریر تھی۔

أطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وأولوالامر منکم
مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ باغی ہیں۔ اس میں آپ قیام نہ
کریں بلکہ شاہی علاقہ میں آکر رہیں۔ غرض یہ تھی کہ وہ
علاقہ یوسف زئیوں کا تھا۔ اور یوسف زئی چونکہ بہادر
قوم ہے۔ کہیں انہیں اپنا بادشاہ نہ بنالیں۔ اخوند سالاک
نے جواب میں لکھا کہ یہ لوگ اگرچہ آپ سے باغی ہیں
مگر خدا سے باغی نہیں ہیں۔ میں اور یہ روز و شب کفار کے
مقابلہ اور غزائیں مصروف رہتے ہیں۔ آپ بادشاہ
ہیں۔ اگر امداد دے سکو تو بہتر وارنہ مجھے کیوں دورے جاتے
ہیں۔“

انغرض بہاکو خان نے علاقہ ڈوما حاصل کرنے کے بعد یوسف
زئیوں میں اپنے جہر کے فیصلہ کے مطابق تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد
اس نے عہدہ شاہجہان میں دوبارہ دہلی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ بدین
وجہ نوشہرہ خان خشک سے جو اس وقت دوبارہ مغلیہ سے منسلک
تھا، کشمکش میں اضافہ ہوا۔

بہاکو خان کے شاہجہان کے رڑ کے دارالخسکہ سے قریبی تعلقاً
تھے۔ نوشہرہ خان سمجھ گیا کہ اگر بہاکو خان کو دوبارہ میں قربت حاصل
ہوئی تو ہو سکتا ہے کہ یوسف زئیوں کے جس علاقہ پر وہ اپنا اقتدار
قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس میں کمی آجائے چنانچہ اس نے شاہجہان
کو یوسف زئیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ اسی دوران جب

حبیب خان بن بلخیر پرک زئی اکاذنی جو بہاکو خان کا رفیق کار تھا،
نے شورش پیدا کی تو نوشہرہ خان نے کابل پہنچ کر شاہجہان کو اس
طرف متوجہ کیا اور شاہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسے یوسف زئیوں
کے علاقے پر اقتدار بخش دے۔ شاہ نے اسے یوسف زئیوں کے
علاقہ کے نظم و نسق سنبھالنے کے فرائض تفویض کر دیئے اور اس
نے واپس آکر تنگ و دو شروع کی۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی
اور حبیب شاہجہان افغانستان سے واپس لوٹا اور حقیقت حال دریا
کی تو خوشحال خان تے بتایا کہ یوسف زئی بہت منظم ہیں اور
ان کی طاقت بھی بہت زیادہ ہے، ان کو قابو کرنے کیلئے کم از کم
ایک سال کا عرصہ درکار ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ بہاکو
حبیب، کاچو، ظریف، حمید اور کچے جو سرداران یوسف زئی ہیں۔
کی سرکوبی کیلئے اسے شاہی لشکر کی امداد ضروری ہے، شاہ نے
 وعدہ کیا مگر بعد میں دارہ شکوہ نے مخالفت کرتے ہوئے کوئی
عسکری امداد نہ دی۔

اختلافات کا اصل سبب

بقول ایک محقق ”عہد اکبر میں تری خشکوں کے قائد ملک اکوڑے
ولد بنجو کو حفاظت شاہ راہ کابل (یعنی اکھ سے پشاور تک) کے
ذمہ داری سونپنے سے یوسف زئی اور تری خشکوں میں مستقلاً دشمنی
کی بنیاد رکھ دی گئی تھی لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا
مگر بدقسمتی سے بہت جلد خشک کے دونوں قبیلوں تری اور ہلاق
میں کشمکش پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے بیٹے
یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ایک جنگ میں ساغر کی

شاہ جہان کا فرمان اہا کو خان کے نام



زید الشاہ والاعیان قدوہ لہما ان الاقران بہا کو یوسف فی بنایت
شاہی مخدوم سہمی بودہ۔ بداند کہ عرضہ داشتی کہ دینو لاجناب لیاں باب
ارسال اشد بود از نظر کیا اثر گذشت و مضمون کن امرض والا رسید پور
باب خرمی التماس نمودہ بود حکم میشو کہ در بسیار است نامہ دین وقت ازینجا
بیدن زربا و متعذر است باید کہ خاطر بہ ابواب جنی و اشد جمعیت
شانہ بانو و گرفتہ روانہ حضور پر نور شود کہ بعد از دریافت عادت
عازمت کیا نہایت بہ قدر کہ خواہد ہست باہر عزت نوایم مسود
زود خود را با جمیعت شانہ بحضور برساند از رفتن غایت خلوت
فاخرہ باہر عزت فرمودہ ایم بطلان آن مخدوم سہمی خواہد شد
تحریر آئی ۲۰ ذی قعدہ ۱۰۹۶

نندک اور مرد زنی بلاقوں (جن کی قیادت ملک نازو ساگری کر رہا تھا)
کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ لہذا جلاوطن ہو کر بلاق نے علاقہ یوسف زئی
میں پناہ حاصل کی۔ جس سے تری خشک ناراض ہو گئے کہ یوسف زئی
نے کیوں بلاق کو پناہ دی۔ نتیجہ یہ کہ بھائی کے ہاتھوں بھائی قتل
ہونے لگا۔ یوسف زئی اور تری خشکوں میں مسلسل میدان کارزار
گرم رہا۔ اور اس رزم گاہ میں خون کا ہر قطرہ خواہ وہ یوسف زئی کے
جسم سے گرہا تھا یا خشک کے جسم سے، مغل مقاصد کی آبیاری کرتا
رہا۔ اس کشمکش کے دوران میں عثمان سلطنت شاہ جہان کے ہاتھ
لگی تو وہ طبعا اس کشت و خون کو پسند نہ کر سکا چنانچہ کابل جاتے
ہوئے اس نے خوشحال خان خشک سے دریافت کیا کہ وہ کیوں ہر وقت
یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما رہتا ہے۔ جو ابا ا سے بتایا گیا کہ
یوسف زئی چونکہ دربار مغلیہ کے باغی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی سرکوبی
لازمی ہے۔ (بحوالہ اللہ بخش یوسفی)

شاہ جہان کے بعد اورنگزیب اور دارا شکوہ میں حصول تخت کے
لئے رسہ کشی ہوئی تو بہا کو خان نے دارا شکوہ کی اور خوشحال نے اورنگزیب
کی حمایت کی اور جب پتہ چلا کہ دارا شکوہ ایک پیہنچ رہا تھا تو بہا کو خان
جسے اُس وقت علاقہ چھچھ اور قلعہ انگ پر اقتدار حاصل تھا۔ اسے
انگ کے مقام پر تمام کشتیوں کے پل پر قبضہ کر لیا۔ خوشحال خان
(اپنے خشک مع اپنے چچا فیروز خان کے) اور شاہی لشکر مقابلہ پر آیا
شدید جنگ ہوئی۔ بہا کو خان زخمی ہوا اور اس کا بھائی مسید خان مارا
گیا۔ اورنگزیب کو کامیابی ہوئی اور سرسیر آرا کے سلطنت ہوا۔

اس دوران بہا کو خان علاقہ چھچھ میں مقیم رہا اور کچھ عرصہ کے
لئے چھپر چھاڑ نہ ہوئی تاہم فریقین تیاریوں میں مصروف رہے۔

کچھ عرصہ بعد اور نگریب نے شکر کشی کا فیصلہ کیا۔ الگ پار سے بھی شکر کشی ہوئی، کابل سے بھی امداد پہنچی۔ مرکز سے بھی فوجی امداد کا ملنے کا پوری طرح بندوبست کیا گیا۔ ادھر یوسف زئی بھی کیل کاٹنے سے لیس مقابلہ کیلئے تیار کھڑے تھے۔ شاہی لشکر نے ان کی تعداد کے پیش نظر اقدام کرنے کی بہت نہ کی اور دیلئے ہر جولانیس پور علاقہ چھپچھ کے قریب ہے، پر مزید لگ پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس انتظار میں پورے دو ماہ گزر گئے۔ آخر کار ہندوستان سے شاہی لشکر کو امداد پہنچی تو جنگ کا آغاز ہوا۔ اور موضع ہارون، حضور اور علاقہ چھپچھ کے مقامات پر سخت فیصلہ کن جنگ لڑی گئی۔ جنگ نے طویل پکڑا۔ کافی مشکل شکاری مارے گئے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

گنڈاپور راولپنڈی ضلع ۱۸۶۵ء میں کرنل کرمیکرافٹ کمشنر و مہتمم ہندوستان یوں رقم طراز ہے کہ:-

”حضور چھپچھ کے میدانی علاقہ کے زیادہ آبادی والے حصہ میں ایک بڑا شہر ہے۔ یہ پٹھانوں نے آباد کیا اور قبیلہ یوسف زئی کا صدر مقام رہا ہے۔ یہاں ایک بہت بولناک جنگ ہوئی تھی۔ ہندوستان سے ایک بڑا لشکر ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر بری طرح شکست کھا کر تشریف لے دو ہزار لاشیں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔“

بہا کو خان نے بھی مصلحتاً اپنے لشکر کو دریائے سندھ کے پار مقام تور ڈیہر، جلسی، لاہور اور ہندو وغیرہ لاکھ ڈیرے جمائے کچھ عرصہ طرفین کا پھر تیاریوں میں مصروف گزرا اور آخر کار مغل لشکر نے دریا پار کر کے شمشیر خان کی قیادت میں بڑی شدت سے حملہ کیا، بہا کو خان نے موضع ہند سے ہٹ کر پنج پیر، زیدہ، کھنڈہ، شاہ منصور اور مرغز

کے ملحقہ آبادیوں پر مورچہ بندیاں مضبوط کیں اس دوران شدید جنگ لڑی جاتی رہی۔ فصل تباہ اور آبادی برباد ہوتی رہی۔ لیکن طرفین کے امدادوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ مزید تازہ دم لشکر یکسر سوات اور باجوڑ سے اکوڑی، ترکانی اور اتمان خیل آئے اور تیراہ سے کچھ آفریدی اور مہمند بھی اس جنگ میں کود پڑے اول تو شاہی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ لیکن جلد ہی اس نے سنبھل کر حملہ کیا تو یوسف زئی شاہی لشکر کے قریب مورچوں کو خالی چھوڑنے پر مجبور ہوئے جن پر شاہی لشکر نے قبضہ کر لیا مگر جنگ جاری رہی۔

ادھر جنگ ہو رہی تھی ادھر شاہی دربار سے سیاسی چالیں جاری تھیں۔ جنگ کے ساتھ یوسف زئی قبائل میں صلح کے نام سے نفاق پیدا کرتے اور انعام و اکرام کا لالچ بھی کام کر دیتا تھا۔ اس دوران محمد امین گوندز کابل تازہ دم لشکر یکسر نمودار ہوا۔ اس نے اپنی چال بازیوں سے یوسف زئیوں کی طاقت کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ انعام و اکرام، امن اور صلح کے لالچ میں یوسف زئی کے ایک ذیلی قبیلہ کو جنگ سے جدا کھڑا کر دینے میں کامیاب رہا۔ معلوم رہے کہ اس سے قبل اس نے لشکر کے ایک حصے کو یوسف زئیوں کو خوفزدہ کرنے کی خاطر شہباز گوندز کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اور دوسرے حصے کو باجوڑ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ شہباز گوندز کو برباد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ مغل لشکر کی وہاں کے تمام موشیوں کو بھی اپنے ساتھ ہانک کر لگئے۔

باجوڑ کی طرف اقدام کرنے والے لشکر کی قیادت محمد امین خود کر رہا تھا۔ اس نے سوات میں داخل ہو کر کئی مقامات کو برباد کر ڈالا مگر یوسف زئیوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے گھبرا کر واپس ہند کے سیمپ میں آگیا۔ یہاں پہنچ کر مغل سرداروں نے یوسف زئیوں

کے ساتھ صلح کرنے کا آپس میں مشورہ کیا۔ اس لئے کہ اس جنگ کو ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے اور انہیں سوائے بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اور نگزیب نے طاقت و تدبیر سے کام لیتے ہوئے اس جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ابھر کے دود کی وہ بربادی بھی اُن کے پیش نظر تھی جو زین خان اور سیریل کو پیش آچکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یوسف زئیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا مغل لشکر نقصان عظیم اٹھا کر دریائے سندھ اور دریائے کابل عبور کر کے واپس چلے گئے اور اس طرح مغل حکمرانوں کا یہ مقصد کہ جنگ طویل پکڑنے سے انہیں شکست کا خطرہ لاحق تھا ٹل گیا۔

شاہی لشکر کو (حقیقتاً) بہت ہی کم کامیابی حاصل ہوئی، اور آخر کار اورنگزیب نے مجبور ہو کر پٹھانوں کی وہ شرط تسلیم کر لیں کہ جن سے ان کی آزادی برقرار رہی اور اپنا لشکر واپس ہندوستان لے گیا۔ (گزیر آف پشاور ۹۸-۱۸۹۷ء بحوالہ اللہ بخش یوسفی)

محمد آمین کو دربار شاہی میں حاضر ہونے کا پیغام ملا اور کچھ عرصہ بعد کابل واپس جاتے ہوئے ایمل خان مہمند اور دریا خان آفریدی نے غریب خاں کے قریب تمام شاہی لشکر کو بری طرح تہ تیغ کر ڈالا۔ اور محمد آمین بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

اورنگ زیب یکے بعد دیگرے کابل کے گوندروں کو تبدیل کرتا رہا۔ اور شجاعت خان کی قیادت میں لشکر روانہ کیا تو اس کو بھی افغان قبائل نے تشر بتر کر دیا۔ ان حالات کے پیش نظر اورنگزیب خود دہلی سے چل کر حسن ابدال میں آکر مقیم ہوا۔ اور لشکر کو اپنی نگرانی میں لے کر مختلف اطراف میں اقدامات کرنے کے احکام جاری کرتا رہا۔ جون ۱۷۰۵ء میں مکرم خان لشکر کثیر لے کر باجوڑ کے علاقے تک جا پہنچا

یوسف زئیوں سے جھڑپ ہوئی۔ جس میں کافی میں تعداد میں شاہی لشکر کے افراد مارے گئے۔ مکرم خان کا بھائی شمشیر اور اس کے بہنوئی میر عزیز اللہ بھی اس جنگ میں کام آئے۔ البتہ مکرم خان جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔

اورنگزیب کی سیاسی جوڑ توڑ کام کر گئی۔ اور سرداران قبائل کو شاہی حمایت پر رضامند کر لیا گیا۔ انعام و اکرام کی بارش ہوئی۔ کتنوں کو جاگیریں ملیں اور کتنوں کو مغل لشکر میں عزت و احترام کے عہدے ملے بہاگ خان جو اس وقت وفات پا چکا تھا۔ اس کے بڑے زین خان کو مغل دربار میں اظہار وفاداری کرتے دیکھا گیا۔

بہاگ خان کے والد کا نام ماموں خان بن عثمان تھا۔ وہ صرف یوسف زئی ہی نہیں بلکہ تمام خیف (خشی) قبائل کا قائد تھا۔ اس کے اقتدار میں تقریباً وہ سارا علاقہ جو خان گج کے دوران زیر اثر تھا، یعنی باجوڑ سوات سے لیکر دہ آہر اشغر اور چھچھ ہزارہ تک کا علاقہ شامل تھا۔ اراکین مملکت میں ظریف، حمید، کچے، کاپو اور حبیب اس کے مشیران اور کماندار تھے۔

سید محمود شاہ ولد مقام شاہ علاقہ گدون موضع گندف نے اپنی قلمی تصنیف بفتاح الانساب جس کی نقل پشتو اکیدی پشاور میں موجود ہے، لکھتا ہے کہ:-

”یوسف زئی کے ملک میں ایک راجہ پیدا ہوا جس کا نام پاکو تھا۔ اور باجوڑ سے دریائے سندھ تک اس کے فوجی قلعے تھے جن میں باقاعدہ فوج اور چوکیدار رہا کرتے تھے اور اپنے تمام مقبوضہ ممالک سے باقاعدہ مالیہ اور حقوق حکمرانی وصول کرتا تھا“

بہا کو خان بیمار ہو کر بقیعنا کے الہی اپنے گھر واقع بی بی ڈھیری
نزد کوگا چمد میں فوت ہوئے۔ اور بمقام چمد موضع کنکوی کے مغرب
میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔
بہا کو خان ایک کامیاب سربراہ مملکت یوسف زئی رہا تھا۔
سب لوگ ان کے عہد میں امن و امان سے رہے اور خوشحال تھے۔
یہ اُن کا آخری سربراہ تھا۔ اور اس کی وفات کے بعد کسی سربراہ
مملکت کے انتخاب کے بارے میں یوسف زئی متفق نہ ہو سکے۔ گویا
یہاں سے زوال شروع ہوا۔

نہ شاہی نہ فقیری دچا مدام وی
نہ کچکول دکدا ئے نہ شاہی جام وی
د آسمان دگردشونو انقلاب دے
کلہ ورخ شی کلہ شبہ کلہ ماہنام وی

بہا کو خان کے بہترین رفقاء۔ انخون سالاک انخون سبک

انخون سالاک طوغہ کے تھے اور طوغہ اصل میں ترین افغان ہیں۔ ان کے والد
ماجد علاقہ شنگ میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ انخون صاحب
بہا کو خان کے عہد میں علاقہ یوسف زئی جاکر غازیوں کے ساتھ جہاد میں
شریک ہوا کرتے تھے اور سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا۔
شب و روز یہی شغل رہتا تھا جس کا کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔
انخون سالاک کے چار بیٹے میاں بابا، شیخ بابا، پاچا بابا اور سیرئی بابا
کے ناموں سے مشہور ہیں۔ سیرئی بابا کی اولاد سیرئی نزد مار تو نگ
اور کچھ کابل گرام میں آباد ہیں۔ میاں بابا کی اولاد کابل گرام کچھ کلانی
علاقہ پورن میں آباد ہیں۔ شیخ بابا کی اولاد دریا کے سندھ پار مشرقی

جانب دژ میرہ میں آباد ہیں۔ پاچا بابا کی اولاد سیرئی علاقہ پورن میں
آباد ہیں۔ انخون سالاک کی کچھ اولاد میر احمد خیل کے ساتھ مرغز میں
آباد ہیں۔ جو انخون خیل سے مشہور ہیں۔ اور اُن کے کچھ گھر مواضعت
چینی علاقہ گدون اور مہابن کے اوپر اور کچھ موضع جلالہ تپہ بائی زئی
اور موضع درہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں اور ان کا ہم نسل خاندان طوغہ
موضع جنگہ و خند خیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ انخون سالاک کی قبر
کابل گرام میں ہے۔ جیسا کہ وہ ایک مشہور غازی و مجاہد تھے۔ اس
طرح وہ صاحب تصانیف بھی تھے۔

میر احمد شاہ اپنی تصنیف تحفۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ:-
"انخون سالاک کی تصانیف میں فتاویٰ غریبہ، بحر الانساب
غزوہ اور مناقب زیادہ مشہور تھے:-
پھر آگے لکھتا ہے کہ:-

"انخون سبک برادر انخون سالاک نیز مرید انخون پنچو بودہ۔

کہ مرادش در ملک یوسف زئی تپہ سدھوم قریہ بھڑوچ ہے

فاصلہ بہ چار میل و از موضع رستم بہ طرف شمال است:-

انخون سبک کی اولاد موضع بھڑوچ میں اور چلہ کے مواضعات

جنگی، کوریا، کدال اور کلانی پورن میں آباد ہیں اور بھڑوچ ہے

ان کے چند گھرانے گو جگر گھری میں آباد ہو چکے ہیں جن میں

میاں فدا کو اللہ کافی شہرت کے مالک تھے۔

انخون سبک کا ذاتی اسلحہ تلوار اور ڈھال وغیرہ اور چارپائی بودہ

استعمال کرتے تھے۔ اس وقت بھی کوریا میں ان کے لواحقین کے

پاس موجود ہیں اور لوگ انہیں بطور تبرک کے دیکھتے ہیں۔ انخون

سبک اور انخون سالاک دونوں بزرگان دین تھے اور تبلیغ و جہاد

اور آزادی کے شیدائی، لہذا ان مقاصد کے حصول کیلئے ان کو علاقہ یوسف
 زئی پسند آیا اور خون پنجو اور کا کا صاحب کے مشورے سے انہوں
 نے اس آزاد علاقہ جو مغلوں کے اثر سے پاک تھا، جس جینے مرنے کا مصمم
 ارادہ کیا۔ اور دونوں یکے بعد دیگرے اس علاقہ میں آئے۔ وہ بہا کو خان
 یوسف زئی کے دوست اور مغلوں اور ان کے حمایتیوں کے سخت مئی لاف
 تھے۔ الغرض کا کا صاحب نے اپنا ایک خاص مرید فقیر چنبل بیگ (کہ
 دراصل خان نحتک ٹوڑہ بود) چند آدمیوں سمیت انہوں سالاک کے ہمراہ
 کر کے رخصت کیا، انہوں سالاک پہلے موضع شوا پہنچے اُس وقت
 حضرت زئی تپہ دژ کا خان عمر خان حضرت زئی تھا اور انہوں پیشوا ابو خات
 تھا، انہوں نے دژ کے لوگوں کو بمقام شوا تپہ دژ (صوابی) جمع کیا
 اور بہا کو خان کے پاس بختیار روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ شامل ہو گئے
 ان ایام میں بہا کو خان کو ڈوما کا فرسے جہاد کے تیاری میں مصروف
 تھا۔ انہوں سالاک اور ان کے ساتھیوں کا جانا بھی اسی مقصد کے لئے
 تھا۔ تحفۃ الاولیاء میں ہے: "انہوں سالاک اڈگور جہاگیرہ اڈو دیا نے لڈے
 عبور کردہ بیوسف زئی آمدہ اوس دژ و ابانجل بمقام شوا (نزد) شیخ جانا۔ کہ
 در آن ایام رئیس انجا عمر خان نام مرے صالح بود و ہڈو خان، خان دژ بود،
 فرما ہم آوردہ بہ بختیار آمدہ بہا کو خان نام کہ در آن وقت خان بختیار بود بہ ہمراہ
 ایشان شدہ اور بہا کو خان کے ساتھ جہاد کے کام کو تیز کیا اور کافروں سے
 جنگیں لڑی گئیں ان کا علاقہ ان سے خالی کر کے وہاں یوسف زئی قبائل غرض
 امان زئی، عیسی زئی، چنیزئی، مخوزئی، بابوزئی، بجکی خیل، عزری خیل، آباد
 کئے گئے بواب تک وہیں آباد ہیں۔

لے عمر خان بن احمد بن شمسو حضرت زئی مندر یوسف زئی در اقم المردف روشن خان کی والدہ صاحبہ
 کا چچا امجد ہے۔ اور ان کی اولاد عمر زئی کے نام سے اب تک تحصیل صوابی میں بمقام شیوا
 تپہ دژ کندے احمد خیل میں آباد ہیں۔ انہوں دژ کا تعارف آگے صحت پانچویں مندر کے بیان میں درج ہے

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۹)

بہا کو خان کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ انفرادی قیادت کا مرض پیدا
 ہوا۔ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد پیدا تعمیر کرنے کی فکر کی۔
 وہ لوگ جنہوں نے تاتاریوں کو ڈوما کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا
 اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ سے نبرد آزما رہے تھے اب اس
 انفرادیت کی وجہ سے متحدہ رہ سکے تو دشمن کے ہاتھوں روند ڈالے
 گئے۔ اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان ہو گیا۔
 کہا جاتا ہے کہ علاقہ یوسف زئی میں جب کہ ہمیشہ ایک منتخب
 سربراہ مملکت حکومت کرتا رہا۔ بہا کو خان کے بعد خوانین کی تعداد
 ۲۰۰ تک پہنچ کر سمجھوں نے اپنی اپنی ریاستیں بنائیں۔
 بہا کو خان کے بھائی سید خان کے خوشحال خان نحتک کے چچا
 فیروز خان کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد خوشحال خان اور نگریب کا
 منظور نظر بن گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے یوسف زئیوں سے بدلہ
 لینے کا ذریعہ موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ ۱۶۰۲ء میں خوشحال خان اور
 یوسف زئیوں میں شدید جنگ ہوئی۔ یوسف زئی کامیاب رہے، اور
 انہوں نے اپنے علاقے سے مغل سپاہی اور تری خف کوں کو نکال باہر
 کیا۔ دوسرے سال خوشحال خان نے پھر حسب سابق یوسف زئیوں

نوشمال خان نے مخالفت کی تاہم قلعہ ۱۶۶۹ء میں تعمیر ہو گیا۔
نوشمال خان نے قلعہ کی تعمیر کی مخالفت کرتے ہوئے مہاراجا
کو لکھا۔

چند کھگل سے خانی بے بقا دیوار را
گر تو بنگر کوٹ خواہی قلعہ کن دمنار را
اور یوسف زئیوں کے مہمات کے حق میں اس نے یہ مشورہ بھی دیا۔
مہم دیوسف زو دے درنہ وایہ ہنکارہ
دخترہ خسی کوں لکھن کندرہ سکر دیوان پادہ
اس قلعہ کے تعمیر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یوسف زئیوں
نے اس کے خاندان اور بچوں کو پناہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ ان
کا زیر بار احسان تھا۔ دویم وجہ یہ تھی کہ وہ یوسف زئیوں کو اچھی
طرح پہچان چکا تھا۔ ان کی فطرت، عزم اور بہادری سے پوری طرح
آشنا تھا اور اُسے ڈرتھا کہ اس قلعہ کی تعمیر سے لاکھالہ یوسف زئیوں
سے حالات بگڑیں گے۔ اور وہ کبھی بھی یہ برداشت نہ کرتے ہوئے
یلغار کرنے پر کمر بستہ ہوں گے جب منزل حکومت نے اس کے مشورہ
سے اتفاق نہ کرتے ہوئے قلعہ تعمیر کروایا۔ تو وہ بیماری کا بہانہ بنا کر
وہاں سے چلا گیا۔

نوشمال خان کے اشعار کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور
جیون خان طاؤس خیل امان زئی جس نے انہیں سالاک اور بہا کو خان
کی معیت میں قوم ڈوما سے نبرد آزما ہوا تھا۔ اس کے لڑکے
مصری خان جس نے کہاں بہمت سے اپنے قبیلہ کی قیادت کی
تھی اور خٹکوں سے کشمکش کے دوران بھی وہ قبیلہ امان زئی کے
پوری طرح حفاظت کرتا رہا اور نوشمال خان کے خاندان والوں کو

پر اچانک حملہ کر دیا مگر ناکام ہو کر بھاگ نکلا۔ اور یہ چھڑ میں مسلسل
جادی رہیں۔

اس دوران نوشمال خان کا دربار شاہی میں اثر و رسوخ دیکھتے ہوئے
کئی اداکین دربار اور اس کے اپنے متعلقین آتش رقابت سے بیقرار ہو گئے
جن میں اس کے دو بچوں بہادر خان اور فیروز خان کے نام قابل ذکر ہیں
سازشیں ہونے لگیں اور نگریب کے دل میں شکوک پیدا کئے گئے۔
اور لوہب یہاں تک پہنچی کہ نوشمال خان کو ۱۶۶۳ء میں گرفتار
کر کے ہندوستان بھیجا گیا اور ایک عرصہ تک وہاں قید و بند میں رہا۔
قید کے دوران اسے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ حکومت اس کے بال بچوں کو
بھی گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے بادل ناخواستہ بوسفریوں
سے امداد طلب کی۔ یوسف زئی بزرگ نے تمام گزشتہ واقعات کو نظر انداز
کرتے ہوئے اس کے خاندان بکے تقریباً یکصد دیگر متعلقہ خاندانوں کو
بھی موضع اکوڑہ سے لاکر اپنے علاقہ میں پناہ دی اور انہیں سیکری
کے مقام میں محفوظ کر لیا۔ جو ضلع مردان میں کائنات اور جمال گڑھی
کے درمیان واقع ہے۔ موجودہ وقت میں یہ مقام شیکری بابا
کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ لوگ نوشمال خان کے قید سے وطن
واپسی تک یہیں مقیم رہے۔

منلوں کی خلاف ورزی یوسف زئیوں کی ہنگامہ آرائی نے شدت اختیار کی، تو
۱۶۶۸ء میں مہاراجا خان کو گورنر ہنا کر بھیجا گیا۔ مہاراجا خان کے
کہنے پر نوشمال خان کو بھی رہائی اور وطن جانے کی اجازت ملی۔
جس پر اس کے تعلقات حکومت کے ساتھ پھر خوشگوار ہو گئے۔
اور نگریب نے نگر کوٹ (گڑھی امان زئی) میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا
فیصلہ کیا۔ تاکہ یوسف زئیوں کی دست درازیوں کو روکا جاسکے۔

محافظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینے میں بھی شامل تھا۔ اُسے مغلوں کے صوبیدار اللہ داد جو لنگر کوٹ قلعہ میں مقیم تھا، مغلوں کیلئے ایک مستقل خطرہ ظاہر کیا۔ اور سازش کرتے ہوئے تہہ بوزیں زہر دیکر مردا ڈالا۔

مصری خان کے لڑکے صاحب خان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے دیر، سوات اور بونیر پہنچ کر وہاں کے خواجہ اور علماء سے امداد طلب کی اور لشکر لاکھوں قلعہ لنگر کوٹ کو مسمار کر دیا صرف مسجد چھوڑی جو اب بھی تختہ حالت میں اُس کے آثار موجود ہے۔ یہ لشکر آگے بڑھا اور اورنگزیب کے دوسرے لشکر کی اور حامی گمروہوں کو غلہ ڈھیر کے مقام پر شکست دے کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ لنگر کوٹ کے اس معرکہ میں مغل لشکر اور نائبان حکومت سب مارے گئے اور اس طرح مغل اقتدار سے علاقہ یوسف زئی خالی ہو گیا۔

اورنگزیب کی وفات کے بعد مغل حکومت کمزور پڑ گئی۔ اس کے جانشین حصول اقتدار کیلئے آپس میں دست بگریبان ہونے لگے جہاں کسی گورنر کو موقع ملا اُس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ اور جہاں جیسے طاقت ملی اُس نے اپنی جدا حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ ادھر مرہٹے بھی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ دریں اثنا محمد شاہ مغل کے عہد حکومت میں ناصر خان نامی ایک شخص ۱۷۹۱ء میں پشاور کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اُسے اپنی حکومت کی کمزوری کا پوری طرح علم تھا۔ اس لئے اس نے عقل و تدبیر سے کام لیتے ہوئے افغانوں سے ایسا سلوک کیا کہ جلد ہی وہ اُن میں ہرد چیز دیکھاٹی دینے لگا۔

نادر شاہ ایرانی

موجودہ افغانستان میں اُن دنوں نادر شاہ کی حکومت تھی۔ ناصر خان کو نادر شاہ کے عزیمت کا پتہ چل گیا تھا اور اس سلسلہ میں اُس نے مرکز کو مطلع بھی کیا۔ مگر مرکزی حکومت بوجہ بے بسی کے متوجہ نہ ہو سکی۔ تو نادر شاہ ۱۷۳۸ء میں پشاور آ پہنچا۔ ناصر خان نے مقابلہ کی طلب نہ لاتے ہوئے اطاعت قبول کر لی اور اپنے تدبیر سے نادر شاہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دوران جب کہ نادر شاہ دہلی پر چڑھائی کا تیاری کر رہا تھا۔ یوسف زئیوں کے ایک جوگہ نے اس سے پشاور میں ملاقات کی اور اُسے ایک قلمی نسخہ توراۃ عبرانی زبانی پیش کیا۔ جس سے وہ اور اس کے یہودی افسران بہت خوش ہوئے۔ اس کی مزید وضاحت سابق سرخپوش لیڈر قاضی عطاء اللہ خان نے بھی اپنی تصنیف ”دہشتنوتواریخ“ میں کی ہے۔ علاقہ یوسف زئی پر نادر شاہ نے کچھ تعرض نہ کیا اور اس کی فوجیں نہایت خاموشی سے الگ پار کر گئیں۔

نادر شاہ جب دہلی فتح کر کے واپس لوٹا تو اس نے سلطنت مغلیہ محمد شاہ کو سوئپ دی۔ اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو دہلی سے جدا کرتے ہوئے موجودہ افغانستان سے ملا دیا۔ اس طرح ۱۷۳۹ء میں دریائے سندھ پار کر کے مغربی سرحدی علاقہ سے ہمیشہ کیلئے مغل سیادت کا خاتمہ ہوا۔

یہاں پر ایک واقعے کا ذکر دلچسپی کا باعث ہو گا کہ جب نادر شاہ

دہلی سے واپسی پر ایک قلعہ میں مقیم ہوا۔ تو ایک روایت کے مطابق موضع کُنڈل علاقہ اتمان یوسف زئی کا ایک شخص ایک رات کسی طریقہ سے گھس کر نادر شاہ کی بیگم کا ہارا اٹھایا۔ صبح جب اس کا علم نادر شاہ کو ہوا تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور سمجھا کہ یہ کاروائی ملکہ علاقہ خٹک کے کسی شخص کی ہو سکتی ہے تو اس نے لشکر کو ملکہ علاقوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ نوشہرہ مک کا علاقہ انہوں نے پامال کر دیا۔ اور واپس قلعہ میں لوٹ آئے۔ دریں اثنا کسی نے اصلی چور کے متعلق شاہ کو مطلع کیا تو شاہ نے اس طرف کو پامال کرنے کا حکم دیدیا۔ اور فوج جہانگیرہ کے راستے چل پڑی۔ جو کوئی سامنے آیا تہہ تیغ کیا اور ایک طوفان کی شکل میں کُنڈل جا پہنچے۔ بتایا جاتا ہے کہ کُنڈل کو ایسے تہہ دبالا گیا کہ وہاں نہ کوئی گھر رہا اور نہ کوئی عین۔ یوسف زئیوں کو اس طوفانی حملے کا علم ہوا تو وہ بھی جگہ جگہ مقابلہ کیلئے اکٹھے ہونے لگے مگر نادر شاہ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس آگ جا پہنچا۔ البتہ اس کا ایک جوئیل موضع ہام خیل کے پاس یوسف زئیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر نادر شاہ عازم کابل ہوا۔ ناصر خان کو اس کی وفاداری کے صلے میں پشاور اور کابل دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ناصر خان کی پالیسی صلح کل تھی۔ اس وجہ سے افغان اُس سے خوش تھے۔ پہاڑوں میں بسنے والے آفریدی، مہمند اور وزیر وغیرہ آزاد رہے۔ البتہ میدانِ علاقوں میں بسنے والوں سے اجابات حکومت اور مالیہ وغیرہ وصول کرنے کیلئے خود اُن کے سرداروں کو ہی مقرر کیا۔ اور وہ انعام و اکرام کے لالچ میں یہ

فرائض بخوبی ادا کرتے رہے۔ واضح رہے کہ یوسف زئی پہاڑی اور میدانِ علاقوں میں گنہگار آزاد رہے۔ یہ طریقہ کار نادر شاہ کی وفات ۱۷۴۷ء تک جاری رہا۔

دورِ ابدالی

نادر شاہ کی وفات پر احمد شاہ ابدالی جسے نادر شاہ کی فوج میں اعلیٰ اعزاز حاصل تھا، بادشاہ منتخب ہوا۔ اس نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور ساتھ ہی اُس خزانہ پر جو نادر شاہ کے لئے کابل اور سندھ سے بھیجا گیا تھا۔ پھر کابل اور پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر کن حملے کئے۔ جس میں میاں عمر چکن جو ایک افغان مذہبی رہنما تھے، کی وساطت سے یوسف زئی پیش پیش تھے۔ اور ہندوستان میں مقیم یوسف زئی برسرِ اقتدار افراد نے ہی احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نے مرہٹوں کا پانی پت کے میدان میں خاتمہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کے ساتھ سالہ دورِ حکومت جسے درانی دورِ حکومت بھی کہا جاتا ہے، میں یوسف زئی حسب سابق اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ درانی حکومت کابل پر سایہ ہلکے نہ پڑ سکا۔

ابدالی حکومت کا زوال اور بارکزئی کا آغاز

احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کی وفات ہوتے ہی افغانستان میں بادشاہ گمراہی کا دور دورہ تھا۔ تیمور شاہ کے بیٹوں میں حصولِ اقتدار کیلئے کشمکش ہو رہی تھی۔ ان حالات میں زمان شاہ

کے بعد شاہ محمود نے عنان سلطنت سنبھالی تو فتح خان بارکزئی کے برادر دوست محمد خان شاہ کابل جیسا مدبر اُسے مل گیا۔ جس نے حالات پر قابو پایا۔ شاہ محمود برائے نام حکمران تھا حقیقی طاقت فتح خان وزیر کے ہاتھ میں تھی۔ شاہی خاندان کے دوسرے افراد اُسے برداشت نہ کر سکے۔ تو ۱۸۱۸ء میں شاہ محمود کے بیٹے کا مرث نے اُسے قتل کر دیا۔ فتح خان کا بھائی محمد عظیم خان اس وقت کشمیر میں حاکم کی حیثیت سے مقیم تھا۔ اطلاع ملنے پر کابل پہنچا اور اپنے تدبیر اور رُسوخ سے حالات پر قابو پایا۔ جس وقت ۱۸۱۴ء میں سکھوں نے انک قلعہ پر قبضہ کیا تھا۔ اس وقت افغانستان کے شاہی خاندان میں اختلافات زوروں پر تھے۔ خونریزی کا بازار گرم تھا۔ سکھوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۱۸۱۸ء میں اچانک اقدام کرتے ہوئے خیبر کے مشرق میں ترم کے پہاڑوں تک کے علاقہ کو روند ڈالا۔ لیکن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور واپس لوٹ گئے۔ محمد عظیم خان ملکی معاملات میں پھنس چکا تھا اور ساتھ ہی اُسے سکھوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے پریشان کیا۔ خصوصاً ان حالات میں کہ خود شاہی خاندان کے سکھوں کے ساتھ اتحاد کا خطرہ دامگیر تھا۔ بہ این ہمہ اس نے سکھوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے ارادہ سے ۱۸۲۳ء میں اقدام کرتے ہوئے پشاور تک جا پہنچا۔

سکھوں کا دور اور سردارانِ پشاور

سکھوں کی طاقت بھی عروج پر تھی اور وہ پہلے سے اس علاقہ پر اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ پوری طرح کیل

کانٹے سے لیس ہو کر سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے دریائے کابل کے دونوں کناروں شمالاً جنوباً سے یلغار کرتے ہوئے نوشہرہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس لشکر کی قیادت رنجیت سنگھ خود کر رہا تھا۔ عظیم خان کی دعوت پر دوسرے قبائل تو شریک جنگ نہ ہو سکے۔ البتہ خٹک اور یوسف زئی میدان میں کود پڑے۔ یوسف زئیوں نے دریائے کابل کے شمال کی طرف میدان میں قدم جما لئے اور جنوب میں خٹک اور محمد عظیم خان اپنا لشکر یہ میدان جنگ میں پہنچے، سکھ لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ افغان دو حصوں میں بٹ گئے، ایک حصہ یوسف زئی قبائل کا اور دوسرا محمد عظیم کے زیرِ کمان۔ دونوں کے درمیان دریائے کابل حائل تھا جس کی وجہ سے دونوں نے اپنی اپنی طرف کی ذمہ داری قبول کی اور اقرار ہوا کہ ہر ایک فریق اپنے اپنے محاذ پر جنگ شروع کر کے آگے بڑھے لہذا یوسف زئی نے جنگ شروع کی اور اس شدت سے مصروف جنگ ہوئے کہ نوشہرہ سے سکھوں کو مارتے مارتے پیرسباک تک ان کو پسپا کر دیا۔ سکھوں کی شکست یقینی ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے تھے۔ اس بارے میں ایک ہندو مصنف گلشن لال چوڑہ جو وہاں موجود تھا، کو لکھنا پڑا کہ:-

”یوسف زئی افغانوں نے کمال بہادری سے جنگ لڑتے

ہوئے سکھوں کے چھکے پھڑا دیے حتیٰ کہ اُن کے پاؤں

اکھڑنے لگے“ (حوالہ یوسفی)

رنجیت سنگھ نے یہ حالت دیکھی تو خود لشکر کا علم اٹھائے ہوئے دریا پار کے جنوب شمالی محاذ پر پہنچا جس سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور دریا کے آدھار کے سب سکھ لشکر یہاں جمع ہو کر پوری

شدت سے حملہ آور ہوئے تو اپنی کثرت اور فوجی نظام کی وجہ سے کامیاب رہے۔ اس جنگ میں یوسف نے یوں کی بہادری کا مورخین نے خاص طور پر ذکر کیا اور بتایا کہ شام کے قریب آخری حملہ میں سینکڑوں یوسف زئی مجاہدین اس جرأت اور دیر سے لڑے جس کی مثال ہمشکل ملے گی اور وہ ایک ایک کر کے سب مارے گئے تھے۔ یہ جنگ نوشہرہ کے قریب شروع ہو کر موضع پر سباک تک لڑی گئی تھی اور اس کی یاد میں سکھوں نے ایک گوردوارہ تعمیر کیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ اس جنگ میں یوسف زئی قبائل کی ہر ذیلی شاخ کے افراد شامل ہوئے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق میدانی اور بالائی علاقوں کے یوسف اور منڈر گھرانوں میں کوئی ایسا گھ نہ تھا جو اپنے شہداء کے لئے نوحہ خواں نہ رہا ہو اور یہ بھی روایت ہے کہ اکثر شہداء کے گھوڑے میدان جنگ سے خالی زمین کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹے تھے۔

سابق سرخ پوش لیڈر قاضی عطاء اللہ اپنی تصنیف ”ذہب و تاریخ“ جلد اول میں اس جنگ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ:-

”عظیم خان کے یوسف زئی سے امداد طلب کرنے پر قبیلہ یوسف زئی کے بے شمار جوان مع اپنے اکابرین کے نوشہرہ کے مقام پر دریائے کابل کے شمالی کنارے پہنچے ہوئے۔ عظیم خان کے ساتھ دوسرے قبائل دریائے کابل کے جنوبی کنارے پر اکٹھے ہو گئے۔ سکھ لشکر پہلے ہی سے ان کے مقابلہ کیلئے دریائے دونوں طرف مورچے ڈالے ہوئے تھے۔ اگرچہ تمام یوسف زئی اس مشترکہ خطرے کے پیش نظر بہت اخلاص کے ساتھ جمع ہوئے تھے مگر چونکہ یوسف زئی قبائل کا کوئی خاص سالار نہیں تھا اور نہ ان کو باقاعدہ جنگ کی تربیت دی گئی تھی

ان کے ساتھ توپ خانہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں سکھوں کی فوج منظم اور یورپین افسروں کے زیرِ کمان تھی۔ اور رنجیت سنگھ خود اپنی فوج کو لڑانے کی خاطر ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ۱۸ مارچ ۱۸۱۳ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ نوشہرہ کے متذکرہ مقامات پر شروع ہوا۔ جنگ دیر کے دونوں کناروں پر ہوتی رہی۔ مگر جب سکھوں کو یقین ہو گیا کہ عظیم خان کی جانب مقابلہ نہ ہونے کے برابر ہے اور دوسری طرف سے یوسف زئی بڑی شدت سے لڑ رہے تھے تو انہوں نے عظیم خان کی جانب کے سکھ لشکر کو بھی جو جنرل الیارد (ALI ARD) کے زیرِ کمان تھے، یوسف زئی پر حملہ آور ہونے کے لئے دیر پار روانہ کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ عظیم خان اس امدادی سکھ لشکر کو دریا پار کرنے کیلئے نہ چھوڑتا۔ اس نے ایسا نہ کیا بلکہ یوسف زئی کو کسی بھی قسم کی امداد نہ دی اور عظیم خان کے لشکر کی کمزوری اور بزدلی نیز یوسف زئی کے ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کے بنیاد پر مزید سکھ لشکر بغیر کسی دکاؤٹ کے شمال کو دریا پار کر گئے۔ یوسف زئی جوان اس بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ انہوں نے سکھوں کے چار حملوں کو یکے بعد دیگرے پسپا کر دیا۔ اور قریب تھا کہ رنجیت سنگھ کی پوری فوج کو مکمل شکست دیتے لگے رنجیت سنگھ پانچویں حملہ میں خود آگے بڑھا اور تمام فوج کو جنرل ونچورا (VENTURA) کے زیرِ کمان یوسف زئی پر حملہ کرنے کا اقدام کیا۔ عظیم خان اور اس کے بھائی دریا کے دوسرے کنارے پر تماشہ دیکھتے رہے۔ اور کسی قسم کی امداد یوسف زئی کو نہ دی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ عظیم خان کے بھائیوں کو رنجیت سنگھ نے ثروت دی تھی۔ اور وہ سکھوں کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ عظیم خان کا تمام خزانہ اور گھر کی خواتین میچنی کے مقام پر تھے۔

اگر عظیم خان کو یوسف زئی کا نہیں بلکہ اپنے خزانہ اور خواتین کی زیادہ
نکمر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی سردار یاد محمد خان اور سردار
سلطان محمد خان سکھوں کی طرفداری میں تھے اور اگر وہ اپنی فوج دریا
کے پار ایسی حالت میں لے جاتا تو اسے شکست کھانا پڑتی اور اس
کا تمام خزانہ اور خواتین دشمن کے ہاتھ میں چلے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
یوسف زئی سخت مقابلہ کے بعد شکست کھا گئے۔ لیکن اس شکست
کے بعد جلد ہی یہ جانیاز اور بہادر یوسف زئی مجاہدین دوسرے روز
اٹھتے ہوئے اور پرزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں سکھوں کے ساتھ
دوسری جنگ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن دوپہر کو انہیں معلوم
ہوا کہ عظیم خان دوسری جانب سے بھاگ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں
نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس ہو گئے۔ اُس
کے بعد وہ اپنے پہاڑی اور میدانی علاقوں سے ہمیشہ کے لئے سکھوں
کے ساتھ جنگیں لڑتے رہے۔ نو شہرہ کھی۔ اس جنگ کے متعلق اُس
وقت مولوی نامی ایک شاعر نے ایک چار بیتہ کہی ہے جسے ہم یہاں
پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں :-

چار بیتہ

قاصد دبا دشاہ راغے یوسف زئی اولہ زبیدہ
پہ نیت د غزالہ رشہ پہ نوینار اوڑ زبیدہ
قاصد دبا دشاہ راغے رالے سکھ عظیم خان
د اولہ لے جگرہ کرل ملایان او ملکات
دارو گولی پہ مادی درکوم بہ خرش تاوان

الفاظ لے خوب شکرو پیا اور او لکھیدہ
الفاظ لے خوب شکرو و پر راضی یوسف نامہ شہ
راتل بہ لٹائے تو خایہ نہ لے خوب نہ لے دمہ شو
خپل کورپہ ہر چا اور شو پیغہ داسے علامہ شو
توکل دے لے اوکرا سیلا بونہ بھیدہ !
توکل دے لے اوکرا اکوزی وو پیا دد کو نہ
راتل لے مشران د سیند پیا غارہ لکھ خرو نہ
د زغرو لے نکلے دے، دوشالے لے پہ سرو نہ
د کھن پہ صفت بادشاہان نہ مریدہ
د کھن پہ صفت بہ لے کلیا یم خوشو کالہ
کھو نہ د کھلاب و و خزان تو لے کرہ زما لالہ
سائل بہ میند و خویند و، اللہ وروستل قصانہ
اجل لے پہ دیرو و دلتہ ہسے لویدہ
اجل لے پہ دیرو و اشیزو اوکرلہ تورا
دحت پہ سالار دوشہ مدعا لے کرہ حضور
نران دی کد لے زئی سرو نہ لے ارئی لہ ترپور
خاوندہ خدین خیل د پینے کلہ تبتیدہ
د پینے نہ جاروزی نورزی دی اثر دار
مدام لے صف جنگی وی داوہ کلوپہ میدان
د اللہ نوم چہ بہ لے واغست ترپہ متا شولوسکھ
د نمینو د کھن لے رنجیت اویریدہ
د نمینو پہ کھن کھن شہید شو دے پیرخان
دقام پہ کھن مرہ شول فیض طلب اولطاف خان

شیرداد، ماب الہ دونہ پر میرات شو سرورخان
دولت زئی د لوئے ملا سرکہ لعلونہ توئی سیدہ
اسمعیل زئی د لوئے ملا وہ منکین مرکہ شول امانت
معصم او عدل شہاء د اللہ کاندی پہ جنت
داوہنکو جنگ لے اوکرو پہ میدان کین بنہ ست
پہ مرکب لے پہ آسمان کین ملائیک او ترپیدہ
پہ مزکہ ڈاہی چونہ ملائیک دی پہ آسمان
یوچرک پہ نارہ پریوت اخونخیل شو بند دیوان
د مرکہ پورے پلار د حضرت دین کوی امان
میرات لے پالنگونہ پہ میدان شولویوازے
ڈاہی میندے خوئیندے کلے لے کرے آغازے
د خاورونہ شوے لاندے ہنہ بنہ پکڑی درازے
پہ صفت لے مویزے مکہ فولاد اویشیدہ
صفت دیوسف زوکوم چہ قتل لے کر خان
پہ منکین لے تمام شول پیر ملا او صاحبزادگان
پہ دوزخ کین بہ کفاروی پہ جنت کین د اغازیہ
ہریت د مویزی مکہ مرجان بیعہ کیدہ

پیشکش قاضی عطاء اللہ غفرہ اللہ

الغرض اس جنگ میں سیکڑوں سکھ لشکر ہی مارے گئے اور
سکھوں کا مشہور جرنیل پھولا سنگھ بھی مارا گیا۔ رنجیت سنگھ نے
پشاور تک یلغار جاری رکھی۔ تاخست و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا

پشاور کی عمارتوں کو توڑا پھوڑا گیا۔ سکھوں کے لشکر کو اپنی پہاڑیوں
کے قریب دیکھ کر آفریدیوں کو فکر دامنگیر ہوئی۔ تو انہوں نے ایک
رات دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس سے سکھ لشکر کو سخت پریشانی
کا سامنا ہوا۔ آفریدی ان کا حال داسباب لوٹ کر لگئے۔ رنجیت سنگھ
ان حالات سے سخت دل برداشتہ ہوا تو افغانستان کے بارکزئی چار
سرداروں کو جو اس وقت پشاور میں تھے، اس شرط پر اقتدار قائم رکھنے
کی اجازت دیدی کہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ ان چار بھائیوں
کے نام یہ ہیں۔ سید محمد خان، یار محمد خان، سلطان محمد خان اور سیر محمد خان
پسران پائندہ خان جو سرداران پشاور سے مشہور ہیں۔
اس جنگ کے بعد عظیم خان بیمار ہوا اور اس نے اپنے فوج کا
سپہ سالار دوست محمد خان مقرر کیا۔

اسی دوران (۱۸۲۶ء) سید احمد شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لے
نمودار ہوئے۔ انہوں نے سکھوں سے جنگ لڑی، ان کے سردار
مسلس نبرد آزما رہے۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائیگا۔ پھر
سید احمد شہید کی وفات پر جب ان کی جماعت منتشر ہو گئی، اور
سکھوں کو اپنے مقابل صرف بارکزئی سردار نظر آنے لگے۔ جو کئی
بار اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار کر چکے تھے تو سکھوں نے
انہیں بھی ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک سکھ
کافی طاقتور ہو چکے تھے۔ اور رنجیت سنگھ موقع کی تلاش میں تھا
اسی دوران عظیم خان نے بھی وفات پائی۔ ان حالات میں سردار
دوست محمد خان نے کابل میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ پشاور کے
بارکزئی سردار اسے برداشت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے اسے تخت سے
اتارنے کیلئے سکھوں سے ساز باز شروع کی، جو حقیقتاً خود ان کی تباہی

کا باعث بنی۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی ہدایت کی اور اس نے اپنے لشکر سمیت پشاور کے قریب موضع چکنی میں کیمپ نصب کر دیا۔ وہی سردار جو رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی طاقت کو کچلنے کی دعوت دے رہے تھے۔ نلوہ کے لشکر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے اور جو حال دست محمد خان کیلئے پچھلایا جا رہا تھا۔ اس میں خود پھنس جانے کا خطرہ دامگیر ہوا ہری سنگھ نلوہ نے جب انہیں بلا بھیجا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنے اہل و عیال کو لئے شب قدر کی طرف چل دیئے۔ تاکہ بوقت ضرورت مہندوں کی پہاڑیوں میں پناہ لے سکیں۔ نلوہ نے جب یہ حالت دیکھی تو بہ اطمینان خاطر ۱۸۳۴ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دوست محمد خان نے ۱۸۳۵ء میں سکھوں کو نکلانے کی کوشش کی اور لشکر لئے درہ خیبر آہستہ آہستہ وں خود ان بارگزی سرداروں سے مشکوک ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس طرح پشاور پر سکھوں کا مستقلاً قبضہ رہا۔

سکھوں کی طرف سے ہری سنگھ نلوہ فوجی گورنر کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے بالاحصار کی بہاد شدہ بنیادوں پر قلعہ بالاحصار تعمیر کیا۔ یوسف زئیوں کی روک تھام اور پشاور اٹک کے درمیانی سڑک کی حفاظت کیلئے جہانگیرہ میں دوسرا قلعہ تعمیر کر دیا۔ وہ اپنی بربریت کے ثبوت میں یوسف زئیوں کے میدانی علاقوں پر اچانک خود حملے کرتا رہا۔ ان کی آبادیوں کو ویران کرتا فصل تباہ کرتا اور جب یوسف زئی جوانی اقدام کرتے تو واپس بھاگ جاتا، میدانے ملا تھے کا شاید ہی کوئی گاؤں اس کے ظلم و ستم اور ڈاکہ زنی سے بچا ہو۔ اس کے باوجود افغان طوق غلامی زیر نگین کرنے پر آمادہ نہ کئے

جاسکے۔

مہندوں کے بہت قابل ذکر افراد مقبوضہ علاقے سے نکل کر بالائی علاقہ میں جا مقیم ہوئے اور وہیں سے انہوں نے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ موقع ملنے پر دوست محمد خان نے اپریل ۱۸۳۴ء میں سکھوں پر شدید حملہ کیا۔ جنگ ہوئی، ہری سنگھ نلوہ مارا گیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر پشاور پر قبضہ نہ کر سکا، اور واپس لوٹ گیا۔

رنجیت سنگھ نے جسے اس وقت تک سرحد پر حکومت کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔ پھر بارگزی برادران کی طرف رخ کیا۔ سردار سید محمد خان کو ہت تنگ اور سردار پیر محمد خان کو دو آب کا علاقہ سپرد ہوا۔ سردار سلطان محمد خان کو کوہاٹ کے محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے۔ پشاور کے گرد و نواح کا علاقہ تیجا سنگھ کی گورنری میں دیدیا گیا اور اس کو قبائلیوں کی یورشوں سے بچاؤ کے مکمل اختیارات دیئے گئے۔ تیجا سنگھ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا تو اس کی جگہ ایک اطالوی جرنیل اوٹیلیاں (P.B. AVITABILE) کو بھیجا گیا جو پشاور میں اس وقت تک ابو طہیلہ کے نام سے مشہور ہے یہ گورنر ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا۔ یوسف زئیوں کے میدانی علاقوں سے کسی وقت بھی محصولات وصول نہ کیے جاسکے۔ اسی گورنر کے عہد میں سکھوں نے درہ کوہاٹ میں اقدام کرتے ہوئے نقصان عظیم اٹھایا تو ایک مصطفیٰ رنجیت سنگھ کے قابل فتح کرنے کے ارادے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:-

”رنجیت سنگھ کیلئے قابل فتح کرنے کا خیال ایسا ہی ہے جیسے وہ چین کو فتح کرنے چلے گا“ (بحوالہ یوسفی)

اور بقول ابو طیبہ گورنر ۱۔

”خیبر کی طرف رخ کرنے کے خیال سے ہی سکھوں کو درہ قونج شروع ہو جاتا تھا۔“ (بحوالہ یوسفی)

سکھوں کا یہ جرنیل ابو طیبہ بہت ظالم تھا۔ اس نے درہ بازو سے محصولات وصول کرنے شروع کیے۔ یوسف زئی تو پہلے ہی سے اس کے جبر و تشدد کے عادی تھے۔ اب خلیل اور مہمند بھی جو کہ تعداد پر آمادہ تھے، مقبوضہ علاقہ سے بھاگنا شروع ہوئے۔ ادھر ہندو کو پہلی بار افغانوں پر ظلم ڈھانے کا موقع ملا۔ کئی علاقوں میں ہندو سرمایہ داروں کو محصولات وصول کرنے کے اختیارات دیئے گئے تھے انہوں نے من مانی کار دایاں کیں۔ اور اپنی عیاری سے اصل رقومات سے لاکھ مال و زرع جمع کرنا شروع کیا۔ دیگر ابو طیبہ کے عہد میں مقامی باشندوں کی باہمی دشمنیوں کو ہوا دی جانے لگی۔ اور طرفین پر بھاری جرمانے عائد کیے گئے۔ اندرون ملک کسی وقت امن قائم نہ ہو سکا اور عورت پر قبائلی حملوں کی بھی بہتات تھی۔ نتیجہ یہ کہ پشاور شہر کے ارد گرد جگہ جگہ پھانسی لگانے کا سامان نظر آنے لگا۔

ابو طیبہ کے بعد دوسری بار تہی سنگھ نے پشاور کی گورنری کا چارج لیا اور ۱۸۴۷ء تک مقیم رہا۔ اس کے بعد شیر سنگھ نے چارج سنبھالا۔ لیکن اس سال سکھوں کے ساتھ انگریزوں کی پہلی جنگ نے حالات کو بدل دیا۔ شیر سنگھ کی جگہ گلاب سنگھ بحیثیت گورنر پشاور پہنچا اور ایک انگریز افسر میجر جارج لارنس لاہور میں مقیم انگریز ڈیپٹنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ اس کے فرائض میں سکھ لشکر کی نگرانی بھی شامل تھی۔ سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد ان میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۸۴۸ء میں سکھ لشکر

نے لارنس کی قیادت سے بغاوت کر دی۔ جس پر میجر لارنس بھاگ کر کوہاٹ پہنچا، جہاں سلطان محمد خان نے پہلے تو اظہار دوستی کیا اور بعد میں اُسے ایک قیدی کی حیثیت سے سکھوں کے حوالے کر دیا پھر حجب سکھوں نے دوسری جنگ میں انگریزوں سے شکست کھائی تو پشاور کا علاقہ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کے قبضے سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ اور مذکورہ میجر لارنس پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ یہی انگریز بعد میں لارنس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نے ترکی کے خلاف عربوں کو ٹھرایا تھا۔

یوسف زئیوں نے نجیت سنگھ کو جس قدر پریشان کیا۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگائیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ درہلہ کے نژاد میں اتنی رقت بھی باقی نہ رہی تھی۔ کہ ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں اور اگر یوسف زئیوں میں اتحاد و تنظیم قائم رہتا تو لازمی تھا کہ نجیت سنگھ کی سلطنت دیوالیہ ہو کر میدان خالی چھوڑ جاتی۔ بڑے شاہ اپنے قلمی مسوہ میں لکھتا ہے کہ:-

”دیوان بھوانی داس کو حکم دیا گیا کہ تم فریس کے مکان

پر پہنچ کر سرکار کی طرف سے انہیں بتاؤ کہ اس سال جنگ

یوسف زئی وغیرہ میں نژاد سرکار سے بہت زیادہ خسر

ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ہمراہ

فوج و پلٹن کے لئے دو ماہ کی تنخواہ کا مطالبہ نہ کریں۔“ (بحوالہ یوسفی)

اور حقیقت تیرے کہ یہ یوسف زئی ہی تھے۔ جنہوں نے مردانہ اور

مقابلہ کرتے ہوئے سکھوں کو علاقہ یوسف زئی میں قدم جمانے کا

موقع نہ دیا اور جس کے متعلق مصنف میجر جنرل سروسنٹ آرٹریوں

اظہار خیال کرتا ہے کہ:-

”سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت کے دوران اپنے مخالف یوسف زئیوں کو بہادر اور نڈر پایا اور انہیں خوفزدہ یا اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے سکھوں کو ہمیشہ پشاور کے ارد گرد کثیر تعداد میں لشکر جمع رکھنا پڑا۔“
منشی عطاء محمد شکارپوری اپنی تصنیف تازہ نوائے معرک میں لکھتے ہیں کہ:-

”آخرین ہزار آفرین طائفہ صادقہ یوسف زئی راکھچوں یوسف از چاہ ظلمت نفاق انخوان زمان برآمدہ - ہر یک بکر و صغیر خود ہارنا مانند زال در خسریاران یوسف جہاد ایمانی منسلک نمودہ دوسمہ بے ننگی و بے عاری برچہرہ زلیخائی حمیت خود نگذاشتند - وہ بونی پیراہن یوسف شہادت چشم یعقوب دنیا و آخرت خود را روشن نمودند۔“

سکھوں کی مخالفت میں مقرب خان بن فتح خان غازی خیل صدوزی منڈ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ چنانچہ سکھ اُسے شیر کا بچہ کے نام سے پکارتے تھے اور ایک روایت ہے کہ ایک موقع پر جب میرہ یار حسین میں سکھ لشکر پہنچا تو کسی نے آواز دی کہ شیر کا بچہ آگیا تو سکھ نہایت ابتری اور بے قاعدگی سے بھاگ نکلے۔

واقعہ ہے کہ مقرب خان اپنے کئی گھوڑا سوار ساتھیوں کے ہمراہ سکھوں کے اچانک حملوں کو ناکام بنانے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ سکھوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتا تھا اور وہ اچانک بھپٹ کر ان میں ابتری پھیل کر بھگایا کرتے تھے۔



مجاہدین

سید احمد شہید ۲۹ نومبر ۱۸۶۷ء کو راکے بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق مجاہدانہ کردار، خدمت اسلام اور جذبہ فداکاری وطن کیلئے نواج تحسین حاصل کرتے ہوئے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جاں شہادت نوش کر گئے۔

سید احمد شہید کو بچپن ہی میں مرثیہ تعلیم سے رغبت نہیں تھی۔ ہوش سنہاتے ہی جہاد اور صرف جہاد کی دھن میں مگن رہا۔ اٹھتے بیٹھتے یہی ورد زبان تھا۔ اور اسی جذبہ سے نواب امیر خان یوسف زئی والے ٹونک کے لشکر میں شمولیت کی تاکہ فنون جنگ سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اُسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مقیم ہو کر وہ غیر مسلموں کے خلاف جہاد کا نظام قائم کر سکے۔ ہندوستان میں ہر طرف سلطنت اسلامیہ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کوئی ایسی جگہ یا علاقہ موجود نہ تھا جہاں سے بہ اطمینان وہ جیوش مجاہدین کو میدان جنگ کی طرف روانہ کر سکتا۔ لامحالہ اس کی نظر صوبہ سرحد کی پہاڑیوں پر اٹھتی تھی جہاں کے باشندے ابتدائی دور تاریخ سے ہی میدان جنگ میں بہادری اور جوانمردی کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ اور جنہیں وقت کے جابر سے جابر حکمران بھی اطاعت قبول کرنے پر رضا مند نہ کر سکتے تھے۔ سید صاحب کو بھی یہی علاقہ پسند آیا۔ کیونکہ یہاں سے جہاد کا انتظام وہ بطریق احسن کر سکتے تھے۔ سامنے اگر دشمن کی طاقت یا سلطنت تھی تو پشت پر دور دراز علاقوں تک مسلمان ہی مسلمان آباد تھے۔ اور ان سے امداد و اعانت کی توقع بھی کی جاسکتی

تھی۔

ان حالات میں سید صاحب نے رخت سفر باندھا اور عزم جہاد لئے راہ ہجرت اختیار کی۔ اہل دعیال کو نواب امیر خان کے پاس ٹونک میں چھوڑ دیا اور خود براستہ سندھ، شکارپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۸۲۶ء کو پشاور پہنچا اور مختصر قیام کے بعد چارسدہ کی طرف چل دیا۔ دوران سفر میں راستہ ہی سے حکومت کابل کو اپنے ارادوں کی اطلاع دے دی تھی اور واضح کر دیا کہ ان کا ارادہ یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ قیام کرنے کا تھا لیکن چارسدہ پہنچنے پر جہاں قبیلہ محمد زئی آباد ہے، حالات سے مجبور ہو کر عملاً جہاد کا اعلان کر دیا۔

چارسدہ پہنچے ہی تھے کہ سکھ اقام کی اطلاع ملی۔ سکھ لشکر بدھ سنگھ کی قیادت میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کی طرف گامزن ہو چکا تھا۔ اب اس بے سرو سامانی کے عالم میں کہ اس علاقے میں نودارد تھے، مقابلہ میں سکھوں کا منظم لشکر اور وہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھا۔ عوام سے راہ و رسم ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ افغانوں کے رسم و رواج دوستی دشمنی کسی چیز سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر بھی سید صاحب خاموش نہ رہ سکے۔ اور خدا کا نام لے کر اعلان جہاد کر دیا۔ اس وقت تقریباً پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری ان کے شریک سفر تھے۔ آٹھ سو مقامی باشندے بھی ہمراہ ہو گئے تو ان پندرہ سو مجاہدین کو ساتھ لیکر آپ مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ جذبہ ایمان اور ولولہ جہاد کے ان پندرہ سو مجاہدین کو کونسی طاقت سکھوں کے مقابلے میں بہت

دلا سکتی تھی۔ قدرت نے یادری کی اور خدا کا نام لیکر وہ میدان کارزار کی طرف چل پڑے اور ۱۹ دسمبر ۱۸۲۶ء کی صبح کو نوشہرہ جا پہنچے، شیخون ماہ نے کافیصلہ ہوا تو نو سو مجاہدین کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ اس دوران خواص خان خٹک اپنی جماعت ساتھ لئے سکھوں سے جا ملا۔ تو اس کے چچا امیر خان خٹک نے سید صاحب کی قیادت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور پھر مذکورہ منتخب شدہ مجاہدین نے ۲۰-۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شیخون مارا۔ ابتدا میں تو سکھ سراسیمہ ہو کر بھاگے لیکن مجاہدین نے غلطی کی اور اپنے مخصوص فرائض چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ مال و اسباب پر قبضہ کرنے کی فکر ہونے لگی۔ نتیجہ یہ کہ سکھ سنبھل گئے، اور مجاہدین کو بوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

مذکورہ شیخون میں سید صاحب کی ہمت و استقلال کو دیکھ کر خاص و عام اس طرف متوجہ ہوئے۔ سکھوں کے مظالم سے پوری آبادی نالاں تھی۔ انہیں جب ایک مجاہد قائل گیا۔ تو پوری طرح اس کی امداد و اعانت پر تیار ہو گئے چنانچہ اس جنگ کے فوراً بعد ہٹلر کے رئیس خادی خان اور زیدہ کے رئیس اشرف خان مع اپنے ساتھیوں کے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور پھر خادی خان نے سید صاحب کو اپنے ساتھ ہٹلر میں مقیم ہونے پر رضامند کر لیا۔ قبیلہ خدوخیل کے رئیس فتح خان ساکن پنجتار نے بھی ساتھ دینے کا اعلان کیا تو بارکنزی خاندان کے حکمران سید محمد خان اور سلطان محمد خان نے بھی بیعت کر لی۔

مذکورہ شیخون کے بعد سکھ تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے اور سید صاحب بھی میدان کارزار دیکھنے کے متمنی تھے۔ لشکر

جمع کیا جانے لگا۔ یوسف زئی بکثرت جذبہ جہاد سے مستعد میدان جنگ میں کود جانے کیلئے بے قرار نظر آئے۔ لشکر کی فراہمی میں سرداران یوسف زئی فتح خان، پتخار، اشرف خان، زیدہ اور غادی خان ہندو وغیرہ کے علاوہ امیر محمد خان، ترکانی، یا جوڑی اور دوسرے دؤسا بھی بہت تن مصروف تھے۔ نوشہرہ میں لشکر کا اجتماع ہونا تھا۔ رسم ملک کے مطابق ہر جماعت اپنا نشان اٹھاتے چلی آ رہی تھی یاد محمد خان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی مع اپنے لشکر کے ان مجاہدین سے آئے۔ سکھ لشکر جس کی تعداد پینتیس (۲۵) ہزار بتائی جاتی ہے اس وقت شیدو کے مقام پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تو مجاہدین نے اکوڑہ کے قریب اپنا کیمپ نصب کر دیا۔ مجاہدین نے شدت سے حملہ کیا تو سکھوں کے پاؤں اکھڑنے لگے پھر سنبھلے لیکن شکست کھائی پھر بھاگے فتح یقینی نظر آئی۔ سید صاحب خود میدان جنگ میں علیل پڑے تھے اور ان کے دست راست مولوی محمد اسماعیل جو اولین بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔ تیمارداری میں مصروف رہے۔ اس دوران کہ جنگ ابھی جاری تھی، سردار یاد محمد خان باکونئی اپنے بھائیوں سمیت جنہوں نے میدان جنگ میں معہ لشکر موجود ہوتے ہوئے بھی عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا، میدان جنگ سے بھاگ نکلے اسے دیکھا دیکھی کئی دوسرے افراد بھی بھاگ گئے اور اس افراطی میں جنگ کا رخ بدل گیا نتیجہ یہ کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اس جنگ میں افغان مردانہ وارہ مصروف جنگ رہے۔ لیکن سردار یاد محمد اور اس کے بھائیوں کی غدار سی مسلمانوں کی تباہی کا

باعث بنی۔ کہا جاتا ہے کہ سکھوں نے پہلے ہی سے یاد محمد خان کو دھمکانا شروع کر دیا تھا۔ اور اسی دھمکی سے گھبرا کر اس نے غدار کی ثابت دیا۔ اور اس کی یہ غدار سی اسلامی لشکر کی شکست کا باعث بن کر رہ گئی جس پر سکھوں نے اپنی پوری مملکت میں جشن خوشی منایا۔ یہ جنگ ۱۸۲۷ء میں لڑی گئی تھی۔

مذکورہ جنگ کے بعد سید احمد نے بونیر اور سوات کی راہ لی۔ اور اپنے لئے مستقل مرکز کی تلاش شروع کی۔ ان علاقوں میں ایک ایک آبادی کا دورہ کیا ہر جگہ ان کا عزت و احترام سے استقبال ہوا۔ جگہ جگہ سے امداد و اعانت ملتی رہی۔ اور ان کی طاقت میں روز بروز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:-

”فقر نے یوسف زئی کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ، بونیر اور سوات کا دورہ کیا۔ اور انہیں بتیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد اور ازالہ فساد کی ترغیب دی۔ افغانوں کے متعذر دگر وہوں مثلاً آفریدیوں، مہندوں اور غلیلوں کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادت عظمیٰ کے اصول اور اس عبادت کبریٰ کی بجا آوری پر متوجہ کیا۔ الحمد للہ مؤمنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا“ (سید احمد شہید از مہر)

فتح خان رئیس کی دعوت پر پتخار کو مرکز کی حیثیت دے کر سید صاحب نے اس کے ارد گرد علاقہ کا دورہ کیا۔ ہر جگہ نتائج خاطر خواہ نکلے۔ پھر بعض وجوہات کی بنا پر انہوں نے خاں کو مرکز بنالیا اور دسمبر ۱۸۲۷ء کو وہاں پہنچے تو ایک عرصہ قیام کے بعد جنوری ۱۸۲۹ء تک وہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ گرد و نواح میں تبلیغ کا کام

جاری رہا۔ جنگ شیدہ کے بعد مولوی محمد اسماعیل شہید کی فیادت میں کچھ مجاہدین ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے۔ اداۓ فرائض کے بعد وہ بھی دوبارہ پختیار میں سید صاحب سے آئے اور بعد میں ان کے ساتھ ہی رہے۔

مختصر یہ کہ وقت نے پوری طرح سید احمد شہید کا ساتھ دیا۔ جہاں بھی گئے کامیابی نے قدم چومے۔ علاقے کے رئیس اور عوام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں باشندگان سرحد نے میدان جہاد میں اپنی جانیں قربان کر کے پیش کر دیں۔ مگر جب یہ سب طاقت یکجا ہونے لگی کہ جس سے سکھوں کا قلع قمع کیا جاسکتا تھا۔ حالات نے پلٹا دکھایا تو وہ خود مسلمانوں کو آپس میں پکھلنے کیلئے استعمال ہونے لگی۔ ان لوگوں کو جنہوں نے سید صاحب کے خلاف اقدام کیا تھا یا کرنا چاہتے تھے۔ اب ان کا روکنا ضروری ہو گیا لہذا یہ اطلاع ملنے پر کہ درانیوں کا لشکر (جو اس وقت پشاور اور اشغر وغیرہ کے علاقہ پر حکمران تھے) سید صاحب پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ سید صاحب کو اس کی مدافعت کیلئے اقدام کرنا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ مجاہدین موضع اتمانزی اشغر کی طرف روانہ ہوئے اور مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان شمشیر بکھ نظر آنے لگا۔ مجاہدین چونکہ باقاعدہ منظم نہ تھے۔ اس وجہ سے شکست کھائی اور اس خون مسلم سے موضع اتمانزی تحصیل چارسدہ کے سرزمین کی آبیاری ہوئی۔

اس جنگ کے بعد اپنے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے سید صاحب نے تنگ و دو کو اور تیز کر دیا۔ اور خار سے چل کر پختیار میں جا مقیم ہوئے۔ اب تجویز ہوئی کہ علاقہ بھر کے علماء و رؤساء اور

دیگر قابل ذکر افراد کو مجتمع کیا جائے۔ چنانچہ ۶ فروری ۱۲۲۹ء کو ایک اجتماع عظیم ہوا۔ جس میں علماء اسلام نے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے فوری قیام و اجراء کا فیصلہ سنا دیا۔ اس اجتماع میں شہریت کرنے والے یوسف زئی رؤساء میں اشرف خان زید، خاکنہ ہنڈ اور فتح خان پختیار کے نام قابل ذکر ہیں۔ جن کے ساتھ اپنی اپنی بھاری جمعیاتیں تھیں اور جو حقیقتاً اپنے اپنے علاقہ میں حکمران کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے فتح خان رئیس پختیار نے سید صاحب کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا کہ ”صد ہا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رونما ہو جائیں گے“

لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور جہاں ہمارے علماء کرام نزاکت وقت گرد و پیش اور کسی فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کئے بغیر اپنے اقتدار کے قیام و زعم علم میں فیصلہ کر دینے کے عادی ہو چکے ہوں وہاں کسی کی کیا چل سکتی تھی۔ اظہار اختلاف کا سبب کافر بنادینے کے سوا اور کیا بل سکتا تھا۔ اس جگہ بھی علماء اپنے فیصلے پر بند رہے۔ حکم خدا اور رسول کے نام سے ان کے فیصلے نافذ کر دینے کا فیصلہ ہوا تو اشرف خان زید، خادی خان ہنڈ اور فتح خان پختیار کے ساتھ کئی دوسرے رؤساء نے ہر امر مجبوری سر تسلیم خم کر دیا۔

خادی خان، خان ہنڈ

جس خطرے کی طرف فتح خان رئیس پختیار اشارہ کر چکا تھا۔ وہ کسی طرح غیر ہم نہ تھا۔ اس پر اگر غور و فکر کر لی جاتی تو شاید بعد میں

مجاہدین کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان خوانین میں کشمکش شروع ہو گئی۔ انہیں اپنے اپنے اقتدار کی فکر پیدا ہو گئی۔ فتح خان پختار اور اشرف خان زیدہ تو سید صاحب کے ہم کلب رہے۔ لیکن خادی خان کو اپنے اقتدار میں کمی برداشت نہ ہوئی اور یہ بھی گوارہ نہ کر سکا کہ سید صاحب کی امداد و اعانت کے باوجود وہ ان کی نظروں میں ایسی وقعت نہ رکھے جو پختار کے فتح خان کو حاصل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خادی خان اور اشرف خان کے درمیان چپقلش پیدا ہو گئی۔ اتفاقاً اشرف خان زیدہ گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا۔ اور اس کے بعد خادی خان سید کا ہمنوا نہ رہا۔ اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کیلئے تنگ و دو شروع کر دی۔ سکھوں نے جب یہ حالت دیکھی تو جنرل دنتورہ کی کمان میں اقدام کر دیا۔ سید صاحب نے اس مقابلے کے لئے تین سو مجاہدین پر ایک جماعت روانہ کر دی۔ سکھوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو شیخون کے ڈر سے گھبرا کر لوٹ گئے۔

ہو اندرونی مخالفت زور پکڑ رہی تھی، وہ کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکی۔ سید صاحب چاہتے تھے کہ علماء کرام کے فتوؤں سے سب کے دلوں پر قابو پالیں۔ لیکن جو عاداتیں راسخ ہو چکی تھیں انہیں جلد بدلنا نہ جاسکتا تھا۔ حالات کی تشویش ناک پریشانی کا باعث بنی ان حالات کے پیش نظر اگر قابل ذکر خوانین کو یکجا کر لیا جاتا تو صلاحیت کی کوئی صورت نکل آتی۔ خوانین اپنے وقار کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کو احتراماً تسلیم کر لیتے لیکن اس کی بجائے پھر علماء کرام کا اجتماع کر دیا گیا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ خادی خان کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو علماء سے ایسے شخص کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔

سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل نے بڑی درد انگیز تقریریں کیں۔ لیکن بالآخر معاملہ علماء کو سونپ دیا گیا۔ جنہوں نے بلا تکلف فتوے دیدیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے۔ خادی خان اس نشیب و فراز سے واقف تھا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی سرزنش کے لئے کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب سید صاحب نے اسے اپنے پاس بلا کر سمجھانا چاہا تو وہ دل کی بات کہنے بغیر نہ رہ سکا کہ:-

”حضرت! ہم چیتوں لوگ کاروبار ریاست کا رکھتے ہیں۔ اور یہ مشورہ ملاؤں نے مل کر کیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے استغاثہ اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں، کاروبار ریاست میں ان کا کیا شعور؟“

افسوس کہ اس وقت سید صاحب بھی اپنے جوش جذبہ جہاد میں خادی خان کے ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے اور انہیں اس پر طیش آگیا کہ علماء کرام کی شان میں ایسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے اور بجائے اس کے کہ خادی خان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی۔ جواب اسی قسم کی تلخی سے دیا کہ خادی خان چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

سید صاحب نے پھر ارد گرد کے علاقوں میں امداد و اعانت کے لئے پیغام بھیجے۔ مجاہدین جمع ہونا شروع ہوئے۔ اسی دوران سکھوں نے دنتورہ کی قیادت میں دوبارہ پختار کی طرف اقدام کیا اور موضع سلیم خان سے نکل کر طوطالی میں جا پہنچے۔ مجاہدین مقابلے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ پہاڑوں میں مجاہدین کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد بہت دکھائی دے رہی تھی۔ دنتورہ نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی اور واپس لوٹ گیا۔ اور آمد و رفت دونوں اوقات میں سکھوں کی روایت کو زندہ رکھنے کیلئے اس راستہ کی آبادیوں کو مذہب

آتش کرتا گیا۔

اب مجاہدین اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگے۔ انہوں نے سوچا کہ یا تو بارکزی کے خلاف اقدام کیا جائے جو سکھوں کے تابع فرمان اور مجاہدین کے راستے میں کاٹنے پہنچاتے تھے۔ یا پھر خادی خان کو راستہ سے ہٹایا جائے۔ اس لئے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خواہشیں یا قبائل شریعت اسلامیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھے بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے خادی خان سے نیٹ لیا جائے اور اس کے بعد بارکزیوں کی باری آئے۔ سید صاحب موضع ہند پر نہایت راز داری سے حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ساز و سامان تیار کیا تاکہ شیخون مارکر قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور صبح ایسے وقت قلعہ کے سامنے پہنچا کہ مقیمین قلعہ بے خوف و خطر دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھے، مجاہدین بندوبست داغے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ خادی خان جس نے سید صاحب کی اس علاقہ میں کد پر انصار کے فوائد سرانجام دیئے تھے مارا گیا۔ اس کی لاش ورنہ کے حوالہ کر دی گئی۔ لیکن اس کے اہل و عیال کو ایک عرصہ تک اپنے ورنہ کے پاس جانے کی اجازت نہ ملی۔ ہند پر اس حملہ کی تاریخ ۸ اگست ۱۸۲۹ء بیان کی جاتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد خادی خان کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور خادی خان کے اہل و عیال کو رہائی دلانے کی کوشش شروع ہوئی۔ مقرب خان رئیس زیدہ جو سید صاحب کے فدائین میں سے تھا، اپنے بہنوئی اور قریبی رشتہ دار خادی خان کے اہل و عیال کی مدد کر سکا تو گاؤں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا جس پر اُسے مفروضہ قرار دے دیا گیا اور اس کا بھائی فتح خان رئیس زیدہ منتخب

یا نامزد ہوا۔ خادی خان کے بھائی محمد امیر خان نے دوسرے خواہش سے امداد طلب کی اور بالآخر پشاور میں یار محمد خان بارکزی کے پاس پہنچا اور اُسے اپنی امداد پر رضامند کر لیا۔ یار محمد خان کے ایک معتد نے ہند پر یورش کی اور وقتاً فوقتاً چھاپے مارتا رہا تاکہ یار محمد خان خود بھی لشکر لئے موضع اریان تحصیل صوابی میں پہنچ گیا۔ اریان سے نکل کر بدرتی نالہ پور یار محمد خان نے اپنی توپیں نصب کر لیں۔ مقابلہ شروع ہوا۔ یار محمد خان کو شکست ہوئی اور زخمی ہو کر بھاگا تو راستہ ہی میں جان بحق ہو گیا اور مال و اسباب مجاہدین کے ہاتھ لگا۔ یہ جنگ ۵/۳ ستمبر ۱۸۲۹ء کو ہوئی تھی۔

سید صاحب اس کے بعد ہزارہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک جماعت کو قلعہ ہند میں چھوڑ کر باقی لشکر مجاہدین کو ساتھ لئے روانہ ہوئے۔ یار محمد خان مرحوم کے بھائی سلطان محمد خان نے ہند پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا۔ مقیمین قلعہ گرفتار کر لیے گئے جو بعد میں قید خانہ سے بھاگ نکلے۔ سید صاحب ان حالات کو سن کر پختار میں مقیم ہوئے اور جب تسلی ہوئی کہ پشاور کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہو رہا۔ تو پھر ہزارہ کی طرف چلے گئے۔ وہیں سکھوں نے انہیں پیغام دیکر اپنی طرف سے علاقہ یوسف زئی میں محمولات وصول کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے مسترد کر دی۔

سید صاحب نے پھر یہاں سے ایک جماعت کو یوسف زئی کے میدانی علاقہ کی طرف بھیج دیا تاکہ احکام شریعت کا نفاذ کرے۔ حشر پہلے علماء کو ملتا تھا۔ جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ مجاہدین نے اُسے امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول کرنا شروع کر دیا۔ علماء نے پہلے تو مخالفت کی مگر طاقت سے دب کر

ہمنوا ہو گئے، سہم دلوں میں مخالفت پکڑنے لگی۔ اسی دوران خان کلابٹ مقابلہ پر اتر آیا۔ جنگ ہوئی تو خان نے شکست کھائی اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے قلعہ ہنڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور ارد گرد کے علاقے مثلاً مرغز، ٹھنڈ کوئی، کڈی اور پنج پیر پر بھی انہیں اقتدار حاصل ہو گیا۔ بایں سہم ادائیگی عشر کا مسئلہ متنازعہ رہا۔ جہاں طاقت دکھائی دیتی افراد کو لیا جاتا۔ اور جہاں طاقت دکھائی نہ دی لوگوں نے ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اب کسی مزید بحث و دلیل کی گنجائش نہ تھی۔ بلکہ فیصلہ دے دیا گیا، کہ عشر امیر کا حق ہے اس سے اختلاف کفر کے مترادف ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا اور رسول کے خلاف باپ دادا کی روایت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں کسی نے کہہ دیا کہ "منیتہ المصلیٰ میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونٹوں سے دیا گیا، اور قائد موصوف نے اس وقت تک متعرض کوہ چھوڑا جب تک کہ اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ دیگر اُسے دوبارہ مسلمان نہ بنایا گیا۔ مسائل کو علماء کی سرکردگی میں طاقت کے زور سے منویا جاتا رہا۔ نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ اگرچہ اس جماعت کے سامنے یکے بعد دیگرے مختلف گائوں اظہار وفاداری بھی کرتے رہے۔

انفرض بارکزیوں نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں تھیں جب سید صاحب کو علم ہو تو وہ ہزارہ سے پنجتار اور غلوا واسیلیدہ سے جاتے ہوئے گڑھی امان نئی پہنچ گئے۔ اُدھر بارکزی لشکر کو پشاور سے چار سہ ہوتے ہوئے اتمان نئی میں جا مقیم ہوا۔ دونوں طرف سے

جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ بارکزیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ ملک کے جائز حکمران تھے تو سید صاحب کو نفاذ احکام شریعت اور امارت کا دعویٰ تھا۔ بالآخر طور و اور معیار کے درمیان دونوں شکوں میں شدید جنگ ہوئی بارکزی (سر دران پشاور) نے پھر شکست کھائی

جنگ معیار یا ماہیار

معیار جسے بعض مؤرخوں نے مہیار بھی لکھا ہے، مردان اور طور د کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ اس جنگ میں ملکی خوانین کے بھی خاصی بڑی جماعت سید صاحب کی رفاقت و نصرت کیلئے موجود تھی۔ جن خوانین کے نام روایتوں میں مل سکے اُن کی تفصیل یہ ہے قاضی سید امیر صاحب عرف ملا صاحب کوٹھہ، فتح خان پنجتار، منصور خان گھڑیال، آند خان و شکار خان خضر زئی شیوہ، اسماعیل خان کلابٹ، سرور خان رئیس امان نئی، رحیم خان بابا علی خیل نواں کلی ماموئی رڈ، ابراہیم خان اسماعیلہ کوخیل رڈ، فتح خان زیدہ، دلیل خان طو و محمد خان ہوتی اور نسیم خان لوٹہ ٹوڈ وغیرہ۔

مجاہدین نے فیصلہ کیا کہ بارکزیوں کے اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ وہ لشکر لے کے پشاور کی طرف چل پڑے۔ چار سہ سے تنگی اور شہتدہ ہوتے ہوئے میچنی کے راستہ پر لگی (پشاور) پہنچے تو پتہ چلا کہ اُن کی آمد کی خبر سن کر سلطان محمد خان بارکزی پشاور خالی کر گیا تھا۔ اس جگہ کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اور سلطان محمد خان بارکزی کی طرف سے ارباب فیض اللہ خان ساکن ہزار خوانی پشاور نے وکالت کرتے ہوئے صلح کیلئے سلسلہ جنبانی کی اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا۔ سید صاحب مع اپنے رفقاء کے بطور مہمان کابل دروازہ

نوش کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا رَاجِعُوْنَ۔

آئندہ میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ جس وقت انوند صاحب سوات تحریک مجاہدین کی ان کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما ملا سید امیر صاحب المعروف "کوٹہ ملا صاحب" اس تحریک کی حمایت میں تھے۔ اور پشاور کے مشہور عالم دین مولوی غلام جیلانی، ملا عبد المجید، قاضی منصور اور علاقہ خیل کے پیر غیاث ساکن پلوسی بھی ان کی ہمدانی کر رہے تھے۔

انگریز کا دور اور ملک افغان

ہے اس راز کو اک مرد فزنگی نے کیا فاش

ہر چند کہ دانا سے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرف حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

"اقبال"

افغانستان پر انگریزوں کی یلغایں

انیسویں صدی مسیحی کے آغاز تک کابل کی ابدالی سلطنت کے استحکام میں افغان سرداروں کی باہمی رقابتوں اور جنگوں کے باعث ضعف کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہ سلطنت پچھلی صدی کے وسط سے افغانستان، افغانی ترکستان، کشمیر، پنجاب، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل تھی جس کا انتظام شاہ افغانستان

کے مامور کیے ہوئے حاکم کرتے تھے۔ یہ حاکم عام طور پر شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے جو بسا اوقات خود مختار اور مطلق العنان بادشاہوں کی طرح حکومتی اقتدار قائم کرنے کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ان کے نیچے ہر جگہ مقامی سردار اور امراء اپنی اپنی جاگیروں کا انتظام کرتے تھے وسط ایشیا کی یہ بہادر، غیور اور جنگجو قوم افغان اپنے زمانے کی علمی اور فنی ترقیوں سے بے خبر تھی۔ ان جھگڑوں کے باعث جو تخت کابل کے دعوے داروں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے، پنجاب کی سرزمین پر ان کی انتظامی گرفت نرم پڑ گئی اور پنجاب کی ایک نوخیز بہادر اور جنگجو قوم سکھ کے قبائلی سرداروں نے طاقت پختہ فی شرع کر دی جنہیں احمد شاہ ابدالی کی یلغاروں نے کچھ عرصے کیلئے امن پسند پہنچنے کا سبق سکھایا تھا۔ یہ سکھ برائے نام کابل کے بادشاہ کی اطاعت بھرتے تھے۔ اس سے جاگیریں حاصل کر کے پنجاب کے اقطاع پر اپنا اقتدار قائم کر رہے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں انہوں نے سکھ گردی کے ایک دور اندیش اور بات پر لیڈر رنجیت سنگھ کو مہاراجا بنا کر پنجاب کی سرزمین میں ایک آزاد مملکت قائم کر لی۔ جنوبی پنجاب میں دریائے ستلج تک کی سکھ جاگیر داریاں انگریزوں کے زیر اثر آچکی تھیں۔ سندھ، بلوچستان، پنجاب اور کشمیر کو چھوڑ کر باقی سارے ہندوستان پر انگریزی اقتدار عملاً مسلط ہو چکا تھا۔ اگرچہ انگریزوں نے دہلی کے مغل شہنشاہ سے تعرض نہ کیا تھا جس کی سلطنت دہلی اور اس کے نواحی دیہات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مغل شہنشاہ کی حیثیت ان راجوں اور نوابوں سے بھی کم تو تھی جو انگریزی اقتدار کا جوا قبول کر کے وسیع ریاستوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔

افغانوں کے قبائلی سرداروں کے جس جوگے نے ۱۷۴۷ء میں بمقام قندھار جمع ہو کر احمد شاہ ابدالی کو افغانستان کا بادشاہ منتخب کیا تھا۔ اسی جوگے نے یہ فیصلہ بھی کر دیا تھا کہ درانی قوم کے دیگر طاقت ور قبیلے بارکزی کے سردار افغانی حکومت میں وزیر بنائیں گے انیسویں صدی مسیحی کے آغاز تک ابدالی کے وارثوں کے درمیان تخت کے لئے جو جھگڑے وقتاً فوقتاً کھڑے ہوتے رہے اور جیسی جیسی بازوئیں کا بازو گرہم رہا۔ اس کے باعث بارکزی خاندان احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کا محبوب بن گیا جس نے اس قبیلے کے بہت سے سرداروں کو قتل کرادیا۔ کچھ سردار ترکستان اور ہندوستان کی طرف بھاگ گئے لیکن اس واقعے کے باعث افغانستان کا ملک خانہ جنگی اور بد امنی کی آماجگاہ بن گیا۔ ۱۸۲۶ء میں بارکزی قبیلے کے سرداروں نے زور پکڑ کر زمان شاہ کے بھائی شاہ شجاع کو افغانستان سے نکال دیا اور اس کی جگہ اپنی قوم کے ایک سردار دوست محمد خان کو امیر بنالیا۔ اور شاہ شجاع کاہل سے بھاگ کر لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس آیا۔ وہاں سے اُسے ہندوستان کے نئے حکمرانوں یعنی انگریزوں نے اپنے پاس بلالیا۔ مقصد یہ تھا کہ ضرورت پڑے تو انگریزی اقتدار کو وسط ایشیا کے ملکوں میں بڑھانے کیلئے اس مہرے کو استعمال کیا جاسکے اسی زمانے میں زاربان روس کی حکومت اپنے اقتدار کو وسط ایشیا کے ملکوں میں توسیع دینے کی پالیسی پر مبنی سرگرمی سے عمل پیرا تھی۔ ترکستان میں روس کی فارورڈ (آگے بڑھنے کی) پالیسی بہت کامیاب ہو رہی تھی۔ انگریز توسیع اقتدار کی اس دوڑ میں روس پر بازی لیجانے کے خواہش مند تھے۔ ہندوستان کی وسیع مملکت میں ان کی فارورڈ پالیسی بہت اچھے آثار پیدا کر چکی تھی۔ اس پالیسی کے

پیش نظر ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے امیر دوست محمد خان کے دربار میں ایک سفارت بھیجی، اس سفارت کو اپنے استعداد کے مقاصد کی داغ بیل ڈالنے میں ناکامی ہوئی۔ شطرنج کا مہرہ انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے ۱۸۳۹ء میں انہوں نے سندھ اور بلوچستان کی راہ سے افغانستان پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مقصد یہ ظاہر کیا گیا کہ انگریز تخت کاہل کے جائز وارث شاہ شجاع کو اس کا حق دلانے کے آزد مند ہیں۔

افغان اس مہم کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ انگریز اس قسم کا کوئی اقدام کریں گے۔ سندھ کے مقامی امیروں نے جو تخت کاہل کے زیر اثر تھے۔ انگریزی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ کوئٹہ، قندھار، قلات اور غزنی کی افغانی سپاہ بھی جو محض داخلی امن کے قیام کے لئے ان مقامات میں رہتی تھی، خوب لڑی۔ عام افغان یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انگریزی فوجیں کاہل پہنچ گئیں۔ امیر دوست محمد خان ترکستان کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ انگریزوں نے شاہ شجاع کو افغانستان کا بادشاہ بنادیا اور اُن کی فوجوں نے امن قائم رکھنے اور شاہ شجاع کی حفاظت کرنے کے بہانے سے نہ صرف کاہل کے نزدیک بلکہ حصار میں چھاؤنی ڈالی بلکہ اپنی فوجوں کو قندھار، غزنی، جلال آباد چاریکار، کوہ دامن، بلخ اور ہرات تک پھیلا دیا اور شاہ شجاع کے پردے میں افغانوں پر حکومت کرنے کا تجربہ کرنے لگے۔ عام افغان یہ سمجھتے تھے کہ انگریز شاہ شجاع کو بادشاہ بنا کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن انہوں نے ملک کے اندر چاروں طرف اپنے پاؤں جانے شروع کر دیئے۔ افغانوں کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ ان کی قومی حس بیدار

ہوئی۔ اور ۱۸۴۱ء میں انہوں نے بالاحصار کی انگریزی چھاؤنی کے علی الرغم کابل میں قیام کر کے شاہ شجاع کو قتل کر دیا۔ امیر دوست محمد خان اس آلتنا میں اپنے آپ کو انگریزوں کے سوا لے کو چکا تھا۔ جسے وہ کھلتے لے گئے تھے۔ امیر کے بڑے بیٹے محمد اکبر خان نے کابل پر قبضہ کر کے انگریز سیفر اور انگریزی فوج کے کمانڈر کو بالاحصار سے بلایا اور ان سے کہہ دیا کہ جلد سے جلد ملک خالی کر دو اور میرے باپ دوست محمد خان کو واپس دے دو۔ انگریز سیفر اور کمانڈر نے محمد اکبر خان سے ملک کے تحلیف کے متعلق شرطیں طے کیں۔ جو یہ تھیں کہ چند انگریز افسر بطور یرغمال کابل میں رکھے جائیں گے، انگریزی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں گی۔ افغان ان سے ہتھیار لے لیں گے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔ کابل کی انگریزی فوج جگہ تک پہنچنے سے پہلے جلال آباد کا انگریز کمانڈر جنرل سیل اپنی فوجوں کو لے کر وہاں دھنیت ہو جائیگا۔ کابل چھاؤنی کے انگریز کمانڈر نے ان شرائط کی اطلاع جنرل سیل کو بھیج دی لیکن جنرل سیل نے بطور خود یا ہندوستان کے اعلیٰ حکام کی ہدایت پر جلال آباد میں ٹھہرنے اور کابل سے آنے والی فوجوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اکبر خان کو یہ اطلاع پہنچی کہ جلال آباد کا انگریز کمانڈر طے شدہ شرائط سے منحرف ہو گیا ہے اور اس کا اندیشہ ہے کہ دونوں فوجیں مل کر کابل پر چڑھائی کریں گی۔ تو اُس نے جگہ تک کے درے میں کابل سے آئیوالی انگریزی فوجوں کو گھیر لیا۔ افغانوں نے اس جہم غفر کا قتل عام کر لیا جس کی تعداد سولہ سترہ ہزار سے زائد تھی۔ صرف بریٹن نامی ایک انگریز ڈاکٹر کو زندہ چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ جلال آباد پہنچ کر جنرل سیل کو آگاہ کر دے کہ افغان وعدہ شکنوں کو اس طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ اس واقعے نے ہندوستان

کے انگریز حکام کو بہت برا اثر و خستہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں انگریزی فوجوں نے درہ خیبر اور درہ بولان کی راہ سے افغانستان پر چڑھائی کی۔ یہ انتقامی مہم تھی اس لئے انگریزوں نے بلا دھڑک بستیوں کو جلایا اور کابل پہنچ کر کابل کو نذر آتش کر دیا۔ افغانوں نے اس یلغار کو روکنے کی کوئی خاص کوشش نہ کی۔ وہ اپنی قومی عادت کے مطابق ضرب کاری لگانے کے لئے مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ انگریزی فوجیں کابل کو نذر آتش کرنے کے بعد جس راہ سے گئی تھیں اسی راہ سے واپس آگئیں کیونکہ اس وقت تک انگریز اچھی طرح جان چکے تھے کہ افغانوں کے ملک میں فوجی طاقت کے بل بوتے پر حاکم بن کر ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کابل میں انگریزی فوجوں کے قیام کے دوران میں افغانوں اور انگریزوں کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا، اُس کی موٹی موٹی شرطیں یہ ہیں کہ انگریز امیر دوست محمد خان کو چھوڑ دیں گے، اور افغان ان انگریزوں کو رہا کر دیں گے جو یرغمال کے طور پر انہوں نے روک رکھے تھے۔ ان میں ایک انگریز خاتون لیڈی سیل بھی تھی۔ جس کی خدمات کی تعریف میں ایک انگریز مؤرخ آج تک رطب اللسان ہے یہ لیڈی سیل ہی کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ منڈکو صدر صلح نامہ طے ہوا اور انگریزی فوجیں کابل کو نذر آتش کر کے سلامتی کے ساتھ واپس ہندوستان پہنچ گئیں۔

ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے افغانستان پر دوسری مہم ۱۸۴۶ء میں بھیجی جب کہ وہاں امیر دوست محمد خان کا بیٹا امیر شیر علی خان فرمانروا تھا۔ اس مہم کی وجہ یہ تھی کہ امیر شیر علی خان ترکستان کے روسی حکمرانوں کے ساتھ سیاسی روابط قائم کرنے کی طرف مائل تھا اور یہ بات انگریزوں کو گوارہ نہ تھی جو اس وقت تک برما سے لے کر

درہ خیبر تک اور کشمیر سے لیکر اس کماری تک سارے ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے۔ حملے کا فوری بہانہ یہ تھا کہ افغانوں نے کابل میں انگریزی سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ امیر شیر علی خان اسی سال فوت ہو گیا اور اس کے بیٹوں امیر محمد یعقوب خان اور سردار محمد ایوب خان سپہ سالار افواج کو انگریزوں سے نپٹنا پڑا۔ سردار محمد ایوب خان نے قندھار کے قریب میوند کے مقام پر انگریزی فوج کو شکست دی جو کوئٹہ اور چمن کی راہ سے آگے بڑھی تھی لیکن درہ خیبر کی راہ سے حملہ کرنے والی انگریزی فوجیں گندمک کے مقام تک بڑھ گئیں جہاں امیر محمد یعقوب خان نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ سردار محمد ایوب خان ایران چلا گیا اور چند سال کے بعد اس نے بھی انگریزوں کی مہمان نوازی قبول کر لی اور دونوں بھائی ہندوستان میں رہنے لگے۔ ادھر افغانستان میں امیر شیر علی خان کے بڑے بھائی افضل خان کا بیٹا عبدالرحمن خان جو سولہ سال سے بخارا میں مقیم تھا، شمال کی طرف سے افغانستان کے افغانوں پر نمودار ہوا اور تخت کابل کو خالی پا کر ۱۸۸۰ء میں وہاں کا امیر بن گیا۔ امیر عبدالرحمن نے ہندوستان کی انگریزی حکومت سے دوستانہ روابط قائم کئے۔ اس امیر کے ساتھ انگریزوں نے افغانستان کی حد بندی کا معاملہ طے کیا۔ خطہ ڈیورینڈ ہندوستان اور افغانستان کی نئی حد مقرر ہوا۔ جس کے مطابق شمال مغربی سرحدی صوبے کے آزاد قبائل کی سر زمین اور بلوچستان کا ملک انگریزی مملکت کا جزو شمار ہونے لگا۔ انیسویں صدی مسیح کے آخر تک امیر عبدالرحمن خان افغانوں پر سخت ماتحتی سے حکومت کرتا تھا اور برطانیہ کے سرکاری کاغذات میں اسے ہزبائی نس یعنی نواب زیر حمایت لکھا جاتا تھا۔ امیر عبدالرحمن انگریزوں سے وظیفہ لیتا تھا اور اس شرط کا پابند تھا کہ وہ برطانوی حکومت کی اجازت کے بغیر

کسی دوسری سلطنت سے سیاسی روابط قائم نہ کرے گا۔ گویا ۱۸۸۰ء سے انگریزوں کی ہندوستانی قلمرو کا نفوذ شمال مغرب میں دریا کے بیچوں کے جنوبی کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں امیر عبدالرحمن خان کے جانشین امیر حبیب اللہ خان نے اگرچہ ہزبائی کا شہابی لقب اختیار کر لیا لیکن افغانستان کی خارجہ پالیسی بدستور کی رہی۔

مکمل آزادی کی تحریکیں

افغانستان

عالم گیر جنگ کے خاتمے پر دنیا بھر کی محکوم اور زیر حمایت قوموں میں مکمل آزادی (استقلال تام) کا رتبہ حاصل کرنے کے لئے تحریکیں پیدا ہوئیں۔ اس سلسلے میں ہم افغان کی جدوجہد کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خان کو کسی نے پستول کی گولی کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا۔ امیر حبیب اللہ خان کو جنگ کے دوران میں جرمنوں اور ترکوں نے ہندوستان پر چڑھائی کرنے کیلئے آمادہ کرنے کی بہت کوششیں کی تھیں۔ لیکن امیر حبیب اللہ خان برطانیہ کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں تخت نشین ہوتے وقت برطانوی حکومت سے اپنے کو ہزبائی کہلانے کا حق تو منوالیا تھا لیکن انہیں برطانیہ کے سوا دنیا کے دوسرے ملکوں سے معاہدے طے کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ افغان اپنے ملکوں کی اس حیثیت پر قانع نہ تھے۔ امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد افغانستان کے تخت پر اس کا ایک بیٹا امان اللہ خان بیٹھا جس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ملک کو کامل طور پر

آزاد کرانے کیلئے ہندوستان کی برطانوی حکومت کے ساتھ جنگ پھڑکی۔ تین مہینے کی جنگ کے بعد رادپنڈی کے مقام پر صلح کی عارضی شرطیں طے ہوئیں۔ برطانوی حکومت نے افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کر لی۔ اور افغانستان کو دنیا بھر کی قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرنے کا حق مل گیا۔ امان اللہ خان نے ترکی، روس، ایران، فرانس، جرمنی، اٹلی اور بعض دوسرے ملکوں سے سیاسی اور تجارتی معاہدے طے کر کے افغانوں کو آزاد قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل بنادیا۔ ۱۹۲۷ء میں امان اللہ خان نے یورپ کے ملکوں کی سیاست شروع کی۔ مصر، اٹلی، فرانس، جرمنی، برطانیہ، روس، ترکی اور ایران کے حالات کا معائنہ کیا۔ ہر جگہ ان کی خوب خاطر مدارات ہوئی۔ امان اللہ خان اس سفر سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے واپس آکر ترکی کے مصطفیٰ کمال کی طرح اپنے ملک کی کیفیت کو راتوں رات تبدیل کرنے کی ٹھان لی اور جوش مضبوطی کے ساتھ اصلاحات نافذ کرنے لگے۔ امان اللہ خان کی غیر عارضی میں افغانوں کے اندر ان کے شاہی اقتدار کے خلاف کئی طرح کی سازشیں گھر گھر گئی تھیں۔ نوجوان طبقہ آئینی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ایک پارٹی جمہوریت خواہوں کی تھی۔ بعض سردار اس قومی اضطراب کو اس خیال سے ترقی دینے لگے تھے کہ شاید اس گروپ میں ان کو شخصی اقتدار حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ امان اللہ خان کے اصلاحی پروگرام سے ملاؤں کا قدامت پسند طبقہ بہت برا فروختہ ہوا جو بعض اصلاحات کو دین اسلام کے مسلمات کے خلاف سمجھتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں یہ مختلف نوعیت کے مواد پھٹ پڑے۔ افغانوں نے امان اللہ خان کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔

ہر پارٹی یہ سمجھتی تھی کہ اختلال اور بد امنی ان کی امنگوں کو بروئے کار لانے پر منتج ہوگی۔ لیکن ملاؤں اور سردوں نے اپنے اثر سے ایک جابل لیکن بہادر باغی سپاہی حبیب اللہ خان عرف بچہ سقہ کو کابل میں بادشاہ بنادیا۔ بچہ سقہ کوہ دامن کا رہنے والا تھا۔ اس لئے سمت شمال کے لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ امان اللہ خان نے قندھار کو مرکز بنا کر کابل پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سرداروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور وہ اپنے ملک سے بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے اٹلی چلے گئے اندریں اٹنا سردار محمد نادر خان جو ۱۹۱۹ء میں افغانی افواج کے سپہ سالار اور وزیر جنگ تھے اور بعد میں افغانستان کے سفیر بن کر پیرس چلے گئے تھے۔ برطانوی حکومت سے ساز باز کر کے ہندوستان کی راہ سے افغانستان کی سرزمین میں پہنچ چکے تھے۔ سردار محمد نادر خان اور ان کے بھائیوں نے افغانستان کے صوبہ سمت جنوبی سے بچہ سقہ کے خلاف مہم جاری کی اور کابل فتح کر لیا۔ کابل کے لوگوں نے انہیں اپنا بادشاہ بنالیا۔ لیکن سمت شمالی کے لوگوں نے انہیں بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ محمد نادر شاہ نے کوہ دامنیوں کی بغاوت کو مضبوط ہاتھوں سے فرو کیا اور افغانوں کے بعض ایسے سرداروں کو جو اپنے کو ان کا سریف سمجھتے تھے قتل کر دیا۔ نوجوان طبقے کا خیال تھا کہ محمد نادر شاہ بچہ سقہ کو شکست دینے کے بعد جمہوریت نہیں تو آئینی قومی حکومت ضرور قائم کریں گے لیکن یہ بات ملک کے فحش حالات میں اس وقت ممکن نہ تھی۔ اس لئے اس طبقے کے افراد بھی بد دل ہو گئے، محمد نادر شاہ اور ان کے بھائیوں نے ہر قسم کی شورشوں کو طاقت سے دبا دیا۔

اور ملک کا نظام درست کیا۔ ۱۹۳۲ء میں محمد نادر شاہ نے ایک قسم کی مجلس شورا کے ملی بھی قائم کر دی اور تخت شاہی کے اعلان اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ان کے متعلق برطانیہ کے زیر حمایت بادشاہ بننے اور افغانستان کی مکمل آزادی کو صدمہ پہنچانے کے متعلق جو شبہات کھینچے جاتے تھے وہ صحیح نہ تھے، لیکن ان کی ذات کے خلاف بعض لوگوں کے دلوں میں شدید بغض بھر چکا تھا جس کا نتیجہ ۱۹۳۳ء میں ان کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا۔ قاتل ایک نوجوان طالب علم تھا۔ محمد نادر شاہ قتل ہو گئے لیکن حکومتی انقلاب برپا کرنے کی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ افغانوں نے ان کی جگہ اُن کے بیٹے محمد ظاہر شاہ المتوکل علی اللہ کو بادشاہ بنا لیا۔ ۱۹۳۴ء میں افغانستان جمعیت الاقوام کا رکن بن گیا۔ اور محمد ظاہر شاہ کی حکومت نے اپنے ہمسایہ ملکوں اور دنیا کی دوسری بڑی طاقتوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے طے کیے، افغان قوم اس بادشاہ کے عہد میں معتدل رفتار کے ساتھ اصلاح و ترقی کے پروگرام کو عمل کا جامہ پہنانے لگی۔

محمد ظاہر شاہ نے تقریباً اکتالیس برس بادشاہت کی اور جولائی ۱۹۷۳ء میں اُسے معزول کیا گیا۔ اور اس کا چچا زاد بھائی سردار محمد داؤد خان افغانستان کا حکمران بنا۔

داؤد خان کو ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء میں فوجی بغاوت کے انقلابی کونسل نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اور نور محمد ترمہ کئی جو نسلا ایک افغان قبیلہ سلیمان خیل سے تھا، کو صدر بنایا گیا۔ داؤد خان کے قتل کے ساتھ ہی سردارانِ پشاور کا سلسلہ ختم ہوا۔

یوسف زئی اور انگریز

انگریزوں نے سکھوں کی حکومت کو ختم کرتے ہوئے ۱۸۴۹ء میں پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ جس پر سکھ حکومت کرتے تھے قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ تھوڑے دنوں کے بعد یوسف زئی کا بہت سا میدانی علاقہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اور میجر جارج لارنس جس کا ذکر سکھوں کے عہد میں کیا جا چکا ہے۔ پہلا ڈپٹی کمشنر پشاور مقرر ہوا۔ انگریز لشکر کی کمان سرکون کیمل کو رہا تھا، جو بعد میں لارڈ لائٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ پشاور میں انگریزوں کی آمد کے بعد علاقہ یوسف زئی میں ایک عرصہ تک خاموشی رہی۔

انگریزوں کی آمد کے پہلے سال ہی اخوند صاحب سوات نے علاقہ سوات کے قبائل کو منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اور انہوں نے پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کی بیعت کا اعلان کیا جس کو خواتین سوات نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا سید اکبر شاہ کے عہد میں بجائے اس کے کہ ملت مجتمع ہوتی اختلافات مٹاتے اور مزید ملکی انتظامات کرتے، بد قسمتی سے جب ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی) کی اطلاع پشاور پہنچی تو سید اکبر رعلت فرما چکے تھے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے سید مبارک شاہ اور اخوند صاحب کے فرزند عبدالرحمان نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور جلد ہی مذکورہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ سید مبارک شاہ سوات سے نکل کر پہلے پنجتار بعد سستہانہ میں مقیم ہو گئے۔

انگریز نے یوسف زئیوں کے میدانی علاقے میں جنگ و جہل کی بجائے تدبیر عیاری اور مال و دولت سے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی سو کہ یوسف زئی کے دو قبیلوں یعنی خدوخیل جس کی قیادت مقرب خان بھٹ کی فتح خان پختا کر کر رہا تھا اور محمود زئی (ماموڑی) کی قیادت رحیم خان بن میر بابا علی خیل ماموڑی رزڈ ساکن نواں کلی، انگریز نے ماموڑی یا محمود زئی پر حملہ کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک ہی جہت میں دونوں کے مخالفت کا فائدہ کر دیا جائے لیکن اقدام کے بعد پتہ چلا کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یوسف زئی کے دونوں قبیلے پوری ہمت اور ہواغریزی سے ہم اپنے رفقاء کے مقابلہ پر اتر آئے اور مات خور، شرمی، بنگراہ مضافات اسوٹا اور شیخ جانہ و نارنجی میں اس شدت سے مقابلے کرتے رہیں کہ انگریز کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کا بہت سامان جنگ اور گھوڑے غازیوں کے ہاتھ آئے۔ انگریز نے پھر بڑی شدت سے شیخ جانہ پر حملہ کیا۔ مقرب خان خود کسی ناگزیر حالات کے پیش نظر اس مقابلہ میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ البتہ اس کے دو بھائی مدد خان اور غفور خان لشکر لئے آئے تھے۔ ان یوسف زئیوں کو کمک بھی نہ پہنچ سکا۔ توپ کے گولے سے مدد خان شہید ہوا اور اس کی لاش کو اس کا بھائی غفور خان ہمہ چھینے ہوئے انگریزی گھوڑوں کے پنجاب لے گیا۔ رحیم خان کا دست راست نواب خان بن منصور ساکن نواں کلی راقسم الحروف کا پرودا بھی توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس شہید کے ٹکڑوں کو کسبل میں لپیٹ کر آبائی گاؤں نواں کلی (تحصیل صوابی) پہنچا کر سپرد خاک کیا گیا۔ ماموڑی کے کئی سرکردہ جو جنگ میں گرفتار ہوئے انگریز نے ان کو سر دست و رختوں سے لٹکا کر

پھانسی دی جن میں صرف دو آدمیوں کے نام مل سکے ہیں۔ شادول ولد پور دل اور ظریف خان ولد آمو خان ساکنان اسوٹا ماموڑی اکاخیل۔ ماموڑی اور خدوخیلوں نے حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے مصلحتاً پہاڑوں کی طرف ہٹ کر مقابلہ کیا اور انگریز نے پنجاب پر موضع سلیم خان کی جانب سے طوطالی کی طرف پڑھائی کی۔ مقرب خان بھٹ نکلنے میں کامیاب ہوا جبکہ رحیم خان کو نوگرام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور نواں کلی بمقام غنڈی جہاں انگریز کا کیمپ تھا لایا گیا۔ اسماعیل خان بن بکسر خان اکوخیل منڈر اور میاں عنوان الدین قیاس خیل میانا موضع اسماعیل ڈھیری رزڈ نے اس کے رہائی کی سفارش کی اور اس پر دباؤ بھی ڈالا کہ وہ انگریز کی اطاعت قبول کر لے لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔ رہائی کے بعد جاگیر کی پیشکش کی گئی جسے اس نے ٹھکرا دیا، اور بعدہ خاموش زندگی بسر کرتے ہوئے نواں کلی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

الفرض کامیابی کے بعد پھر انگریز نے نواں کلی اور شیخ جانہ کے درمیان بمقام اولو بانڈہ اپنا کیمپ نصب کیا۔ وہاں پر پھانسی کا بندوبست کیا اور مزید کئی سرکردہ آدمیوں کو وہاں لے جا کر پھانسی دی۔ پھر اس کے بعد ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز نے پنجاب پر حملہ کیا شدید جنگ ہوئی، اس جنگ میں قبائل کی امداد و اعانت میں ہندوستانی مجاہدین بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ جن کی قیادت مولوی نعمت اللہ کر رہے تھے۔ اور خدوخیل کی قیادت مقرب خان کا چچا زاد بھائی میر باز خان ساکن چنگل کر رہا تھا جو مارا گیا۔ مجاہدین کے ایک قائد اور ایک خدوخیل ناک کو پھانسی دی گئی۔ اور دو گاؤں کو نذر آتش کرنے کے بعد انگریز واپس چلا گیا۔

۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے دوبارہ نارنجی پر حملہ کیا اور پھر ہتھیار
کا مظاہر کرتے ہوئے وہاں کی آبادی کو ہاتھیوں کے ذریعے مسبار
کر دیا۔ برہمنوں کو بارود سے اڑا دیا۔ اور پچاس مجاہدین ایک جگہ شہید ہو
اور وہیں ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے۔ نارنجی کا ایک ملک میرنن
کو زندہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ جنگیں ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء
تک جاری تھیں۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انگریزوں نے اس
دوران اپنا رعب و وقار قائم رکھنے کیلئے پشاور میں تاجپوروں سے
حکومت کے نام پر قرض بھی مانگا اور چار لاکھ روپیہ وصول کرنے
میں کامیاب رہا۔

اکتوبر ۱۸۵۷ء میں اسسٹنٹ کمشنر مردان مسٹر ہورن شیخ جانہ
کا دورہ کر رہا تھا۔ کہ مجاہدین کے قائد مبارک خان بن میر باز خان شہید
خود خیل ساکن چنگلنی نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمشنر خود تو ایک نابالغ بچہ
گیا اور اس کے چند ساتھی مارے گئے۔ جس سے انگریزوں کو لشکر کشی کا
بہانہ مل گیا۔ اور ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو نوشہرہ کے قریب لشکر کا
اجتماع ہوا۔ اسی دوران ایڈورڈز نامی ایک انگریز افسر کو موضع سلیم خان
روانہ کیا گیا۔ تاکہ وہ وہاں کے باشندگان کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ
کرے اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا۔ ۲۴ اپریل ۱۸۵۸ء کو
جب نوشہرہ سے لشکر موضع سلیم خان پہنچ کر پنجتار کی طرف اقدام
کرنے لگا تو خوانین طوطالی نے انہیں خوش آمدید کہا اور مقرب خان
کو گرفتار کرنے کیلئے انگریزوں سے مل گئے۔ مقرب خان پنجتار سے نکل کر
چنگلنی پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے پنجتار کو زندہ آتش کیا اور اس
کے تعاقب میں چنگلنی کی راہ لی۔ چنگلنی پہنچ کر مبارک خان کے مضبوط
قلعے کو خالی پا کر زندہ آتش کیا۔ اور آبادیوں کو پیوند زمین کرتے ہوئے

واپس موضع سلیم خان کی طرف لوٹ آیا۔ وہاں سے مشکل تھانہ
جہاں مجاہدین آباد تھے، کو برباد کرنے کی ٹھانی اور ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء
کو اقدام کیا طوطالی کے دوسو باشندے بندوقیں لئے ساتھ تھے
۳۰ اپریل کی صبح کو وہاں کی آبادی کو بارود سے اڑا کر انگریز افسر
وہاں سے واپس لوٹے۔

اس سال انگریزوں نے اپنے بل بوتے اور طاقت پر بعض سرحدی
قبائل سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقوں
میں آباد ہونے کی اجازت نہ دیں گے تو مجاہدین نے ستھانا کو خالی
کر کے ملک میں آبادی قائم کی۔ اور ۱۸۶۱ء میں مجاہدین پھر اس
علاقہ میں جن سے وہ نکالے جا چکے تھے قابض ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء
میں انگریزوں کے دو آدمی کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوئے
تو اسے پھر حرکت کرنے کا موقع ملا اور اس واردات کو سید مبارک شاہ
کی سادش قرار دیا۔ چنانچہ انگریزوں نے ہندوستانی مجاہدین کے خلاف
اقدام کا فیصلہ کیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ انھوں صاحب سوات اور
مجاہدین میں چونکہ اعتقادی اختلافات ہیں۔ اس لئے وہ مجاہدین
کی پشت پناہی نہ کریں گے جس سے مجاہدین کو سوات اور بونیر کے
علاقوں سے امداد نہ مل سکے گی۔ اور مٹھی بھر مجاہدین کو ٹھکانے
لگانا آسان ہو گا اور دوسرے قبائل پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ مجاہدین
بھی بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے یوسف زئیوں کو بھی انگریزوں کی چال
بازیوں سے آگاہ کرنے کے لئے خطوط لکھ کر بیدار کرنے کی سعی کی
ان میں ایک خط بقول مصنف "ستھانا" انگریزوں کے ہاتھ لگا۔
جس کی عبارت یوں بیان کی جاتی ہے:-

"یہ بدکردار کا فہم اس خط انگلزار خاص کہ علاقہ جات چلہ

بونیئر سوات وغیرہ کو لوٹ کر تباہ و برباد کرنے کے بعد اپنی مملکت سے اس کا الحاق کر لیں گے۔ اس طرح ہمارا دین و دنیاوی تمام مال و متاع پامال کر دیا جائیگا۔ ان حالات میں حرمت اسلام، تحفظ تعلیم اسلام دینی اور دنیاوی معاملات کے پیش نظر آپ اس موقع کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں۔ یہ کافر عدو درجہ کے دھوکہ باز اور فریبی ہیں۔ اور جن طور طریقوں سے بھی ہوسکا وہ ان پہاڑیوں میں پہنچ کر افغانوں کے سامنے اعلان کریں گے کہ ان کا ان قبائل سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ صرف ہندوستانیوں (مجاہدین) سے ٹھٹھا چاہتے ہیں۔ اور تم کو کسی طرح کی تسکین نہ دیں گے۔ حتیٰ کہ تمہارے سر کے ایک بال کو بھی نہ چھوا جائیگا۔ بلکہ وہ ہندوستانیوں (مجاہدین) کو بلیا مٹانے کے بعد فوراً واپس لوٹ جائیں گے اور اس ملک میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ وہ افغانوں کو مال و دولت کا لالچ بھی دیں گے۔ اب یہ کام آپ کے کران کے کمر و قریب میں نہ آئیں ورنہ جو بھی انہیں موقع ملا۔ وہ آپ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ مصائب گرائیں گے اور عزت و آبرو سے محروم کرتے ہوئے آپ کی تمام دولت اور مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔ اس وقت سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اس معاملہ کی اہمیت آپ پر واضح کر رہے ہیں۔

دونوں طرف سے سرکٹ شروع ہوئی۔ اور ۳ ستمبر ۱۸۹۳ء کو

مجاہدین نے اپنے قائمین محمد عبداللہ اور ملک عیسیٰ خان گدون کی سرکردگی میں موضع ٹوپی تحصیل صوابی میں مقیم انگریزی فوج (گانڈل) پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج کیلئے راہ فرار کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو ایک انگریز مصنف میسن کو لکھنا پڑا کہ "یہ فساد ہمہ گیر اور شرمناک تھا۔ وہاں سے ہٹ کر مجاہدین نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے مورچے سنبھال لئے۔ اس دوران انگریز لشکر کا اجتماع ہوتا رہا اور پوری رازداری سے کام لیا جانے لگا۔ کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ اقدام کس طرف ہوگا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو جنرل چیمبرلین نے صوابی پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸ اکتوبر کو شیردرہ اور درن کی طرف کوچ شروع ہوا۔ ۱۹ اکتوبر کو کمشنر پشاور نے ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ اطلاع دی کہ انگریز صرف ہندوستانی مجاہدین کو سزا دینا چاہتا ہے۔ افغانوں سے تعرض نہیں۔ مگر اس کا الٹا اثر ہوا اور یوسف زئی نے اپنے وطن عزیز کی سرزمین پر انگریز لشکر کی یلغار کو برداشت نہ کیا۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو لشکر براستہ نواں کلی روانہ ہوا تو ۲۰ اکتوبر کو اُمبیدہ جا پہنچا اور درہ کے آخری سرے پر کیمپ نصب کر دیا۔ ۲۱ اکتوبر کا دن منصوبہ بندی میں گزرا۔ ۲۲ اکتوبر کو گھوڑہ سواروں کے دستے چھل کی طرف اقدام کرنے لگے۔ اور جب شام کے قریب یہ سوار واپس لوٹے تو یوسف زئیوں نے پہاڑیوں سے اتر کر انہیں نہ صرف پریشان کیا بلکہ تعاقب میں انگریزی کیمپ تک جا پہنچے نصف رات گزرنے پر یوسف زئی واپس لوٹ گئے۔

دوسرے یوسف زئی قبائل بھی میدان جنگ میں کود پڑے۔ حتیٰ کہ انونڈ صاحب کی سرکردگی میں مجاہدین نے ہلہ بول دیا۔ بونیئر اور

سوات کے علاوہ دیر اور باجوڑ سے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا گیا۔
 ہندوستانی مجاہدین اور یوسف زئی پہلو پہلو اختلاف و طعن
 کے لئے سینہ سپر دکھائی دے رہے تھے۔ ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ اکتوبر کو
 پھر شدید جنگ ہوئی انگریز چوکیاں مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر میں
 تھیں اور ایک مضبوط چوکی کیپ سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر
 ایگل فٹ کے نام سے پہاڑ پر قائم کی اور ساتھ ہی تازہ دم لشکر
 کے انتظار میں لگا رہا۔ ۲۹، ۳۰ اکتوبر کی درمیانی شب کو مجاہدین نے
 مذکورہ چوکی پر بڑی شدت سے حملہ کیا۔ انگریز کے پاؤں اکھڑ گئے اور
 ان کے ۲۹ اشخاص مارے گئے، ۹۲ زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے
 ۳۱ اکتوبر کی صبح کو چوکی پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲ نومبر کو باجوڑ کے لشکر نے
 ایک دوسری چوکی کو یک پر حملہ کر دیا۔ رات بھر لڑائی ہوئی رہی اور
 ۱۳ نومبر کو مجاہدین نے چوکی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن انگریز نے تو پختانہ
 سے اس شدت سے حملہ کیا کہ مجاہدین اس چوکی کو خالی چھوڑ گئے
 انگریز نے تمام چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے لشکر بلا کر تمام طاقت
 کو یک پر جمع کر دی۔ یوسف زئیوں نے پے در پے حملے کئے اور انگریز
 لشکر کے کمانڈر چیمبرلین کو زخمی کرتے ہوئے کو یک پر قبضہ کر لیا۔
 یوسف زئی جس ہمت اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے اس کا ذکر لاڈلہ برٹش
 نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

”ہم مسلسل تین ہفتوں تک روزانہ حملے ہوتے رہے
 اور دشمن نہایت بہادرانہ طریقہ پر جنگ کرتا رہا۔ ان
 میں سے کسی ہمارے توپ خانہ کے حلقے میں پہنچ کر مارے
 گئے۔ دو دفعہ انہوں نے کو یک کی چوکی پر قبضہ کیا جو ہمارے
 تحفظ کی کنجی تھی۔ اور جسے ہر ایک قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا

ضروری تھا۔ دوسرے حملے میں جنرل چیمبرلین نے خود لشکر
 کی قیادت کی لیکن سخت زخمی ہو کر لشکر کی قیادت چھوڑ
 دینے پر مجبور ہوا۔“

اس سلسلے میں لاڈلہ مذکور مزید لکھتا ہے کہ :-
 ”یوسف زئی قبائل اکثر اوقات انگریز لشکر کے کمانڈروں
 کو آواز دیتے تھے کہ ”ہمیں تمہاری ضرورت نہیں وہ
 لال پگڑی والے کہاں ہیں۔ اور وہ گورہ لوگ کہاں ہیں
 وہی ہمارے بہترین شکار ہیں“ قبائلیوں نے جلد ہی
 سکھ اور انگریزوں کو پہچان لیا جو اگرچہ جنگ آزما تھے
 لیکن ان پہاڑیوں میں بے بس نظر آنے لگے اور اپنا
 سرتک نہ چھپا سکے۔“

انگریز جان چکا تھا کہ فتح آسان نہیں تھی۔ جنگ نے بھی طول
 پکڑا، چنانچہ اس نے فریب کاری اور چال بازی سے کام لینا چاہا پوٹیکل
 افسر اس کام میں مشغول ہو گئے۔ اختلافات کو ہوا دی جانے لگی۔
 رفتہ رفتہ یوسف زئی قبائل میدان جنگ سے واپس لوٹنے کی فکر میں
 لگ گئے۔ جس سے لامحالہ ان کی طاقت کمزور ہونا شروع ہوئی۔
 انگریز بونیئر کے چند خواتین کو اس پر رضامند کرانے کی کوشش میں تھا۔
 کہ وہ انگریز لشکر کے ساتھ ہو کر اذ خود ملکا کو نذر آتش کر دیں، اخوند
 صاحب مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ گو کہ ان کے ساتھیوں میں کمی واقع ہو
 چکی تھی۔ انگریز نے انہیں ہتھیار پھینک دینے یا لوٹ جانے کا مشورہ
 دیا جو انہوں نے ٹھکرا دیا اور جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر کاربند
 رہے۔ چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی۔ اخوند صاحب جان چکے
 تھے کہ انگریز ملکا کو نذر آتش کرنے پر رضامند ہے تو انہوں نے

یہ شرط پیش کر دی کہ انگریز ملکا کے باہر کے ایک کوٹھے کو آگ لگا کر واپس لوٹ جائے تو وہ بھی میدان جنگ سے اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلے جائیں گے ورنہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے۔ انگریز نے یہ شرط مان لی جس پر چھ انگریز افسر گائڈز فوج کے کچھ سپاہی لے کر نوائین بونیر کی قیادت میں موضع ملکاپہنچے تو گاؤں کے باہر ایک جھونپڑے کو نذر آتش کر کے واپس لوٹ آئے۔

۷۔ داجیلے کبیر سار بے شول

چھٹے خوراک و دھواؤں لہو مونونہ

انگریز کی اتنی شدید جنگ لڑنے کے بعد صرف ملکا کے ایک معمولی بھونپڑے کو نذر آتش کر کے لوٹ آنے پر رضامندی اس کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جس میں خود ایک انگریز مصنف ڈبلیو ہنٹر کی تحریر کے مطابق چودہ انگریز افسر اور ایک ہزار سپاہی کام آچکے تھے۔ اور ایک دوسرے مصنف "پکٹ" نے لکھا ہے کہ:-

"افغانوں کے خلاف ۱۸۴۹ء سے ۱۸۹۰ء تک کے دوران

بالیس مرتبہ فوج کشی کی گئی جس میں اس کے ۲۱۷۳

آدمی کام آئے اور پھر اس میں ۹۰۸ صرف معرکے امبیلہ میں

مارے گئے تھے۔ اور اس طرح اس اہم ترین معرکہ کا خاتمہ

ہوا"

معرکہ امبیلہ کے بعد ہندوستانی مجاہدین میں کچھ انتشار پیدا ہوا۔ ایک حصہ بونیر میں ہی رہا اور دوسرا علاقہ چتر زئی کو کوچ کر گیا۔ انگریز نے بھی پولٹیکل افسر کی وساطت سے دخل اندازی کی۔ انھوں صاحب سوات اور ان کے مخالفین میں جنگ ہوئی۔ مخالف جماعت کا سرغنہ مارا گیا تو انھوں صاحب کیلئے میدان صاف تھا۔ مجاہدین کو

کو نکال دیا۔ باہر کر کے ہزارہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔

اس معرکہ کے بعد یوسف زئیوں کا انگریز کے ساتھ آٹھ نو سال تک کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا البتہ مختلف قبائل سے انفرادی حیثیت میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ بونیر کے قبیلہ عائشہ زئی نے ضلع مردان کے موضع پیر سائے کو نذر آتش کیا تو ان کی ناکہ بندی ہوئی اور جب انہوں نے چلے ہوئے گاؤں کو تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تو ناکہ بندی اٹھالی گئی۔ عجب خان موضع چارگلی جو ملکامیر و پیر حسن کی اولاد میں سے تھا، مکی انگریز سے بگاڑ کی صورت میں بونیر میں مقیم رہا۔ اس کی سرکردگی میں بونیر کے قبائل نے چند مرتبہ سدھوم پر حملے کئے تو اسے گرفتار کیا گیا۔ اور عدالت نے اسے سزائے موت دی۔

اس کے بعد بونیر کے قبائل کو مقبوضہ علاقوں میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا گیا، جس کے دوران جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ۱۸۸۶ء میں صلح ہو گئی۔ قبیلہ عائشہ زئی نے لوٹ کا مال واپس کر دیا اور قبائل نوری زئی و دولت زئی نے آئندہ حملہ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا لیکن اگست ۱۸۹۷ء میں یوسف زئیوں نے ملاکت پر حملہ کر دیا تو بونیر والوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور لٹاکے (سوات) کے مقام پر انگریز سے مقابلہ ہوا۔ انگریز نے بونیر والوں کی وعدہ خلافی پر پرنسل سرینڈن بلڈ کی سرکردگی میں ۷ جون ۱۸۹۸ء میں بھاری لشکر کے ساتھ بونیر کے سالانہ زئیوں کے علاقہ پر اقدام شروع کیا۔ وہ تنگا پر قبضہ کر لیا۔ دوسرا لشکر پیر سائے کے راستہ سے درہ امبیلہ سے گزر کر چھلکے کے علاقہ دکھائی دینے لگا۔ اس دفعہ یوسف زئی کی طاقت کم تھی۔ چنانچہ دادئی بونیر کو روند ڈالا گیا۔ اور بارہ دن اس حکمت عملی پر عمل ہوتا رہا۔ بالآخر سرداران یوسف زئی قبائل سالانہ زئی

عائشہ زئی، نگہی زئی، دولت زئی، نوری زئی اور نسوزئی نے جرمانہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی، تو ۱۹ جولائی ۱۸۹۸ء کو انگریز لشکر واپس لوٹ آیا۔

پھر ۱۹۱۳ء میں درہ امبیلہ میں دو انگریز افسروں پر کسی نے گولی چلا دی تو انگریزوں نے لشکر کشی کی اور فروری ۱۹۱۴ء کی ایک رات کو درہ ملندری کو عبور کرتے ہوئے بونیر کے موضع نوے کھلے اور زندگی خان کو جابر باد کیا اور سات ہزار روپیہ جرمانہ لگا کر لشکر واپس لوٹا۔

اول جنگ یورپ کے دوران علاقہ اشغر کے مشہر عالم دین حاجی صاحب شرینگڑی جون ۱۹۱۵ء میں مقبوضہ علاقہ سے نکل کر باجوڑ جا پہنچے۔ جاتے ہی انہوں نے انگریز کیخلاف محاذ قائم کیا اور جلد ہی ان کا لشکر پیرسائے، ملندری اور درہ امبیلہ میں دکھائی دینے لگا۔ انگریز لشکر ۱۶ اگست ۱۹۱۵ء کو رستم جا پہنچا۔ ہاشنگان بونیر بہادری سے لڑے لیکن کوئی اہم فیصلہ ہونے بغیر حاجی صاحب ترنگڑی واپس لوٹ گئے۔ مہندوں کا محاذ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ آخر کار یوسف زئی قبائل انگریز کی شرائط ماننے پر مجبور ہو گئے جرمانہ ادا کرنے کا اقرار ہوا۔ تو لشکر واپس لوٹ گیا اور ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی تحریکات کی وجہ سے سرحدی علاقہ میں کوئی پھیل نہ ہوئی۔

حالات یونہی چلتے رہے۔ ادھر ریاست سوات کے حدود کو وسعت دی جا رہی تھی اور ۱۹۲۴ء میں بعض نوآمین بونیر کی مرضی سے عبدالودود بادشاہ سوات نے اس پورے علاقے کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے محکمہ سروے نے اس

علاقہ کی دیکھ بھال کی: ۱۹۲۷ء میں انگریز اور بونیر کی سرحد پر نظر ثانی ہوئی اور اس کے بعد اس علاقہ میں سڑکیں تعمیر ہوئیں علاج و معالجہ کی سہولتیں میسر آئیں۔ تعلیم کا نظام رائج ہوا اور بونیر وچھ کا علاقہ خطرات سے محفوظ ہو گیا۔

عمر خان جندولی

دادی جندول اندازاً آٹھ میل طویل اور چار میل عریض ہوگی۔ جو دریا نے پنجکوڑا سے میدان تک کے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۸۷۹ء میں عباس خان خان جندول کی وفات پر عمر خان نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ یہ وہ عمر خان ہے جس کا دادا فیض طلب خان مکرہ امبیلہ ۱۸۷۳ء میں جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ باجوڑ سے لشکر لیکر تابل جنگ ہوا تھا۔ ادھر انوند صاحب سوات کی وفات ۱۸۷۷ء پر ان کے بڑے لڑکے میاں عبدالحنان نے سوات کی عنان اختیار ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، عمر خان نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں گل کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ اور ۱۸۸۲ء میں اردگرد کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ خان دیر کی نصف ریاست بھی اس کے قبضہ میں آگئی۔ اس نے نہایت منظم طریقہ سے حکومت کا آغاز کیا۔ اور انگریز سے اسلحہ طلب کرتا رہا۔ اور جب اس نے بمبئی کے ایک سکاچ کمپنی سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو مسٹر ڈین کمشنر پشاور نے مداخلت کرتے ہوئے لڑکوا دیا۔

انگریز مؤرخین نے اپنی تحریروں میں عمر خان کو افغان نبوین سے نام سے یاد کیا ہے۔ اس نے تحفظ ریاست کیلئے دیگر انتظامات کے ساتھ ساتھ بہترین قلعے بھی تعمیر کرائے۔ بد قسمتی سے میاں گل

کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے اور اس نے خان دیر سے صلح کر لی جو عمر اخان کیلئے مشکلات کا پیش خیمہ تھی۔ تاہم اس نے ہمت نہ ہاری۔ اور ترقی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ حکومت افغانستان کو بھی خطرہ لاحق ہوا تو کابل کی طرف سے ایک مذہبی پیشوا مکرانی ملا اس علاقہ میں آنسو دار ہوا۔ اس نے عمر اخان کے خلاف آگ کو ہوا دی۔ اور دیر، نو اگئی، سوات، اتمان خیل اور ترکلانی قبائل، سالار زئی اور چھوٹا میمونند اجتماعی حیثیت میں مقابلہ پر اتر آئے۔ عمر اخان نے جنگ بھی کی اور ساتھ ساتھ اس تمام میں باہمی کشمکش بھی پیدا کر دی۔ مخالفین منتشر ہو گئے مکران ملا بھی اس علاقہ سے نکل گیا اور بالآخر ۱۸۹۰ء میں عمر اخان اپنے اقتدار کے عروج تک پہنچ گیا۔ اس نے سوات پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ پورے دیر کے علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ حتیٰ کہ خان دیر محمد شریف خان کو سوات میں جا کر پناہ لینا پڑی۔

اس دوران چترال کے حکمران خاندان کی آپس میں کشمکش ہوئی اور مہتر چترال امان الملک کا نوجوان لڑکا امیر الملک بھاگ کر علاقہ جندول میں پناہ گزیں ہوا۔ اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۱۸۹۴ء میں واپس وطن لوٹ گیا۔ اس وقت اس کا بھائی نظام الملک مہتر چترال تھا، اس نے جا کر اُسے قتل کر دیا۔ اور جون ۱۸۹۵ء میں اپنی مہتری (بادشاہت) کا اعلان کر دیا۔ انگریز پہلے ہی سے اپنے دستے وہاں اپنے تحفظ کے لئے قائم کر چکا تھا۔ شہزادہ نے انگریز سے اپنی حکمرانی تسلیم کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انگریز افسر نے مرکز سے ہدایت طلب کر لی۔

اس دوران عمر اخان اپنا لشکر لئے چترال کی طرف چل پڑا۔ مہتر چترال یہ سمجھ کر کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آ رہا ہے۔ اپنا لشکر لئے مقابلہ کیلئے آیا لیکن عمر اخان کے منظم لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ عمر اخان نے دروش پر قبضہ کرتے ہوئے وہیں قیام کیا۔ اور چترال پر خود قبضہ کرنے کے بجائے امیر الملک کے چچا شیر افضل کو مہتر بنا کر اس سے وعدہ لیا کہ وقت ضرورت دونوں مل کر مخالفت کا مقابلہ کریں گے۔

انگریز ہمیشہ سے عمر اخان کے جدید طرز کی حکومت کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ اُسے پوری طرح علم ہو چکا تھا کہ اس کا لشکر عام یوسف زئی قبائل کی طرح غیر منظم نہ تھا۔ چنانچہ اُسے فکر ہوئی کہ کہیں عمر اخان چترال سے پشاور کی سرحد تک تمام قبائلی علاقہ پر اپنا تسلط نہ جما لے۔ اس نے مہتر شیر افضل کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ الفاظ غیر موزوں درخواست میں استعمال کئے گئے تھے۔ ساتھ ہی عمر اخان کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ شیر افضل نے انگریز کے چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ایک ہی جست میں چودہ نمبر سکھ رجمنٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور انگریز افسروں کو قیدی بنا لیا۔ قلعہ کے سپاہی محاصرہ میں لے لیے گئے۔ اور جب اُن دو انگریز افسروں کو عمر اخان کے بھائی عبد المجید خان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دھوکہ سے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ عبد المجید خان نے گرفتار کرنے والوں کی مذمت کی۔ شیر افضل بھی عزت و احترام سے پیش آیا۔ اور بالآخر اُن کو عمر اخان کے پاس دروش بھیج دیا گیا۔ اور دوسرے روز جب عمر اخان واپس لوٹ

رہا تھا۔ تو ان افسروں نے بخوشی اس کے ساتھ جانے کی پیشکش ظاہر کی اور وہ عمر اخان کے قلعہ برفا پہنچ گئے۔ راستہ میں ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ اور پھر عمر اخان کے پاس وہ دو ہفتے رہے۔ اس دوران بھی ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ جس کا اعتراف ان افسروں نے خود کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر اخان کی نیت انگریز کے حق میں خراب نہ تھی تاہم انگریز جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے اس کی منظم جنگی طاقت سے ہمیشہ خائف رہا اس لئے اس نے عمر اخان پر شکوکشی کا فیصلہ کیا۔

۱۹ مارچ ۱۸۴۵ء کو انگریز لشکر کا اجتماع پشاور میں شروع ہوا۔ بعد میں نوشہرہ منتقل ہوا اور یکم اپریل ۱۸۴۵ء کو جب اس لشکر نے اقدام کیا تو اس میں ایک اندازے کے مطابق تین ہریگیڈ جن میں نصف انگریز اور نصف دیسی فوج، گھوڑ سواروں کے دو رسالے، چار پہاڑی توپ خانے اس کے ساتھ پائینر اور سپر مائنرز مدد تین رجمنٹیں رسل و رسائل کی دیکھ بھال کے لئے جن کی کمان لفٹیننٹ جنرل سر رابرٹ ٹو کے ذمہ تھی، شامل تھے اور ساتھ پانچ دیگر ہریگیڈز جنرل تھے۔ یہ عظیم الشان لشکر ان افغانوں کے خلاف روانہ ہو رہا تھا۔ جن کے پاس صرف خنجر، پتھر اور پرانی قسم کی بندو قیں کے سوا کچھ نہ تھا۔

نوشہرہ سے شکر نے کوچ کیا۔ تو اسے سرحدی پہاڑیوں کو عبور کرنے کیلئے درہ مورہ، درہ شاہ کوٹ اور درہ مالاکند کے تین راستے دکھائی دیتے تھے اور ان تینوں پر یوسف زئی مورچے باندھے سینہ سپر نظر آئے۔ ایک حصہ لشکر کو بائی زئی کی جانب روانہ کیا گیا، جس میں گھوڑ سوار تھے اور ہدایت تھی کہ وہ گردوغبار اس

طریقہ پر آرائیں جس سے افغانوں کو تمام لشکر کا گمان ہو، دوسرے حصہ لشکر کو درہ شاہ کوٹ کی جانب بھیجا گیا۔ تیسرے حصے کو پوری طاقت کے ساتھ مالاکند پر بلغار کا حکم ملا۔ ۳ اپریل کو حیوانوں اور انسانوں کے اجسام آگ اور خون سے کھیلنے نظر آنے لگے۔ مسلسل پانچ گھنٹے جنگ جاری رہی جس کے محاذ کی لمبائی اندازاً ڈیڑھ میل کے قریب تھی۔

یوسف زئی قبائل جس انداز سے مصروف جنگ ہوتے اس کا ذکر اس میں شامل ایک انگریز (ریلیف آف پتھرا) یوں لکھتا ہے کہ: "دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جو اس نے مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپخانہ کے صحیح نشانہ اور شاندار بمباری کے مقابل دکھائی دی اور مزید برآں کہ اس کے اختتام پر سنگینوں کے حملہ میں بھی پوری مضبوطی سے سینہ سپر رہے۔ ان کے ایک سردار نے جو سرخ و سفید رنگ کا علم اٹھاتے ہوئے تھا اپنے ساتھیوں کو "سکاٹش بورڈرز" (انگریزی فوج) پر اس وقت حملہ کرنے کو ملکا را جبکہ وہ فوج پہاڑی کے نصف تک پہنچ چکی تھی۔ حملہ ہوا ایک ایک کر کے حملہ آور گرتے رہے تا آنکہ ان کا ایک سردار باقی رہ گیا۔ وہ بلا خوف و خطر گرتے پڑتے آگے بڑھتا رہا۔ ادھر زخمی ہوا ادھر بلا توقف پھر اٹھا، چلا، بالآخر قریب پہنچ کر گولی لگنے سے ختم ہوا۔ اس سے زیادہ بہت و جرات کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا"

آتے دکھائی دئے۔ شدید جنگ ہوئی انگریز لشکر کا کمانڈر بری طرح زخمی ہو کر گرا تو لشکر نے واپس کیمپ جانے کا رخ کیا۔ یوسف زئی تاقب میں تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر انگریز لشکر پر پھینکتے رہے۔ بالآخر رات ہوئی تو افغان واپس لوٹ گئے۔

اس جنگ و جدل میں انگریز لشکر عمر خان کے مرکز بروا سے کوئی اٹھارہ میل تک پہنچ چکا تھا۔ دریا نے پھکڑہ پیر انگریزوں نے پل باندھا۔ خان دیر کو ہدایت ہوئی کہ وہ قصبہ اساتھ کے کورٹرال کی طرف چل دے اور راستہ میں یہ مشہور کرتا جائے کہ عمر خان کو شکست ہو چکی ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا لوگوں میں بدلی پھیلی اور عمر خان کو مزید ملک نہ پہنچ سکی۔ انگریز نے خط کے ذریعے عمر خان کو دعوت دی کہ وہ اکیلے باہر نکل کر لشکر کے کمانڈر سے گفتگو کرے عمر خان نے جواباً لکھا کہ:-

”مجھے آپ سے مل کر بہ اطمینان گفتگو کر لینے میں بڑی مسرت ہوتی اور اس طرح تمام معاملات بہ طریق احسن طے کر لئے جاتے لیکن بدقسمتی سے میں اس وقت تین ہزار غازیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ جو میرے باہر نکلنے کی بات کو نہ کرنے کے بھی روا دار نہیں۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آپ بھی قاتلوں کو ساتھ لیے ہوئے ہیں۔ اسے حالات میں بہ اطمینان گفتگو نہیں ہو سکتی میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اپنے قاتل ساتھیوں کو دور کر دیں اور میں اپنے ساتھیوں کو دور بھیج دوں گا۔ اس کے بعد میں اور آپ کھلے میدان میں مشاورت کر لیں گے“

عمر خان کا جواب قابل قدر تھا مگر انگریز کی نیت خراب تھی۔

یہی مصنف ایک اور افغان کے متعلق لکھتا ہے کہ:-

”دشمن کا ایک ڈھونک بچا نیوالا جب اپنی جرأت دکھانے پر مطمئن نہ ہوا تو ایک جھونپڑے پر چڑھ کر اوپر سے اپنے ساتھیوں کو لگا کر تاشروع کیا۔ اور پل سے انہیں شاباش دیتا رہا۔ وہ یکے بعد دیگرے گولیوں سے زخمی ہوتا رہا۔ لیکن گرتا زخم کو باندھتا پھر کھڑے ہو کر ڈھونک پر ضرب لگاتا۔ بالآخر ایک گولی اس کا سینہ چاک کرتے نکل گئی تو وہ سر کے بل کوئی ایک سو گز کے فاصلہ پر چٹان کے کنارے گر کر ختم ہو گیا لیکن اس حالت میں کہ ابھی تک ڈھونک اس کے گلے میں اور ہاتھ ضرب لگانے کو اٹھے ہوئے تھے۔“

(کیپٹن یلگہ ہرنٹ)

رات ہو چکی تھی جنگ بند کر دی گئی۔ وہ یوسف زئی جو درہ مورہ اور شاہ کوٹ میں پڑے ہوئے تھے۔ حالات سے باخبر ہو کر اس طرف چلے آئے اور مصلحتاً پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دن پڑھے ایک بریگیڈ نے سوات کی راہ لی۔ شام کو یوسف زئیوں نے پھر حملہ کیا۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد واپس لوٹ گئے۔ تھان میں اجتماع کیا۔ ۱۵ اپریل کو پھر جنگ ہوئی۔ سخت مقابلہ کے بعد یوسف زئی دریا نے سوات عبور کر گئے تو عمر خان کا ایک بھائی امدادی لشکر لے پہنچ چکا تھا۔ انگریز کا بھی کچھ لشکر کسی نہ کسی طریقے سے دریا کے پار پہنچ گیا۔ چکدرہ میں عمر خان کا تعمیر کردہ قلعہ انگریز کے ہاتھوں تباہ ہوا، اور انگریز لشکر نے ہندول کی طرف اقدام شروع کیا۔

۱۰ اپریل کو دہپہر کے وقت دو لشکر دریا کے دونوں کناروں سے

جنگ شروع ہوئی۔ افغانوں نے شدت سے حملہ کرتے ہوئے انگریزوں
شکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا لیکن اسی دوران مرید شکر معہ توپ خانہ
کے آپہنچا۔ جنگ بند ہو گئی، عمر خان کچھ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ راتوں
رات وطن عزیز کو خیر باد کہتے ہوئے افغانستان چلا گیا۔ صبح ہوئی تو
انگریز شکر نے اقدام کیا۔ مقابلہ پر کوئی نظر نہ آیا۔ اور وہ نہایت
فاتحانہ انداز میں منڈا قلعہ میں جس کے دروازے کھلے تھے داخل
ہو گیا۔ یہ ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کا روز بد تھا۔ اب انگریز کو مزید اقدام کی
ضرورت نہ تھی۔ وہ عمر خان کی طاقت کو توڑنا چاہتا تھا توڑ چکا۔
مذکورہ جنگ کے دوران محمد شریف خان سابق خان دیر انگریز کی
مدد کرتا رہا۔ اور جیسا کہ بیان کیا چکا ہے۔ انگریز کا پیغام لے کر پتہ رال
کی طرف گامزن ہوا تھا۔ چنانچہ انگریز نے دوبارہ اسے خان دیر تسلیم
کر لیا۔ اس دوران دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی بعد میں پتہ رال کو
بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ تو وہ مالکنڈ ایجنسی کے نام سے موسوم
ہوئی۔

حاجی عمر خان جندولی نبرد آزما ہونے کے بعد انگریز نے پتہ رال
پر اقتدار قائم رکھنے کی غرض سے پشاور سے پتہ رال تک سڑک تعمیر کی
اور اسے محفوظ رکھنے کیلئے درگئی، مالکنڈ، خارا اور چکدرہ میں حفاظتی
چوکیاں قائم کیں۔ تقریباً دو سال امن و چین سے گزرے تاہم
یوسف زئی افغان مطمئن نہ رہ سکے اور موقع و محل کی تلاش میں
رہے۔ انہی حالات میں ۱۸۹۷ء صوبہ حیدر کے تمام قبائلیوں میں
بیک جنبش انگریز کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ وزیرستان سے
ایک چنگاری نے اڑتے ہوئے پورے صوبہ حیدر یعنی آفریدی، مہمند
اور علاقہ مالکنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بالائی سوات میں بھی شورش

برپا ہو چکی تھی۔ نواب دیو نے انگریز کو پالم ملا صاحب اور ان کے
کی رفقہ کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا۔ جس سے عوام کے جذبات
بھڑک اٹھے۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو لٹا کے قریب ملا مستان یا سردور فقیر جس
کا اصلی نام سعد اللہ خان ولد حمید اللہ اور موضع ریگا بوئر کا رہنے
والا تھا۔ اور یوسف زئی ملی زئی کے ذیلی شاخ نوری زئی کے آبائی
قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کے بھائی کا نام زرداد پہلوان
تھا۔ نمودار ہوا۔ جس نے عوام کو جہاد کی دعوت دی۔ انگریز کو
علم ہوا تو اس نے مردان سے گارڈ ز نامی فوج طلب کر لی۔ اور فیصلہ
کیا کہ راتوں رات امان درہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ۲۶ جولائی کو ملا
مستان نے لٹا کے سے تھانہ کا رخ کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ
صرف چند خود سال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اٹھائے چل رہے
تھے۔ لیکن راستہ میں تین چار سردیوسف زئی نوجوان ساتھ ہو گئے
تو مواضعات الٹ ڈھنڈ، ہٹ خیل اور پیہ کورونہ سے ہوتے ہوئے
قلعہ مالکنڈ پر رات ۹ بجے حملہ آور ہوئے۔ انگریز شکر نے سراسر سبکی
کی حالت میں سکھوں کو آگے جھونکا جو اکثر قتل ہو گئے۔ افغانوں
نے کوارٹر گارڈ پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ اور بارود لوٹ لیا۔

لے پہ لٹا کی ورتہ دیرہ سردور فقیر دے

دیندک فرنگے دھان پہ ویر دے

سال وفات ۱۳۳۷ھ بمقام فتح پور سوات اپنے پیچھے چار بیٹیاں
اور ایک بیٹا مسٹی عمر خان چار سالہ چھوٹے تھے۔ عمر خان زندہ
ہے اور فتح پور میں صاحب جائداد اور رہائش پذیر ہے۔ اس
نے باپ کا قبر پختہ کیا ہے۔

اور صبح تک یہ ہنگامہ آدائی جاری رہی۔ اس حملہ میں انیس غازی شہید ہوئے اور انگریزوں سے ایک کرنیل، ایک میجر، ایک لفٹیننٹ اور پانچ سوار کس سپاہی مارے گئے۔ اور ایک ہزار تیس سپاہی زخمی ہوئے۔ اسی رات سعد اللہ کی ہدایت پر افغانوں نے قلعہ چکدرہ پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا انگریزوں نے مالاکنڈ فیلڈ فورس کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد مالاکنڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ مستحکم رکھنا تھا۔

۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو انگریز لشکر کا نوشہرہ چھاؤنی میں اجتماع ہوا۔ جنرل ہڈن بلڈ نے اس کی قیادت سنبھالی۔ اس رات افغانوں نے قلعہ چکدرہ پر پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر قبضہ کر لیا۔ دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مارے گئے۔ اس کی روداد یوں بیان کی جاتی ہے کہ چکدرہ میں اس جھڑپ کے دوران انگریز تازہ دم فوج لے کر آیا تھا۔ اور ان کی تعداد بھی پہلے کی نسبت زیادہ تھی۔ افغان پیچھے ہٹنے لگے، دو انگریز افسر تعاقب میں تھے کہ اچانک جمر و زخان نامی ایک بہادر افغان جو مینگورہ (سوات) کا رہنے والا تھا۔ اور ملک تاجل نور کا بیٹا تھا اور یوسف زئی کی بیٹی شاخ بابوزئی سے تعلق رکھتا تھا، کی لڑکار سنائی دی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ اور اپنا پستول ہاتھ میں لئے ان کو ٹھہرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں رسالہ کے وہ دو انگریز افسر گھوڑ سوار مارے گئے اور کئی سپاہی بھی لقمہ اجل بنے۔ اس کا یہ جذبہ چوکی پر قبضہ کرنے میں فہم نہایت ہوا۔ اس حملہ میں کئی غازی شہید ہوئے اور انگریزوں کا ایک صوبیدار، ایک میجر، ایک لفٹیننٹ اور ۱۱ سپاہی مارے گئے اور ۲۰ سپاہی زخمی ہوئے۔

یہ سب کچھ سید اکبر بانی خیل بابوزئی جوجر و زخان کا ساتھی تھا، کی ہمت سے ہوا۔

۲۰ اگست کو انگریزی لشکر نے اقدام کرتے ہوئے ہمان درہ پر قبضہ کرنے کے بعد چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لے لیا۔ اور اس قدر بریت کا مظاہرہ ہوا کہ جو افغان سامنے آیا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سکھوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ انتقام لینے کے لئے بٹ نیلہ پر یورش کریں وہاں بھی قتل عام ہوا۔ ان جنگوں میں باشندگان سوات باجوڑ اور اتمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد میں مقبوضہ علاقہ کے افغان بھی شامل ہوئے۔ اپنے افغان بھائیوں کی امداد و اعانت کے لئے تپہ بانی زئی (ضلع مردان) اور تنگی (ضلع پشاور) سے بھی جتھے لے کر انگریزوں نے جوش انتقام میں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو گوکہ وہ خالی ہو چکی تھیں اور ان کے یکن پہاڑوں میں چلے گئے تھے مہمار کر دیا۔ اور اس طرچ پائین سوات کے علاقہ کو بھی پامال کرتے ہوئے بڑھتے گئے۔ اور بالائی سوات پر نظر اٹھی۔ وہاں کے باشندگان نے شرائط صلح طلب کیں لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ اس علاقہ کو بھی پامال کیا جائے۔ اسی مدعا کے پیش نظر ۱۶ اگست کو جنرل بلڈ کی کمان میں انگریزی لشکر نے تھانہ کی طرف کوچ کیا اور امداد کیلئے مزید لشکر کو مردان میں مقیم کر دیا گیا۔ اسی دن انگریز لشکر نے لٹاکے پر حملہ کر دیا جس میں توپ خانہ بھی زیر استعمال تھا۔ افغان مردانہ دار مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف سے افراد مرتے اور کٹتے رہے۔ ۱۸ اگست کو انگریز نے جدید انتظامات کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ قدم قدم پر غازی مدافعت کرتے رہے تاہم ۱۹ اگست کو یہ لشکر مینگورہ پہنچ گیا۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی اور ۲۰ اگست

کو بریکوٹ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے کیمپ کی راہ لی۔
بعد ازاں انگریزوں کی پیش قدمی بخندول کی طرف ہونے لگی۔ تو
۹ ستمبر ۱۸۹۷ء کو گوگوسم کے مقام پر کیمپ نصب کر دیا۔ ۱۰ ستمبر کو اس
شکر نے مختلف جماعتوں کی شکل میں وادی میں گھومنا شروع کیا۔
خواین سے انفرادی طور پر بات چیت ہوئی۔ اور بعد ازاں مہندوں کی
گوشتیالی کا خیال پیدا ہوا جن پر نواگئی کے راستہ اقدام کیا جاسکتا تھا
چنانچہ شکر کا ایک حصہ ۱۳ ستمبر کو شہموزئی پہنچا تو دوسرے حصہ نے
علاقہ جار کی راہ لی۔ اول الذکر شکر دریا کے دتلے کو عبور کرتے ہوئے
علاقہ خار میں داخل ہو گیا۔ اور مقابلہ کرنے کے بجائے خان خار نے ان
کا استقبال کیا نیز انگریز کمانڈر کو یقین دلایا کہ وہ جنگ نہیں کرنا
چاہتے۔ جس پر انگریز کمانڈر نے شکر کی آمد سے فصلوں کو جو نقصان
پہنچا تھا اس کا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

اب ایک حصہ شکر کو دتلے یا وادی میہوند کی طرف روانہ کیا
گیا اور اس نے رعب ڈالنے کی خاطر وادی میں داخل ہوتے ہی
پہلے گاؤں کو نذر آتش کر دیا جس پر افغان جو پہلے ہی سے اپنے
گھروں کو خالی کر چکے تھے اور تیار بیٹھے تھے، جلدی ان پر حملہ کر دیا
انگریز سیکڑے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ سنبھل نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا
افغان کافی دور تک تعاقب کرتے رہے۔ انگریز شکر نے نواگئی
جا کر دم لیا۔ وہاں اطلاع ملی کہ مہندوں کے مشہور بزرگ بڑہ ملا
صاحب شکر نے انگریز کا انتظار کر رہا ہے تو اس نے اس وقت
مہندوں کے حملہ کو التوا میں ڈال کر پہلے اس علاقہ کی وفاداری کا
اطمینان کر لینا چاہا۔ جار سے شکر کی روانگی پر درہ رمبیت کے قریب
افغانوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا، نصف رات تک جنگ

مہی۔ تین انگریز ایک دیسی افسر کنی سپاہی اور ۹ گھوڑے اور پتھر
کام آئے۔ دن نکلنے پر انگریز نے تعاقب شروع کیا مگر افغان اس
وقت تک دور جا چکے تھے۔ راستہ میں ایک آدھ جھڑپ ہوئی اور جب
سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پتھروں کی آڑ لے کر فائرنگ شروع
کی تو افغان انہی گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ اب انگریز نے
درہ رمبیت کو عبور کرنے کا ارادہ ترک کر کے وادی میہوند کو برباد کرنے
کا فیصلہ کیا اور خان خار کے محفوظ ترین قلعہ عنایت میں انگریز شکر
کا اجتماع ہوا تو ۱۶ ستمبر کو وادی میہوند کی راہ لی۔

رسالہ توپ خانہ اور پیادہ شکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا
ایک حصہ صبح ۹ بجے کے قریب دندول پہنچا۔ افغان مقابلہ برائے آئے
اور اس شدت سے حملہ کیا کہ انگریز واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا
افغان تعاقب کرتے رہے۔ دوسرے حصہ شکر نے بدلے کی طرف
اقدام کیا۔ یہاں پر بھی افغان ڈٹے رہے اور انگریز نے اپنی خیریت
واپس لوٹنے میں ہی دیکھی۔ ادھر تیسرا حصہ جو شاہی تنگی کی طرف
کوچ کر رہا تھا۔ مصیبت میں پھنس گیا۔ اور جب افغانوں نے زیادہ
پریشان کیا تو اسے بھی واپسی کا حکم ملا۔ افغان پہاڑوں سے نیچے
اتر آئے اور ایسی بھگدڑ مچی کہ سپاہی ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ جب
نصف کے قریب شکر مارے جا چکے۔ تو افغان اس وقت کافی
نزدیک آپکے چنانچہ درست بدست جنگ شروع ہوئی۔ اور ہنسل باقی
ماندہ شکاریوں نے بھاگ کر ایک نالہ میں پناہ لی اور ۱۲ بجے تک یہ
جنگ جاری رہی اور اس کے بعد جب افغان واپس لوٹے تو ایک ٹکڑا
انگریز سیوڈ کو بھی اٹھالے گئے جس کے انجام کا کچھ پتہ نہ چلا۔

انگریز کے وقار پر یہ کاری ضرب تھی اس نے فوری طور پر شکر کو

جمع کیا اور اقدام کا حکم دیدیا۔ افغان اس وقت دور جا چکے تھے۔ جو تھوڑے بہت رہ گئے تھے انہوں نے جنگ جاری رکھی، انگریز نے بنشکل دو گھنٹوں میں پہاڑی پر چڑھ کر قلعہ تنگی پر بمباری شروع کی اور اُسے برباد کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ ان کی واپسی پر افغان ان کے تعاقب میں رہے۔ اور انہوں نے لشکر کے ایک حصہ کو اپنے نیرنگ میں لے لیا۔ شام ہوئی اور انگریزی لشکر نیرنگ میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو افغان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ افغان سائے کی طرح ساتھ لگے رہے۔ بھاگنے والوں کی حالت قابل رحم تھی، راستہ میں ہڈیاں ہوکھو خود بخود گرنے لگے۔ اور سکھوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ اپنے اسلحہ اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔ شدید بارش ہوئی اور افغان نیرنگ میں پھنسے ہوئے سپاہیوں کو اپنی حالت میں چھوڑ کر انگریز واپس چلے گئے۔

اگلی صبح انگریز نے اُن گم شدہ یا نیرنگ میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کی فکر کی اور اقدام کیا۔ روانگی ہوئی تو راستہ میں لشکروں کے مردے ملے، زخمی ملے، اگر ہوا سامان ملا۔ اور جب وقوع پر پہنچے تو بھڑپور میں اپنے تمام ساتھیوں کو خون میں لت پت پایا جن میں ایک جرنیل بھی تھا۔ اس کا نام انگریز نے صیغہ راز میں رکھا ہر طرف آدمیوں اور خچروں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس موقع پر ۹ انگریز، ۴۴ دیسی افسر اور ۱۳۶ سپاہی لقمہ اجل بنے۔

۱۸ ستمبر کو جذبہ انتقام کے تحت انگریز نے پوری ایک بریگیڈ فوج کے ساتھ مدد کی طرف اقدام شروع کیا۔ افغان بھی مقابلہ کرتے رہے اور لشکر مسلسل آتش بازی ہوتی رہی جس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ کافی تعداد میں افغان مقابلہ کر رہے ہیں لیکن جب

آتش بازی بند ہوئی تو دیکھا گیا کہ صرف ایک افغان مجاہد انگریز لشکر کو اس قدر پریشان کر رہا تھا۔

۲۰ ستمبر کو انگریز نے موضع اغئی کا رخ کیا۔ اور معمولی جھڑپ کے بعد واپس ہوا۔ اسی طرح ۲۲، ۲۳، ۲۴ ستمبر کو داغ اور تنگی کو برباد کیا گیا۔ دیریں آٹنا انگریز جنگ سے تنگ آچکا تھا۔ اُسے اپنے لشکر کی ضروریات مہیا کرنا آسان نہیں تھا۔ چنانچہ صلح و صلاحیت کے بہانہ جنگ کو ختم کرنا چاہا اور صرف اس قدر مطالبہ کیا کہ ۱۶ ستمبر کو لشکروں کو قتل کرنے کے بعد جس قدر بندوقیں چھین لی گئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں اس پر ایک انگریز مصنف مسٹر چرچل یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:-

”یہ بندوقیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ اگر اہمیت تھی تو اُن افسروں اور سپاہیوں کی کہ جو ہم کھو چکے تھے۔ یہ نامناسب کفایت شعاری تھی۔ لیکن حقیقتاً شہنشاہیت اور کفایت شعاری کا ہمیشہ سے آپس میں ٹکراؤ رہا ہے جیسا کہ دیانداری اور ذاتی اغراض کا۔ اسی وجہ سے ہم بُری رقموں کے پیچھے اچھی رقمیں پھینکنے کے پالیسی پر عمل پیرا رہتے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ تاکہ ہماری ساکھ قائم رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نادہندہ قرض دلا تا جو کو ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں سامان مہیا کرنے کے آرڈر دینا شروع کر دیتا ہے“

۲۶ ستمبر کو وادی میوند کا ایک جگہ گفتگو نے صلح کے لئے پیکڈہ پہنچا لیکن صلح نہ ہو سکی تو ۲۹ ستمبر کو انگریزی لشکر نے وادی میوند میں پندرہ دیہاتوں کو مسما کر دیا۔ ۱۰ فنانوں کو اس کا علم پہلے

ہی ہو چکا تھا اور انہوں نے اپنے اپنے اہل و عیال کو پہاڑیوں میں لے جا کر گاؤں خالی کر دیے تھے۔ اور حتی المقدور مقابلہ کرتے رہے۔ ۳۰ ستمبر کو آگرہ اور گٹ پر آگ برساتی جانے لگی۔ افغان مردانہ دار مقابلہ کر رہے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے اور والہانہ انداز میں جنگ لڑی جا رہی تھی۔ دو انگریز افسر مارے گئے، پانچ شدید زخمی ہوئے اور ۵۳ سپاہی لقمہ اجل بنے۔

شکر کا کمانڈر پنچکوڑہ میں مقیم تھا ۲ اکتوبر کو وہ تازہ دم فوج لے آ پہنچا۔ اس کی آمد سے قبل ۳۰ ستمبر کو بدلی پر دوبارہ بمباری ہو چکی تھی۔ پہلی بمباری کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بمباری کے بعد جب یہ لشکر واپس لوٹا تو افغان تعاقب کر رہے تھے۔

اس کے بعد پھر گفتگوئے صلح کا آغاز ہوا، اور ۱۱ اکتوبر کو خان خاں جاد اور خان نوگئی کی قیادت میں علاقہ کے معززین پر مشتمل ایک بزرگ عنایت قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر نواں کلی میں حاضر ہوا۔ اور فیصلہ ہوا کہ ایک مقررہ تعداد میں بندوقیس واپس کرنے کے بعد عمر خان کے طرفداران کو اپنے علاقہ میں قیام کے اجازت نہ دیں گے۔ اس پر ۱۲ اکتوبر کو عنایت قلعہ کا کیمپ اٹھایا گیا۔ انگریز نے خان نوگئی کو دس ہزار روپے۔ خان خاد کو ساڑھے تین ہزار روپے اور خان جاد کو اڑھائی ہزار روپے بطور ”صلہ خدمات“ انعام میں دیئے تو شکر کی واپسی ہوئی اور ۲۰ اکتوبر کو جاد پہنچ کر اتمان خیلوں سے شراٹھ صلح طے پائیں، وہاں سے مالاکنڈ جادم لیا۔ راستہ میں بمقام جلالہ ایک مختصر سے شکر کو مقیم رہنے کا حکم ملا تاکہ محاربہ تیراہ میں شہریت کے خواہشمند بویر والوں کو روکا جاسکے اور اس طرح انگریز کا ۱۸۹۷ء کا دشمنیت اور بربریت کا دور ختم ہوا۔

صرف یہی نہیں بلکہ تحریک آزادی اس زور سے چلی کہ انگریز واپس جانے پر مجبور ہوا اور یوں ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

انگریزوں کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

ہے اے نہ افسوں فرنگی بے خبر

فتنہ با در آستین او نگر!

از فریب او اگر خواہی امان

اُشترانش را نہ حوض خود بر آں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد

وحدتِ اعزایاں صد پارہ کرد

ریاستِ دیر

ریاستِ دیر شمال مغربی سرحدی علاقہ میں واقع یوسف زئی قبیلہ کی ایک قدیم اور سیاسی حیثیت سے اہم اور مشہور ریاست تھی جس کی زیادہ تر آبادی یوسف زئی کی ذیلی قبائل ملی زئی، ادین زئی، ابان زئی اور خاوند زئی پر مشتمل تھی۔

وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس ریاست کی ابتدا کب اور کن حالات میں ہوئی کیونکہ اس قبائلی علاقہ میں عہد بہا کو خان کے بعد وقتاً فوقتاً صاحبانِ قوت اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا حکومتیں قائم کرتے رہے جن میں ریاستِ دیر کو قدرت نے طویل زندگی عطا کی۔

کہا جاتا ہے کہ اخون ایاس بن تور بن ابراہیم بن بامت بن مو پانڈہ خیل ملی زئی یوسف زئی ایک بزرگ نے اپنے زہد و تقویٰ سے

اس علاقہ میں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ جو بعد میں انخوند صاحب دیر کے نام سے مشہور ہوئے اور جو سجادہ نشین کی حیثیت سے قوم کے رہنمائی کرتے تھے۔ جس کی تفصیل بقول عبد الشکور شاہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

انخوند الیاس شیخ آدم بنوری مشوانی

دیر کے انخوند بابا کا نام الیاس اور والد کا نام تور ہے۔ قبیلہ کے لحاظ سے یوسف زئی میں خواجہ زئی، ملی زئی پائندہ خیل ہے۔ انخوند الیاس اپنے وقت کے تمام مرتبہ علوم کی تحصیل کے بعد ایک افغان بزرگ شیخ آدم مشوانی کے بڑے بیٹے خواجہ محمد کے مشورہ سے ہدایت و عرفان کی تلاش میں لاہور پہنچے۔ اور وہاں شیخ آدم مشوانی کے مرید ہو گئے۔ شیخ آدم مشوانی بنور نامی گاؤں کے ایک نامور افغان بزرگ تھے۔ انہیں شاہجہان بادشاہ نے ۱۰۵۱ھ میں ملک بدر کر دیا۔ اور وہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ اس ہجرت میں انخوند الیاس یوسف زئی بھی اپنے پیر کے ہمراہ رہے۔ اس مبارک سفر میں انہیں شیخ آدم مشوانی کی طرف سے خلافت کا خرقہ اور ارشاد کی اجازت ملی۔ ۱۰۵۳ھ عید الفطر کے آخری دنوں میں شیخ آدم مشوانی نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ انخوند الیاس وطن واپس آ گئے۔ اور لاجپوک کے مقام پر عرفان کی مشعل روشن کی۔ اس علاقہ کے اکثر افغان ان کے مرید ہوئے اور مرتے وقت تک بنوری طریقہ پر قائم رہے اور لاجپوک کے مقام پر ۱۰۸۶ھ مطابق ۱۷۷۹ء ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد نے وہ مشعل جو انہوں نے روشن کی تھی، کئی پشتوں تک اس

علاقے میں روشن رکھی۔ اور وہاں کے لوگ علم و عرفان حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس جمع رہتے تھے۔ یہ گھرانہ انخوند خیل کے نام سے موسوم ہوا۔ اور عزت و وقار کی خاطر اس خاندان کے ہر آدمی کے لئے انخوند زادہ بطور لقب کے مشہور ہوا۔ ریاست دیر کے حکمران خاندان کا شجرہ نسب انخوند الیاس سے ملتا ہے۔ انخوند الیاس کی اولاد میں غلام خان پہلا شخص ہے جو طاقت کا مالک ہو کر علاقہ دیر کا خان بنا اور ایک ریاست کی بنیاد ڈالی۔

شیخ آدم نسلاً افغان اور قبیلہ کے لحاظ سے مشوانی ہیں اور مشوانی کابل کے کوہ دامن، قندھار کے گرمسیر، فراہ کے جان محمد کھل، میمنہ کے شرین تگاؤ، کونڑ کے اسمار (سوات میں جگہ بجگہ اور پشاوڑ میں) دیر کے میدان و جندول اور ہزارہ کے کوہ گنگر سری کوٹ میں آباد ہیں۔ شیخ آدم مشرق پنجاب میں جالندھر کے قریب پٹیالہ ریاست کے بنور نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس وجہ سے بنوری کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے والد اسماعیل خان، خان جہان لودی کے مشیر خاص تھے۔ آدم خان بھی جوانی کے ابتدا میں خان جہان لودی کی فوج میں عہدیدار تھے۔ کچھ مدت بعد افغان قوم کے ایک نامور بزرگ حاجی خضر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حاجی خضر کے پیر محمد الدہستانی شیخ احمد سرہندی الکابلی سے تکمیل اور ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی افغان ان کے مرید ہوئے تو شاہجہان کو خطرہ لاحق ہوا اور ان کو ہندوستان سے ملک بدر کیا۔ وہ مکہ مکرمہ چلے گئے اور مدینہ منورہ میں وفات پاکر جنت البقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں نکات الاسرار، نظم النکات، خلاصۃ العقائد

اور تفسیر سورۃ الفاتحہ کے نام قابل ذکر ہیں۔
(ماخوذ از مجلہ کابل اپریل ۱۹۷۷ء، تحریک عبداللہ شاد ص ۲۳)
بھارت تاریخ مرصع و حسنہ (الاصفیاء)

الغرض ان دونوں کی وفات پر اس کا بیٹا اللہ یار، پھر اسماعیل گدی نشین ہوا جو اپنے والد کے نقش قدم پر سجادہ نشینی کے ذریعہ قومی اصلاح و تعمیر میں مصروف رہا۔ اس کی وفات پر اس کا لڑکا غلام خان گدی نشین ہوا۔ جس کو حکومت کے ظاہری اسباب، گھوڑا، اسلحہ، اراضی اور مال و دولت کا فی مقدار میں میسر تھا۔ اُس نے مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ خانی کی طرف بھی توجہ کی۔ اور یہیں سجادہ نشینی کو حکومت میں تبدیل کر کے ریاست دیر کی بنیاد رکھ دی۔

غلام خان کے بعد اس کے بیٹے ظفر خان نے مذہبی چادر کو امارت و حکمرانی سے مکمل طور پر بدل دیا۔ اور اپنی حکومت کو برادر گرد و نواح کے اقوام پر ٹھونسنے لگا تھا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا قاضی جانشین ہوا جس نے دیر کی حکومت کو بڑی حد تک وسعت دی۔ اس وقت علاقہ کا شہر میں چار حکمران تھے جن پر قاسم خان نے حملہ کر کے شکست دی اور ان کو محکوم بنا کر نواح کی ادائیگی پر اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیر سے ملحقہ علاقہ کافرستان کے ایک حصہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اُس کے بعد اقتدار اس کے بیٹے غزن خان کے ہاتھ آیا۔ جس نے ریاست دیر کی حدود وسیع تر کر دیں۔ حکومت میں ریاست کے زیر اثر حدود شمال کو چترال، جنوب کو سوات کوٹ، مشرق کو علاقہ سوات اور مغرب کو علاقہ اسمار (افغانستان) تک پھیل ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اس کے ولی عہد رحمت خان نے عنان حکومت سنبھالی اور اُس نے اپنے عہد حکومت میں ریاست

دیر کے حدود کو برقرار رکھا۔ رحمت خان کی وفات پر ۱۸۸۳ء میں اس کے لڑکے محمد شریف خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد کے دوران حاجی عمر خان جندولی سے جو شکست ہوئی اس کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

محمد شریف خان کی موجودگی میں ہی اُس کے لڑکوں میں شکست شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی وفات پر اورنگزیب خان المعروف بادشاہ خان کو خان دیر تسلیم کیا گیا۔ اپنے بھائی میاں گل جان کے ساتھ اُس کا معاہدہ ہوا جس میں میاں گل جان کو علاقہ جندولی میں سنڈا کا علاقہ دیا گیا اور جندولی و دیر کے علاقوں کا تعین ہوا، حکومت ہند نے ۱۹۰۸ء میں بادشاہ خان کو نواب کا خطاب دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اُس نے بالائی سوات پر قبضہ کیا۔ بعد میں اُسے کئی معرکوں سے سابقہ پڑا۔ ۱۹۱۳ء میں ایک مذہبی پیشوا "سنڈا کے ملا" نے رونما ہو کر باشندگان سوات جن میں ماسم خان اور حبیب خان شامی زئی پیش پیش تھے، کو ساتھ لئے نواب دیر کو شکست دی۔ اور علاقہ بالائی سوات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نواب کے بھائی محمد عیسیٰ خان نے میاں گل جان کی جگہ جندولی کی راہ لی۔ سدو اور سہرائے کی چوکیوں کو مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ دوسرے خواہنے نے بھی مخالفت شروع کی لیکن اس کے باوجود ۱۹۱۶ء میں علاقہ ادین زئی اور شہر زئی پر نواب دیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ نیکی خیل اور شامی زئی کے علاقہ میں اُسے شکست کھانا پڑی۔

بادشاہ خان کی وفات پر عنان حکومت اس کے بڑے لڑکے شاہجہان خان نے سنبھالی اور اپنے بھائی عالم زیب خان کو ایک

معاہدہ کی رو سے چند شرائط کے ساتھ علاقہ جندول بشمول پکھال شیریں گال اور جفہ پنج میں اقتدا حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ اگر وہ دو سال تک نواب دیر پر اپنی وفاداری ثابت کرے گا تو اسے باران گولہ کا علاقہ بھی دے دیا جائیگا۔ لیکن یہ اتحاد دیر پر ثابت نہ ہوا۔

اور جون ۱۹۲۸ء میں نواب دیر نے عالم زبیر خان کو مذکورہ علاقوں سے بے دخل کر دیا۔ معمولی سی مخالفت کے بعد عالم زبیر خان نے جابر میں پناہ لی۔ لیکن جب ۱۹۳۱ء میں خان خاں نے نواب دیر سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تو عالم زبیر خان کو جابر سے نکلنا پڑا اور وہ اتمان خیلوں کے پاس جا مقیم ہوا۔ اس کا ایک اور بھائی بخت جہان زبیر خان المعروف تیر خان نے ابتدا ہی سے سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اور اب بھی وہ تیر گرہ میں آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ بہت قابل نیک پارسا آدمی ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں۔

مارچ اور اگست ۱۹۳۲ء کے دوران عالم زبیر خان باجوڑ کے مشہور مذہبی رہنما الشکر فیض کی معیت میں باجوڑوں کی امداد سے مسلسل جندول پر ناکام یورش کرتا رہا۔ اگست ۱۹۳۵ء میں اس نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی اور باجوڑ کے سالار زبیروں کا لشکر لے جندول جا پہنچا۔ قلعہ مسکینی پر قبضہ بھی کر لیا مگر جلد اسے وہ قلعہ چھوڑنا پڑا اور مردان کے علاقہ میں جا مقیم ہوا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو مخالفین نے نواب دیر کے پرانے دیر تعمیر نئے محل کو نذر آتش کر دیا۔ عالم زبیر خان تحریک مسلم لیگ میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کے انقلاب کے بعد حکمران دیر نے اسے وطن واپس لوٹ جانے کی اجازت دیدی۔

قدیم پاکستان کے بعد نواب شاہجہان خان نے ریاست دیر کا

الحاق اس اسلامی سلطنت پاکستان سے کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی سرحدیں محفوظ ہو گئیں اور اسے کسی بیرونی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا۔ تاہم یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ ریاست دیر اور اس کے باشندوں کو اس نے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کی بجائے دور جہالت کے حکمرانوں کی طرح شخصی حکومت قائم رکھی تھی۔ باشندگان ریاست کو علم سے بے بہرہ رکھا۔ اور عملاً تعلیم کی مخالفت کی۔ پوری ریاست میں نہ کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہسپتال۔ باشندگان ریاست زمانہ قدیم کے رسومات کے مطابق گھریلو علاج کراتے۔ یہی حال ذراعت اور تجارت کا بھی تھا۔

حکومت پاکستان کے ذمہ دار افسر وقتاً فوقتاً اس علاقہ کا چکر لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو نواب شاہجہان خان اور اس کے پیارے لڑکے شہاب الدین خان المعروف خان جندول کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور حکومت نے انہیں لاہور میں صرف نظر بند رکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اور نواب کے بڑے لڑکے شہزادہ خسرو خان کو حکومت پاکستان نے نواب دیر تسلیم کر لیا۔ اور اسی حیثیت سے اس کی دستار بندی ہوئی۔

نواب خسرو خان نے عنان سلطنت سنبھالتے ہی ملک کی طرف توجہ کی حکومت پاکستان کی طرف سے امداد و اعانت کی بدولت ملک کے فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے شروع کئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدارس کا اجرا ہوا۔ شفا خانے کھلے، سفری شفا خانوں نے ملک کا چکر کاٹنا شروع کیا۔ سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اور وہ لوگ جو حکمران کی آمد سے خوفزدہ ہو جانا کرتے تھے، آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے لگے۔ اور آخر کار حکومت پاکستان نے یحییٰ خان کے دورِ صدر میں اسے پاکستان میں ضم کر کے اس کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔

بنیاد پڑی موضع غالبگی اُس کا دار الخلافہ قرار پایا۔ اور شریعت اسلامیہ کے نام سے اُس امارت نے کام شروع کیا۔ شومئی قسمت کہ دس گیارہ سال بعد سید اکبر شاہ وفات پا گئے۔ اور اس کی وفات سے اس اولین امارت کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریز کو اس مذکورہ امارت سے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا اُن کا اندازہ سر ہربرٹ ایڈورڈ کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔

”اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگجو قبائل کا سدِ براہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کے جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔“

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد کئی سالوں تک ملک میں کوئی نظام دکھائی نہ دیا۔ اس دوران سوات میں مقیم دو قبیلوں نیکی خیل اور شموڑی میں اختلافات پیدا ہوئے جس نے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ نواب دیر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں نیکی خیل و شموڑی کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد سٹڈا کے ملا صاحب نے نواب دیر کی سیادت کو اس علاقہ سے نکال لیا۔ سٹڈا کے ملا کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اخوند سالاک کی اولاد سے تھا۔ جس کا ذکر بہاگو خان کے دور میں کیا جا چکا ہے۔

باشندگان ریاست کے آنکھیں کھل چکی تھیں اور انہیں اپنی تنظیم کی فکر ہوئی یہ سب کچھ سٹڈا کے ملا کے ایک ایک خان سے فردا فردا ملاقاتوں کے بعد ہوا۔ اور سب خوانین کو پوشیدہ طور پر موضعِ مٹ کے قریب ایک رات قبرستان کے جنگل میں جمع کیا۔ وہاں جگہ ہوا جنگی خیل، شامی زئی، شموڑی، سنجی اور نیکی خیل زعماء نے باہمی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے حلف اٹھایا کہ وہ اپنے علاقہ سے نواب دیر کو نکالنے میں سٹڈا کے ملا صاحب کی امداد و اعانت کریں گے۔ نیز یہ بھی

ریاست سوات

زمانہ قدیم سے درانیوں کے عہد تک پھر انیسویں صدی کے وسط میں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علاقہ سوات پر جو کچھ گزرتی رہی اس کا ذکر گذشتہ اوراق میں اپنے مناسب مقامات پر کیا جا چکا ہے۔ پیشتر اس کے کہ جدید ریاست کے مختصر سے حالات قلم بند کیے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر پر بھی قدرے روشنی ڈالی جائے جو اس ریاست کو جدید زندگی دلانے کا باعث بنا۔

اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور والد کا نام عبدالواحد تھا۔ بچپن ہی سے حصولِ علم کا شوق اور زہد و تقویٰ سے رغبت رہی اور بعد میں وہ اخوند صاحب سوات پکارے جانے لگے۔ تعلیم کے مددِ مختلف علماء و کرام سے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۴۵ء میں موضع سیدو میں سکونت اختیار کی اور ان کی تقدس کی وجہ سے وہ سید و شریف کہلایا۔ اور بعد میں ریاست سوات کا دار السلطنت بنا۔

سیدو میں مقیم ہو جانے کے بعد انہوں نے باشندگان وطن کے علاج و بہبود کے طرف توجہ دی اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے انہیں منظم کرنے میں خاطر خواہ کامیاب رہے۔ ۱۸۴۹ء میں انگریز کے حیدر پور پہنچتے ہی انہوں نے قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ملیقین کی۔ کہ وہ انفرادیت کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کریں۔ تاکہ تحفظِ ملت کا انتظام بطریقِ احسن ہو سکے۔ قوم کو اس پر زیادہ دیکھ کر انہوں نے سید علی پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کو امارت کیلئے پیش کرتے ہوئے خود اس کے ہاتھ بیعت کر لی جس پر خوانین سوات نے بھی اُسے اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ جس سے ایک ریاست کی

طے پایا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے لئے ایک سربراہ کا انتخاب کریں۔ اس تحریک میں ماسم خان اور اس کے بھائی حبیب خان و دش خیلہ، گل داغی اور تاج محمد خان، ملا صاحب کے دست راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ نتیجتاً ان سب اراکین جرگہ نے مل کر دیر کی سیاست کا خاتمہ کر دیا۔

مٹہ کے قبرستان والے جنگل میں جن قابل ذکر افراد نے شمولیت کی ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-

ماسم خان اور حبیب خان ساکنان درش خیل (دارمئے) خوشحال خان اور خواص خان ساکن بے درہ، گل داد خان ساکن کمرے، امیر خان ساکن چمن لائے، امیر خان ساکن برلڈے، بہرام خان شاپیں، عظیم خان ساکن چایار، سلو خان ساکن جنگ، میان آدم خان ساکن فتح پور، سلطان خان ساکن شینٹر، محمد افضل خان ساکن روڑیاں، شمس خان ساکن چیریاں، شریف خان ساکن برہہ تھانہ، امیر خان نواب ساکن شکدرہ شہنشاہ خان ساکن شریڑے، زریں خان و امیر خان پسران یوسف خان نیکی خیل اول خیل۔

چنانچہ اراکین جرگہ نے بالاتفاق پیر بابا کی اولاد سے سید عبد الجبار ^{شاہ} ساکن ستھیا نہ کو دعوت دیکر اقتدار سونپ دیا اور ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء

لے میاں آدم خان جس کا اصل نام حبیب اللہ خان اور والد کا نام خان بابا شہید سے مشہور ہے وہ ایک غازی اور اپنے قبیلہ جنگی خیل کے سربراہ بھی تھے۔ باپ بیٹے دونوں شہداء میں انگریزوں کی خلاف جہاد میں سر تو فیر کیساتھ شامل تھے۔ جیسے خان بابا شہید ہوئے تھے۔ میاں آدم خان اور اس کے والد خان بابا اور سر تو فیر تینوں موضع فتح پور کے جنوبی حصہ کے ایک قبرستان میں ایک دوسرے کے متصل دفن ہیں۔ میاں آدم خان کی تاریخ پیدائش ۱۸۸۳ء اور وفات ۱۹۵۲ء ہے۔

میں سولت کے پار شمالی علاقہ مٹہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا، جس کے حقیقی بانی مولوی احمد جان المعروف سٹڈا کے ملا صاحب ماسم خان اور اس کے بھائی حبیب خان شامی زنی تھے۔ میاں گل عبد الودود اور شیرین جان دونوں بھائیوں کو عبد الجبار شاہ کی قیادت پر اپنا خاندانی وقار خطرہ میں دکھائی دینے لگا تو وہ متحد ہو گئے۔ عبد الجبار شاہ اور اراکین جرگہ نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر اتر آئے۔ کاٹیلے اور ہوڑی گرام میں شدید جنگ لڑی گئی اور یہ دونوں بھائی بری طرح شکست کھا کر اپنے آبائی مسکن شیدو کو چھوڑ کر ریاست دیر موضع دلہار میں مقیم ہو گئے۔

نواب دیر نے سوات کے خلاف شکر کشی کی، یہ دونوں بھائی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور میاں گل شکر کی قیادت کرتے ہوئے سید دھک جاہنپا ادھر نواب دیر کے کچھ لشکر نے شموڑی پر قبضہ کر لیا۔ جنگ ہوئی ابتدا میں عبد الجبار شاہ شکست کھا کر پنی گرام میں جا مقیم ہوا۔ لیکن اس کے بعد عبد الجبار شاہ نے دوبارہ اقدام کرتے ہوئے انہیں سخت شکست دی اور نکال باہر کیا۔ بعد میں عارضی صلح ہوئی۔ میاں گل سمیت نواب دیر کا شکر واپس چلا گیا۔ تاہم کشمکش جاری رہی۔ میاں گل بظاہر نواب دیر کے ساتھ تھا تاہم اسے اس پر امداد و اعانت کا کچھ بھروسہ نہ تھا چنانچہ اس نے رخ بدلتے ہوئے خوانین تھانہ کے ذریعے ماسم خان اور حبیب خان کو رضامند کرنے کی کوشش کی اور بمقام تھانہ عنایت خان کے حجرہ میں خوانین کا ایک جرگہ منعقد ہوا۔ اراکین جرگہ کے قابل ذکر نام یہ ہیں :-

محب اللہ خان ولد عنایت خان دہرام خان خوانین تھانہ ماسم خان

درش خیالہ (دارمے) صاحب زادہ محمد ایوب ساکن تنہانہ وغیرہ
بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ بابوزئی کے علاقہ پیر میاں گل کے
حکومت قائم کی جائے اور ابانہیل و موسیٰ خیل کو آزاد چھوڑ دیا جائے
اور وہ دوسرے علاقوں پر مداخلت نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی
ہوا کہ عبدالجبار شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقہ
میں دیوبند سیاحت کو ختم کرادے۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ
نے علاقہ شموذئی میں ترنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کیا تو دیوار
سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دینے لگے۔ ادھر
اندرونی کشمکش بدیں وجہ شروع ہوئی کہ ایک ہی مملکت میں دو
بادشاہ نہیں سما سکتے ہیں۔ میاں گل عبدالودود کی جدوجہد کام
آئی اور اس نے مام خان و حبیب خان شامی زئی اور مولوی احمد جان
المعروف شہزاد کے ملا صاحب جو درحقیقت سوات کے ہائی کمان
تھے، کو راضی کر لیا اور بمقام کبیل تپہ نیکی خیل جو دریائے سوات کے
دائیں کنارے واقع ہے سیجینی، شامی زئی، نیکی خیل شموذئی وغیرہ
کے خواتین اور عوام کا جلسہ طلب کیا گیا اور میاں گل عبدالودود
کا نام امارت کیلئے پیش کیا گیا چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء میں اراکین جرگہ
نے اتفاق رائے سے میاں گل عبدالودود کو سوات کا بادشاہ منتخب
کر لیا۔ اور عبدالجبار شاہ کو معزول کر کے نہایت عزت و احترام
اور مال و دولت کے ساتھ واپس تنہانہ لوٹا دیا۔ اور ابتدا میں اس
مملکت کا نام حکومت خداداد یوسف زئی اور سرکاری زبان پشتو
قرار پایا۔

میاں گل عبدالودود نے بہت مشکل وقت میں اقتدار ہاتھ میں
لیا۔ اور اپنے دور حکومت میں اُسے بیرونی حملہ آوروں سے وقتاً فوقتاً

جنگیں لڑنا پڑیں اور اپنے تدبیر سے ریاست کو کافی وسعت دی۔
حتیٰ کہ برنیر، چلہ، خدوشیل، کوہستان اور وادی کالام کو ریاست میں
شامل کیا گیا۔ انگریزوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتے ہوئے قوانین
سوات سے مشورہ کئے بغیر ان کے ساتھ الحاق کیا تو ۳۱ مئی ۱۹۲۶ء
کو حکومت انگلشیہ (برطانیہ) نے ریاست سوات کو تسلیم کر لیا، جس
کی دو سے مملکت کا نام ریاست سوات قرار پایا اور بادشاہ کی جگہ والی
(Ruler) کا لقب تجویز ہوا۔ تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا
کہ اس نے صدیوں کی غیر منظم، غیر تعلیم یافتہ اور کسی کے سامنے
سیر تسلیم خم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا اور ان
کی اپنی حکومت قائم کی ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کرتے ہوئے
زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کیں۔ اس لحاظ سے بانئے ریاست
میاں گل عبدالودود اپنے وقت کا کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا۔
تو ریستہ (۶۳) سال کی عمر میں بخوشی دست بردار ہو کر غنائ سلطنت
۱۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو اپنے بڑے بیٹے عبدالرحمن جہانزیب کو سونپ دی۔
جسے وہ ۱۹۳۳ء میں اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا۔ اس نے ریاست
کو مزید ترقی دی۔ اس کے عہد حکومت کے دوران اور صدر پاکستان
ایوب خان کی معزولی کے بعد حکومت پاکستان کے سربراہ یحییٰ خان
کے ایک فرمان کی مطابقت (بتاریخ ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ء) ریاست سوات
کو پاکستان میں ضم کر دیا گیا۔

یوسف زئی قوم کی سرگزشت

باب (۱۰)

یوسف زئی ہندوستان میں

چونکہ ریاستوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن یوسف زئی کا ذکر بھی مختصر طور پر کیا جائے جنہوں نے بحیثیت قوم کے ہندوستان میں کئی بریاستیں قائم کیں۔ ان میں اکثریت کی بنیادیں قبیلہ یوسف زئی کے افراد کے ہاتھوں رکھی گئی تھیں اور کچھ اُن افراد کا جنہوں نے اُن کے ساتھ مل کر نام پیدا کیا۔ اُن ریاستوں کے بچے کچھ نشانات اب بھی رام پور، جونا گڑھ، مانا وادر، پانڈپور، دو جانہ، ٹونک، جاوڑہ اور بلاسنور وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں یوسف زئی ریاست کی بنیاد سب پہلے داؤد خان اکاخیل بابوڑی نے رکھی اور اس کے مقبوضہ علاقہ کا نام اسی کی نسبت سے روہیلکھنڈ پکارا جانے لگا۔ کیونکہ افغان پہاڑی باشندہ کی دھڑے سے روہیلکھنڈ پکارا جاتا تھا۔ اور پہاڑ کی نسبت سے روہیلکھنڈ یعنی افغانوں یا پہاڑیوں کا ملک یا علاقہ پکارا گیا۔ داؤد خان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ۱۰۰۰

میں سرزمین ہند پر نمودار ہوئے۔ اور اپنی زندگی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے بالآخر کھٹیر اور سنبھل جیسے بعد میں روہیلکھنڈ کا نام دیا گیا، پرتابض ہو گئے۔ سلطنت روہیلکھنڈ میں بدایون، پٹیل، بھیت، رام پور، بریلی، شاہ جہاںپور، بجنور، امرتسر اور مراد آباد کے اضلاع شامل تھے۔

داؤد خان کی وفات پر رسم قبیلہ کے مطابق اس کے متبشی علی محمد خان کی دستار بندی ہوئی۔ دہلی میں اس وقت محمد شاہ مغل کی حکمرانی تھی۔ اس نے ریاست کو اور بھی مستحکم کیا اور اس کی عمر کے آخری ایام میں بگر کے فیصلہ کے مطابق اس کے بڑے لڑکے سعد اللہ خان کی دستار بندی ہوئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ وہ حافظ رحمت خان کی نگرانی میں کام کرتے رہیں گے۔ لیکن اُسے زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور اس کی وفات پر اقتدار حافظ رحمت خان کے ہاتھ آیا جن کا تعارف ”ہندوستان میں مفصل طور پر کیا جا چکا ہے۔ اس کے دور حکومت میں اس میں زمین رہا۔ زراعت نے ترقی کی۔ ایک انگریز مقرر مسٹر برک نے انگلستان کے دارالعوام میں اس وقت کا ذکر یوں بیان کیا ہے:-

”ان یوسف زئیوں کے ملک گلستان کی طرح کاشت ہوئی یہ دنیا بھر میں بہادر ترین، معزز ترین اور فیاض ترین قوم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک انگریز قانون دان مسٹر میکالے کہتا ہے:-

”ہندوستان میں ان یوسف زئیوں کی آبادی نفیس ترین آبادی ہے۔“

یوسف زئیوں کی یہ ترقی یافتہ ریاست شجاع الدولہ مغل اور انگریز کے اغراض کا شکار ہوئی۔ کئی جیلوں بہانوں سے اُسے ختم کرنے کے

منصوبے بنائے گئے اور بالآخر مردانہ دار جنگ لڑتے ہوئے اپنے
دو ہزار ساتھیوں سمیت حافظ رحمت خان ۲۳ اپریل ۱۷۷۷ء کو شہید
کر دیئے گئے۔ یوسف زئی جس بہادری اور جوانمردی سے نبرد آزما ہوتے
اس کا ذکر کرنل چیمپین نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

”دشمنوں (یعنی یوسف زئیوں) کی اس بہادری و غزم کی
تفصیل بیان کرنے کیلئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان میں اکثر
ایسے نڈر تھے کہ وہ اقدام کرتے ہوئے مخالف لشکر کے
درمیان پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیتے تھے۔ تاکہ ان کے رفق
کے حوصلے بلند ہوں“

حافظ رحمت خان کے عہد میں رام پور پر فیض اللہ خان کا اور بسولی
مراد آباد، چاندپور اور سنہل پر دوندے خان کا اقتدار رہا۔ اس وقت
نجیب خان المعروف نجیب الدولہ جس کا تعلق یوسف زئی مندر کے
ذیلی شاخ عمر خیل خاندان سے ہے، نے پہلے ہی سے اقتدار اور طاقت
حاصل کی ہوئی تھی۔ اور اپنے نام کی نسبت سے نجیب آباد میں
برسر اقتدار رہا۔ اس کی تفصیل بھی باب دوم میں بیان کی جا چکی ہے۔
اور جیسا کہ درانیوں کے دور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ احمد شاہ ابدالی
کے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے وقت اس کا ساتھ نجیب الدولہ دے
چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے واپس ہوتے وقت اس کو دہلی کا نگران
مقرر کیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا ضابطہ خان پھر اس کے لڑکے غلام قادر
خان روہیلہ نے بتدریج شہرت حاصل کی۔ ضابطہ خان کے دو سر
لڑکے بھنبھو خان کو بعد میں انگریزی حکومت نے جاگیر عطا کی تھی اس
طرح اس کے دو بیٹوں محمود خان اور جلال الدین خان کو وظیفے ملتے

رہے۔ محمود خان نے ۱۸۵۷ء کے آزادی ہند میں حصہ لیا تو انگریز کے
ہاتھوں میرٹھ جیل میں جاں بحق ہوا۔ جنرل نخت خان بھی اس خاندان
میں مشہور اور قابل ذکر حیثیت کے مالک تھے۔ اس طرح عبدالاسلام خان
نے میدانِ صفاقت میں نام پیدا کیا۔ اور نسب افغانہ اس کی مشہور تصنیف
ہے۔

اکرم خان ولد رحیم خان یوسف زئی مندر کے ذیلی شاخ عمر خیل کے
خاندان عنایت خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران
ہندوستان گیا۔ اور ایک ریاست میں ملازم ہو گیا۔ اور جلد ہی اپنے عقل و ہمت کی
وجہ سے وہاں کے حکمران کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تو بخشی اکرم
خان کے نام سے وہاں کا وزیر بنا۔ اس کے تین لڑکے تھے اکبر شاہ،
نادر شاہ اور احمد شاہ۔ اکبر شاہ اور نادر شاہ کی اولاد ہندوستان میں
مقیم رہی، جبکہ احمد شاہ وطن اجداد آگیا تھا۔ اور اس کی اولاد دکن دی
عنایت خیل موضع صوابی میں مقیم ہے۔

حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد یوسف زئیوں کی طاقت ٹکڑے
ٹکڑے ہو گئی تھی۔ کچھ کمایوں کی پہاڑیوں میں جا گئے اور بعض
لوگ چھینا، کوہم خان، فتح خان اور امیر خان کی سرکردگی میں برادری پی
کی جنگوں میں چلے گئے تھے۔ جہاں سے انہوں نے انگریزوں کی خلاف
منظم جنگ کا آغاز کیا۔ نواب امیر خان باٹے ریاست ٹونک کا تعلق
یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ سالار زئی میں ملی خیل کے اللہ داد خیل سے
ہے۔ محمد شاہ منگل کے دور حکومت میں اس کا دادا طالع محمد خان
اپنے وطن بونیر کے موضع جوڑ سے نکل کر ہندوستان وارد ہوا تھا۔ اور
روہیلہ خنڈ میں دو سر یوسف زئیوں کے ساتھ مقیم رہا۔ اس کا لڑکا
حیات خان، حافظ رحمت خان کا شریک کار تھا۔ اور حافظ رحمت خان کی

شہادت کے بعد اُس نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس کے بڑے کا نام امیر خان تھا جس نے نہایت بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریزوں کے ساتھ جنگیں لڑیں اور بالآخر ریاست ٹونک پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوا، اور کریم خان کو ضلع بستی میں ایک جاگیر ملی۔ ریاست جاوہر کی بنیاد نواب غفور خان جو نواب امیر خان والی ریاست ٹونک کا رشتہ دار تھا، کے ہاتھوں پڑی جو انگریز اور نواب امیر خان کے معاہدہ کے تحت عمل میں آیا تھا۔

ریاست جو ناگڑھ کی بنیاد یوسف زئی کے ذیلی شاخ اکوخیل کے عادل خان بائی کی اولاد میں سے شیر خان نے اپنی بہت طاقت اور تدبیر سے رکھی اور اپنے دو بھائیوں دلیر خان اور شیر زمان خان کو مانا واد کا علاقہ سونپ دیا تھا۔ بعد میں ان دونوں بھائیوں نے جائیداد تقسیم کی تو دلیر خان کو مانا واد اور شیر زمان کو بنٹوا اور گیاراد (سر داگرٹھ) کا علاقہ ملا۔

ریاست بلا سدر کی بنیاد نواب خان نے رکھی تھی۔ جو یوسف زئی منڈر رزڑ کے ذیلی شاخ بابی خیل سے تعلق رکھتا تھا اور ۱۸۹۰ء میں انگریزوں سے معاہدہ کرنے کے بعد اس پر متسلط رہا۔

نامور افراد میں عظیم اللہ خان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جسے مفکر جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے انگریزی، فرانسیسی اور مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ انگلستان، ترکی اور روس کا سفر کیا اور ان ممالک سے راہ و رسم پیدا کیے۔ وہاں سے واپس ہو کر ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے لائحہ عمل تیار کیا جس کے مطابق یہ جنگ لڑی گئی۔ یوسف زئی کی ذیلی شاخ عربیل منڈر سے ہے جو اس وقت بھی ماہیری صوابی میں

آباد ہے۔

داؤد خان یوسف زئی کے مقبلی علی محمد خان جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے دور اقتدار میں موضع مرغز تحصیل صوابی سے مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کے دادا حیات خان ہندوستان گئے تھے۔ اُن کا سبب تعلق یوسف زئی منڈر کے ذیلی شاخ میر احمد خیل کے یار خیل سے ہے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جو بعد میں علی برادران کے نام سے موسوم ہوئے، نے اپنی اہلیت اور قابلیت سے انگریز کینالاف سیاسی میدان میں ایک پہل پیدا کر دی تھی۔ جس کا ذکر جریدوں میں ہوتا رہا۔ اس لئے یہاں اس پر مفصل بحث کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اور چونکہ یہ اوراق طوالت کے متمثل نہیں ہو سکتے اس لئے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہو گا کہ کس طرح ان مجاہدین نے پاکستان کے شمال مغرب کے سرحدی پہاڑوں سے نکل کر اپنی بہت، استقلال، جوانمردی اور تدبیر سے ریاستیں قائم کر لی تھیں۔

بگٹش ریاست، فرخ آباد

جیسا کہ یوسف زئیوں نے روہیل کھنڈ میں حکومت قائم کی تو اس طرح ان کے قریب پڑوس میں بگٹش پٹھانوں نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فرخ آباد میں اپنی ریاست قائم کی۔ بگٹش خاندان کی حکومت کا بانی محمد خان بگٹش ہوا۔ اس نے مالوہ اور بنڈیل کھنڈ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ محمد خان بگٹش کی وفات پر اس کا بیٹا قائم خان جانشین ہوا۔ جو اودھ کے نواب صفدر جنگ منٹل کے سیاست کا شکار ہوا۔ صفدر جنگ نے قائم خان کو حافظ رحمت خان سے

لڑوا دیا اور صفدر جنگ کے ایماء اور سازش سے قائم خان مارا گیا جسفد جنگ منگل نے بنگشوں کی فرخ آباد کی ریاست پر ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر جلد ہوش میں آکر محمد خان بنگش کا دوسرا بیٹا احمد خان بنگش میدان میں آگیا اور حافظ رحمت خان سے تعلقات بنانے کے علاوہ اس نے خوب مقابلہ کر کے فتح پائی اور صفدر جنگ منگل کو ناک چنے چھوڑا۔ صفدر جنگ کا صوبیدار "نول رائے" جنگ میں مارا گیا۔ احمد خان بنگش بہت سمجھ دار اور بہادر شخص تھا اس نے جنگ پانی پت میں بھی اپنے جوہر دکھائے تھے۔ اس کا ذکر اس کتاب میں ہوا ہے۔

ہندوستان میں انگریز کے آخری عہد حکومت تک افغانوں کے مندرجہ ذیل ریاستیں موجود تھیں۔ ممدوٹ، مالیر کوٹہ، جونا گڑھ، بالن پور، ٹوٹک، بلاس نور، بھوپال، رام پور، گدی، باؤنی، جاؤرہ، کورانی، مناو در اور بنٹوا۔

آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ سندھ، حیدر آباد اور بلوچستان کے علاوہ ہندوستان میں انگریزی عمارت کے قیام پر افغانوں کی پہلی مردم شماری ۱۹۰۱ء جس کو تاریخ نسب افغانہ (۱۳۸۰) کے مصنف عبدالسلام خان عمر خیل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے حسب ذیل تھیں:-

تعداد

صوبہ جات

- (۱) اجیر، مارواڑ، راجپوتانا، پنجاب، کشمیر : ۳۲۵۹۶۶
(۲) بمبئی، بڑودہ : ۱۸۲۷۸۹

لے قائم خان نے ایک قصبہ آباد کیا تھا، جو اس کی نسبت سے قائم گنج سے مشہور ہے اور اس کے خاندان والے قائم خانی پٹھان کے نام سے مشہور ہوئے۔

تعداد

صوبہ جات

- (۳) مدراس بیسور ملک متوشط برار : ۳۳۱۴۷۹
(۴) مملکت متحدہ بہار : ۹۱۹۲۶۴
(۵) بنگال، آڈریسہ : ۲۴۵۱۶۲
(۶) آسام، شکم، کوتھ، بہار پٹرا : ۱۱۴۵۴

۲۱۱۶۱۱۴ :

میزان تمام ہندوستان

ہندوستان میں افغانوں کی کل تعداد اکیس لاکھ سو لہزار ایک سو چودہ تھی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تعداد ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہے۔ اس کے بعد گزشتہ ۴۴ سال میں ملک کی آبادی میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہے وہ افغانوں کی تعداد میں بھی کرینا چاہیے۔

پنجاب کے علاقہ چھچھ میں یوسف زئی افغان

قطع نظر ان افراد یا خاندانوں کے جنہوں نے سرحدی افغانی علاقہ سے نکل کر ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کیں۔ یا وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ ایک بڑی تعداد خان گج کے وقت اور پھر مصری خان سالار نے اور بہا کو خان خد خیل کی قیادت کے زمانے میں دریائے سندھ کو عبور کر کے علاقہ چھچھ میں جا قیام ہوئے اور ان کے ناموں کی نسبت سے آبادیاں ظہور میں آئیں اور اس وقت تک علاقہ چھچھ میں افغان مارکاہ حیثیت سے بیشتر حصہ پر آباد نظر آتے ہیں۔ علاقہ کے صاب ثروت، تاجہ پریشہ، زمیندار اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر سر فہرست افراد کی اکثریت انہی افغان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔

چھچھ کا علاقہ مقام اک سے دریائے سندھ کے مشرق کی طرف

غرضت دیوہ ان کے خاندان آخری نئی یا نیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ علی زئی علاقہ برہان اور ساغری کھڑ میں آباد ہیں پھچھہ اور برہان کے معزز اشخاص یہ ہیں۔ لطیف خان عزیز سکند ملک مال میر عالم خان غرضتی، نادر خان علی زئی سکند سرواثر ہ بوسنان خان وردگ سکند نظوفہ، شیر محمد خان اور نیروز خان علی زئی

سکند برہان۔
پٹھانوں کی آبادی پر مشتمل علاقہ پھچھہ میں ۵۶ گاؤں برہان میں ۹ اور کھڑ میں ۷ گاؤں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر دیہات میں بھی حصہ دار ہیں اور سیکار ۶۱۵۱۵۱ روپیہ سالانہ مالیر ادا کرتے

ہیں۔

ان کے علاوہ علاقہ پھچھہ میں مندرجہ ذیل افتان قبائلی بھی آباد ہیں مثلاً سید نیل، نسوزئی، ماموزئی، بڑیس، سرکی نیل، حسرو زئی، بیوئی، مایسارہ، میانہ، بوزئی، سروانی، نگروانی، شیرانی، پیرزئی، عدل زئی، فوطی، نورانیل وغیرہ۔ ان سب قبائلی کی خاضیں اور خیم نسل لوگ انہی ناموں سے دریائے سندھ سے شمال کی طرف علاقہ یوسف کے سم (ضلع مروتان) بوئیر، سوات اور دیس باجوڑ میں بھی آباد ہیں۔ قبائل فوطی اور غرضتی پھچھہ آنے سے قبل علاقہ یوسف زئی کے تیرہ درڑ موضع فوطی نزد شیوا اور تیرہ خد نیل کے موضع غرضتی نیرطوطا میں آباد ہو چکے تھے وہ گاؤں جس میں اگرچہ اب یہ لوگ نہیں ہیں پھر بھی اب تک انہیں کے ناموں سے موسوم ہیں۔

لے پھچھہ میں موضع غرضتی کے شیخ الحدیث مولانا میر الدین بون بہا والدین بن سعاد الدین بن شیخ موسیٰ بن اخوان بشارت اذقیلمہ کا کٹر غرضتی افتان ہیں۔

اور تحصیل صوابی کے بالکل مقابل جنوب میں ہے۔ یہ علاقہ پیر راسی دیہاتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے نام کی نہت کا ثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مؤرخین اپنے اپنے خیال کے مطابق اسے کسی کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں۔ البتہ گوئیر مارولینڈی ۱۵۱۵ء میں ایک انگریز افسر کرنل کوکروڈنٹ نے اس کی جو ویرہ تسمیہ بیان کی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور معتبر بھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ پھچھہ کا لفظ اصل میں پشتو کا لفظ "پھچ" ہے۔ یوسف زئیوں نے یہاں آکر یہ نام اس علاقہ کو دیا "پھچ" پشتو میں ہاتھ کی بنی ہوئی ایک ایسی پیر کو کہتے ہیں جس سے ناز صاف کیا جاتا ہے اور اس کے تین کنارے محفوظ اور ایک طرف ان کی شکل کا ہوتا ہے۔ ہوبہ یہ شکل علاقہ پھچھہ کی بھی ہے۔ بعد میں یہ لفظ "پھچ" سے پھچھہ بن گیا۔ کرنل کوکروڈنٹ لکھتا ہے کہ۔

وہ پھچھہ کے علاقہ میں گجوان آبادی یوسف زئی پٹھانوں کی ہے۔ اور مالکوں میں اکثریت بھی یوسف زئی پٹھانوں کی ہے جو اعلیٰ درجہ کے کاشتکار ہیں۔ افتان جو پٹھان کہلاتے ہیں، پھچھہ کی وادی اور برہان میں آباد ہیں۔ ان کے آبادی و اجداد نے دنارک کو یہاں سے باہر نکال دیا تھا اور خود آباد ہو گئے تھے۔ دنارک کے بقایا کچھ گھرانے دو یا تیس گاؤں میں اب بھی موجود ہیں۔ یہ پٹھان ابھی نسل اور بہترین قسم کے کاشتکار ہیں۔ آپس میں پشتو بولتے ہیں اور ملک کی زبان پنجابی سے نا آشنا ہیں۔ ان کے بہت سے قبیلے ہیں مثلاً سیکانی، مٹنی، علی زئی، وردگ،

لے اسی سلسلے میں کرنل کوکروڈنٹ کی مزید تحقیق و تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔
نور دین خان رحمت خانی حصہ حواشی مرتبہ۔ رد خان خان۔

رہس کا ذکر احمد شاہ ابدالی اور مرہٹہ جنگ میں ہو چکا ہے (کی سربراہی
سرمائیں غرضشتی کے پاس تھیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تولڈ رینج"
حافظ رحمت خانی "حواشی مرتبہ روشن خان۔

ادریکینا نات سے اس امر کی تصدیق تو ہو جاتی ہے کہ یوسف زئی
اور ان کے متعلقین وقتاً فوقتاً دیرہ سوات، بونیر اور سہہ، صلات
یوسف زئی سے نقل مکانی کر کے اپنے اپنے خاندانوں سے جدا ہو کر
علاقہ چھپچھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ
اگر زکے اس علاقہ پر قبضہ ہونے سے قبل کے مکمل حالات باوجود
سخت سبجو کے نہیں مل سکے جن پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے یہ ایک
مسئلہ امر ہے کہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ مصروف جنگ
و جہل رہے۔ اور بونیریت کے جو مظاہر رہے بونیر، سوات اور صوبہ
سرحد کے افغانوں پر مغل، سکھ اور انگریز حکمرانوں کی طرف سے
ہوتے رہے ان میں پہلا نشانہ بھی بنتے رہے۔

ضلع ہزارہ میں یوسف زئی اور ان کے متعلق دار

زمانہ قبل میں یوسف زئیوں نے ضلع ہزارہ کی موجودہ تحصیل
ہری پور وایسٹ آباد کے علاقے دلاک ونگوٹ وغیرہ سے حاصل کر لئے
اور سواتی پٹھانوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ تو ایسٹ آباد کا علاقہ انہوں
نے گلدون یا جودن کو دیدیا اور تحصیل ہری پور میں یوسف زئی مندر
کی ذیلی شاخیں اکازئی، کنازئی اور علی زئی مقیم ہوئے اور انہوں
نے اپنے ساتھ اسی علاقے میں اپنے حمایتی افغان قبائل تیرین
پنی، کار شلمانی اور مشوانی کو بھی آبا کیا۔ جن کے مختصر حالات

ایسٹ اے رابرٹ سن علاقہ چھپچھ کے بندر بہت کے بارے میں
گزشتہ راولپنڈی صفحہ ۱۹۷ میں یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ :-

"پٹھانوں کا بندر بہت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک ضلع
کے شمال مغربی کونے پر تحصیل پنڈی گھیب میں کھل
کے اس پاس بوسا غری پٹھان (دلاق شنگ) کہلاتے ہیں
دوسرا تحصیل ایک علاقہ چھپچھ میں یوسف زئی آباد ہیں
بوت در شمع کی تحصیل صوابی سے دریائے سندھ کے
منالہ سمت میں واقع ہے۔ پٹھانوں کے ان دونوں
علاقوں کے درمیان دریا ہے سندھ کے کنارے پر کھڑ
اور قطب شاہی اڈان آباد ہیں۔ چھپچھ اور برہان کے
علاقے کا پٹھان آپس میں مل جل کر ایک قبیلہ چلا آ رہا ہے
وہ عموماً بہت ہی عمدہ کاشتکار ہیں اور دریائے سندھ
کے پار اپنی برادری سے مختلف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان
میں کوئی مختلف خاندان ہے۔ اس وقت کے مشہور
خواین تحصیل ایک میں حسب ذیل ہیں۔ میر عالم خان سکند
غورشتی آصف خان سکند ملک مالہ، امیر خان سکند دیتہ
علی اکبر خان سکند یا سین، اکبر خان سکند برہان اور غزن خان
پٹھان جو اپنی وفاداری کے لئے مشہور ہے اور جس نے
قفیہ پندر سنارہ کے سلسلہ میں بہترین خدمات انجام دیں
جس کے صلہ میں تحصیل کوٹہ میں انہیں ایک اچھی
ملا بہت ملی ہے"

چھپچھ کے موضع غرضشتی میں سید خیل، عنایت خیل، سہیل
خیل، کاکڑ، منہ خیل، اسحاق زئی، سرما خیل وغیرہ آباد ہیں۔ کچھ پورہ سکیت

تقسیم اراغی کے وقت یوسف زئی نے ان کو اتمان کے ساتھ گند
و غیرہ کا علاقہ آباد کیا۔ اور یوسف زئی نے ہزارہ کے نئے تعینات
ہیں۔ اسے بھی یہ موجودہ علاقہ ان کو دیا تھا۔ یعنی علاقہ درجوہ سالار
کے حصہ میں علاقہ دشتیاد اور نواں شہر منصور کے حصہ میں اور علاقہ
نانگل، چنگی اور سنگ سالار و منصور کا مشترک تھا۔

تقسیم گدرون و حصوں میں تقسیم ہے۔ سالار اور منصور چوتھ

کی ذیلی شاخیں حسب ذیل ہیں۔

سالار کی شاخیں، مت خوار نے، انور نے اور سلیمان نے
ہیں۔ اور منصور کی شاخیں موئی زئی، دولت زئی، خدو زئی یا خدو زئی

اور اسیرتی ہیں۔

۱۸۵۹ء سکھ اور انگریز کی آمد پر یہ قبیلہ غیر جانبدار رہا۔ لیکن ۱۸۵۹ء
میں انگریز نے بونیر کی پوریشن کے دوران اس قبیلہ کو اس بات کا
پابند کر دیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کرنے
نہیں دیں گے۔ اور حسب قبیلہ سالار اور کسبل کیا کے اتمان زئیوں
نے اس پر رضا مندی کا اظہار کر دیا تو ناکہ بندی ختم ہوئی۔ حسب
مقررہ امبیہ شروع ہوا تو گدرون افراد کی حیثیت سے شریک
ہوئے۔ مقررہ امبیہ کے اختتام پر گدرون کے خلاف انگریز نے لشکر
بستی کی۔ اور مدینہ پہنچ گئے۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی جو قریب
قریب مکمل ہونے کو تھی۔ کرات کو ملک بہاگیر خان اتفاق نہ کرنے
پونے گندھ سے چلا گیا اور مدینہ کے اکاڑی کی مداخلت پر جنگ نہ ہوئی۔
انگریزوں نے بھل کیا کی طرف کوچ کرتے ہوئے مدینہ پہنچ کر اُسے
نذر آتش کر دیا۔ بعد میں سالار اور منصور سے صلح ہوئی۔ اس کے
بعد بھی انگریزوں سے بھڑپیں ہوتی رہیں۔ اور سمجھوتے بھی طے پائے

بیان کیے جاتے ہیں :-

گدرون یا جہون :- یہ پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو
اس وقت تحصیل صوابی میں اور اس کے متصل علاقہ ایرٹ آباد ضلع
ہزارہ میں آباد ہے۔ ابتدایہ قبیلہ بھی درجہ پٹھانوں کے ساتھ قندہار
اور پوستان کے درمیانی علاقہ میں مقیم تھا۔ یوسف زئیوں کی
کابل سے آمد کے کچھ عرصہ بعد یہ بھی وہاں سے یوسف زئی کے ہاں
چلے آئے۔ سید محمود شاہ اپنی تصنیف بفتح الانساب میں لکھتا
ہے کہ :-

”یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے ہندوستان میں گلیاں
محسوزی، کمال زئی اور اتمان زئی قبائل سے جہنے
دھاکس مانگی مگر نہ پائی نہ ہوئی تو اس قبیلہ نے دریا
سندھ کا رخ کیا۔ دریا عبور کرنے کوئے کر قبیلہ
اتمان زئی نے اُن کو مصالحتاً واپس لوٹا کر مواضات
بازہ، کابل کیا، ایشیائی، چینی، گابائی اور منگل چائی
گندھ و غیرہ مال مویشی پرانے کیلے دے دیے۔ مگر
کچھ عرصہ بعد اتمان زئیوں نے بازہ اور کابل کیا کا علاقہ
ان سے واپس لے کر خود وہاں رہائش اختیار کی۔“

بفتح الانساب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حسب بہا کو خان
یوسف زئی نے ہزارہ پرورد کیا تھا تو گدرون اُس کے ساتھ تھے
اور انہوں نے اس وقت سے دوڑ نامی ندی کے دونوں اطراف کے
میدانی علاقہ میں اپنا اقدار قائم کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ یوسف زئیوں کے ساتھ ابتدا ہی سے
رہے اور ہمیشہ ان کی امداد و اعانت میں پیش پیش رہے تھے۔ اور

کی اولاد ہوں گے۔ جو یوسف زئی کے بھانجے تھے۔ اور کاکڑ پٹیلوں کی رشتہ داری اور برادری کے سبب ان کے ساتھ شامل رہے ہوں۔ اور اپنی کاکڑ کا یوسف زئی کے ساتھ شامل ہونے کا سبب بھی یہی رشتہ داری ایک ذریعہ ہوں ہو۔

یہ بھی معلوم رہے کہ ابتداء میں اپنی کاکڑ کو شیخ علی کی تقسیم میں تہہ ہائی زئی علاقہ مردان کے موضع پیر سہو میں حصہ ملا تھا اور کچھ حصہ موضع قطب گڑھ میں بھی ملا تھا۔ جو اس وقت بھی ملاں یہ سب کاکڑ کے نام سے موسوم اور آباد ہیں ضلع ہزارہ میں ان کو ان سب نے مقبوضات میں دوبارہ حصہ دیا گیا تو پیر سہو اور قطب گڑھ سے کچھ لوگ یہاں ہزارہ میں آکر آباد ہوئے اور کچھ گھرانے وہاں ہی موضع پیر سہو اور صرف ایک گھرانہ قطب گڑھ میں برعال سابقہ مقیم رہا۔ جو اب تک ان کی اولاد وہاں رہائش پذیر ہیں مگر ان سب کو کاکڑ بولا جاتا ہے۔ اپنی کاکڑ نام نہیں۔ پیر سہو اور قطب گڑھ کے علاقہ میں جہاں اسی تہہ میں ان کو موضع کوٹ چوہانگوڑہ میں بھی حصہ ملا تھا۔ ان کے پتہ گھرانے کا ٹکٹ، ڈھیری کا ٹکٹ، بابا، موضع سلیم خان تحصیل صوابی اور محلی ضلع مردان میں بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ مگر یہ لوگ اپنی اولاد کو اسے نام سے نہیں بلکہ غرضتی کے نام سے یاد کیا جاتے ہیں۔ موضع پیر سہو میں کاکڑ کے علاوہ ملا گوری، اتمان خیل، دلڑک کے دو گھرانے، غازی خیل اور شاہی خیل بھی آباد ہیں اور ایک ایک گھرانہ معیار، میانہ، پیر خیل اور سواتی وغیرہ افغان بھی آباد ہیں۔

رہے۔ آخر طور زندگی گزار رہے تھے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد انہوں نے اس سے الحاق کر دیا۔ افسوس کہ گدڑوں کے وہ لوگ جو ایڈٹ آباد تحصیل میں آباد ہو چکے تھے۔ پشتو زبان کو بھول گئے۔ جو ان کی مادری زبان تھی۔

پنی اور کاکڑ (غرضتی)

یہ دونوں افغان قبائل دانی کے بیٹے ہیں۔ اور دونوں کا مشترک نام دانی ہے اور قبیلہ غرضت سے متعلق ہیں۔ ان کے کچھ گھرانے یوسف زئیوں کے ساتھ افغانستان سے آئے تھے اور ان کی برادری میں شامل ہوئے تھے۔ (اگرچہ ان کا بڑا قبیلہ اس وقت شمالی بلوچستان کے علاقہ کوہ سلیمان میں آباد ہے) یہ لوگ یوسف زئی کی پرتکلیف وادعت میں شریک رہے اور جب یوسف زئی کا موجودہ تحصیل بری پور پیدا ہوا تو ان کو میدان ہزارہ اور صوابی میرو میں حسب نشنا حصہ دیا گیا۔ جو اس وقت تک یوسف زئی کے ذیلی شاخ آما زئی کے ساتھ تحصیل بری پور میں آباد ہیں۔ جو جب تھوڑے وقت میں پرتکلیف جہانی و خزان افغانی جلد دوسم صفحہ ۱۷۳، یہ لوگ یوسف زئی کی رشتہ دار بھی تھے۔ وہ یوں کر ان کے ہاں مسخی سلیمان پیر ملک یوسف بن مندرے بن خشی کی بیٹی بیاد ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ لوگ قندھار کے مغربی علاقہ میں آباد تھے۔ مصنف نے سلیمان کو پنی کے بیٹے کیچھوہ کی پانچویں پشت میں بتایا ہے۔ اور پھر سلیمان کی اس بیوی سے پیدا شدہ دو بیٹے عیسیٰ اور موسیٰ کے نام بتاتے ہیں۔ اگر صحیح ہوں جیسا کہ درست معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ لڑے قائم ہوتی ہے کہ یہ پنی لوگ جو موضع پنییاں تحصیل بری پور میں آباد ہیں۔ عیسیٰ اور موسیٰ

تھے مگر نکال کر قاضی بنوئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قاضی رہے اور پھر ان میں سے ایک بزرگ شاہ میر بابائے بٹ خیل سے جا کر کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ محمد اکرام مصنف

”آپ کو شہر، کھتے ہیں۔“

”سوات کے ایک بزرگ شاہ میر ۱۳۱۵ء میں کشمیر کے بڑے سنگھ دیو کے ہاں ملازم ہوئے اور اپنی خدا دادی بیعت سے بڑا اتنا دار حاصل کیا۔ ان کے بیٹوں کو بھی ملاجئے بڑے اختیارات دیئے اور خود ان کو ملاجئے کے ایک جانشین نے اپنا مکمل مطلق مقرر کیا۔ آخر میں جب ملک کا نظام دہم پر ہم بھم ہونے لگا تو سرحد ملاجئے میں شاہ میر شمس الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے اور سکھ و خطبہ جاری کیا۔ کشمیر میں اسلام ان کی بدولت پھیلا۔ شاہ میر نے کشمیر اسلام کے سیاسی تعلقات کی بنیاد ڈالی“

شاہ میر کے والد کا نام شاہ دین تھا۔ کیمونجہ بٹری میں شاہ میر کی نسبت لکھا ہے کہ:-

”نئے بادشاہ نے اپنے اختیارات سمجھا اور بیک بنی سے استعمال کیے کشمیر کے ہندو راجے بڑے ظالم تھے۔ ان کی علانیہ پالیسی یہ تھی کہ رعیت کے پاس معمولی دال روٹی سے زیادہ کچھ نہ رہنے دیا جائے۔ نئے بادشاہ کی حکومت بلبل اصولوں پر قائم تھی۔ اس نے بے جا سرکاری لگان اور غیر منصفانہ ٹیکس ہٹا دیے۔ ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ طریقے موقوف کر دیے اور سرکاری لگان پیداوار کے چھٹے حصے پر مختصر کر دیا“

”تو رہیں“

ان کے کوئی خاندان یوسف زئیوں کے ساتھ ابھرا ہی نہیں آئے اور ان کے ساتھ آباد ہوئے اور جب یوسف زئی نے اشتر کا سردار محمد زئیوں کو دیکھ دیا اور وہاں آگاہ ہو گئے تو یہ تین بھی تو ملاؤں منتقل ہو کر یوسف زئی کے ساتھ آگاہ ہو گئے۔ جب شیخ علی نے کھل احمد خان اور خان قوہ کی قیادت میں اضرائی تقسیم کی تو اس میں تین بھوسے شامل تھے۔ اس وقت وہ چمپہ کے مشرقی حصہ میں رہے اور ان کے نام سے ترمیان اب بھی ایک گاؤں وہاں آباد ہے۔ جو موضع نگری کے قریب واقع ہے۔ دلاڑنگ کو نکالنے کے بعد تقسیم اضرائی میں ان کو بھی مندر کے ساتھ حصہ ملا اور یوسف زئی منتقل ہو گئے۔ چہناچہ موضع یوسف زئی ترمیان صوابی میں ترمیان، دلاڑنگ کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ اور وہاں اٹھ کا ایک خاندان بھی آباد ہے۔ اور جب یوسف زئی نے ہزارہ پسر پوریش کی تو ترمیان ان کے ساتھ تھے۔ اور وہاں کے میدانی علاقوں میں ڈیرے بجائے تو ان کی آبادیاں درویش، پانڈراک، ایکانہ اور ہڈانہ وغیرہ کے ناموں سے منظر عام پر آئیں۔ اور طور پور پسر پوریش اس کے علاوہ جٹو، توریلہ میں بھی ان کی مختصر سی آبادیاں تھیں۔ لیکن اب یہ ڈیرہ کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہیں جسے سپین ترین کہتے ہیں۔

”سواتی پٹھان اور کشمیر“

اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں ان کے حکم سے سوات اور باجوڑ کی ماہ لی تھی۔ اور وہاں سے قیدم ہاشندوں، جو کافر

یہ کہ اس علاقہ پر برقی قبضہ رہے۔ یوسف زئیوں کی آمد پر ان سے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ضلع ہزارہ کا رخ کیا۔ اور وہاں سواتی قبضات پکڑے جانے لگے۔ علاقہ سوات سے نکل کر ہزارہ میں جس علاقہ پر انہوں نے قبضہ کیا اُسے سلطان پھل پھل کے نام سے پکھلی نام دیا گیا۔ پھر اٹھارہویں صدی میں سید جلال بابا کی قیادت میں اس قبیلہ نے ہزارہ کے شمالی علاقہ سے ترکوں کو نکال کر تمام بہاڑی اور میانوالی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

پیر قبیلہ کے راجا:

مشورانی :- یہ بخارانی نام ہے۔ یہ لوگ آرمینہ کے بھیل دان کے مغربی کنارے مویش نامی شہر تک کے علاقے میں جو قبیلہ بریس کے قریب بطشمال تھا، میں آباد تھے جس کی سکونت نسبت سے مویشا نامی یا مشورانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ دیکھو تاریخ عافہ رحمت خانی ص ۷۷۷ نقشہ

تاریخ فرشتہ میں درج ہے:-

۱۲۷۰ء میں کشمیر آیا اور راجہ کی اکثر مددیت
اور ملازموں کو موافق یعنی مسلمان کیا اور اتنا اثر پیدا کیا کہ
۱۲۷۱ء میں اس نے حکومت خود سنبھالی، بلا کشمیر میں
صنعی مذہب کو رواج دیا۔ شاہ میر کے چار بیٹے تھے، بڑا بیٹا
جوشید اور دوسرا علی شیر تھا، تیسرا شیراٹ اور چہارم پندل
تھا۔ یہ سب قابل اور ہوشیار تھے۔ شاہ میر نے تین سال
سک کا میاب حکومت کر کے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا
جوشید کو اتقاق سے تخت نشین کیا گیا۔ اور علی شیر اس کا وزیر
مقرر ہوا اور اپنے باپ کے طریقہ سے نظام حکومت ہاند
قائم رکھا۔

۴۵
۴۴
۴۳
۴۲
۴۱
۴۰
۳۹
۳۸
۳۷
۳۶
۳۵
۳۴
۳۳
۳۲
۳۱
۳۰
۲۹
۲۸
۲۷
۲۶
۲۵
۲۴
۲۳
۲۲
۲۱
۲۰
۱۹
۱۸
۱۷
۱۶
۱۵
۱۴
۱۳
۱۲
۱۱
۱۰
۹
۸
۷
۶
۵
۴
۳
۲
۱

کتاب راجہ ترنگین (فارسی ترجمہ شاہ آبادی) میں
شاہ مہر کے اولاد کے متعلق ذکوروں درج چنے کر۔

۱۹ سلطین شاہ میری نے کشمیر میں تقریباً دو سو سال تک کام کیا۔

حکومت کی اس خاندان کا معروف ترین سلطان، نیرن العبابین، مشہور
پہنڈ شاہ تھا۔ یہ سلطان بڑا عالم، ادیب اور شاعر تھے۔ عربی اور فارسی
میں بے تکلف شعر کہتے تھے۔ اور کشمیری، سنسکرت اور ہندی زبانوں میں
کامل مہارت رکھتا تھا۔ اس سلطان نے کشمیری زبان کی قلمی کتابیں اور
نیرن اکابر عربی، فارسی اور سنسکرت کو جمع کیا اور ایک بڑے کتب خانے
کی بنیاد رکھی۔ یہ کتب خانہ سری نگر شہر میں تاج علیہ حکومت سلطان فتح شاہ
۸۴۲ھ - ۸۹۸ھ بر وقت آباد تھا۔

و ۱۹۲۲ - ۱۹۲۹ م بر اثر آید

الغرض سوائی پٹھانوں نے الف بیک اور بابو کی اطلاع سے انکار کرتے ہوئے مراد آباد مقابر گیا اگر یہی شکست کھائی تاہم برسوں

در قوم کرمانی اندوکلانی مائیں سخن گفتہ باشند ہرگز از اولادِ ما خود را داخل سید شماراد اولادِ ما نیست۔ چنانچہ اس مقدمہ در سلطنت سلطان بہلول، سلطان کلہ لودی، سلطان شیر شاہ سوری، شہرہ بودہ، بزرگان ایشان اقوال را مہمل ساختند و ایں حکم نیز در محافل بادشاہان مقرر شد کہ (تاریخ ابراہیم بٹلی)

افغان اکابر مشائیر

واضح رہے کہ گزشتہ زمانے میں اتھون یا اخوند شیخ، میاں پیر، ملا، خانزادہ، پیرزادہ، اتھون زادہ اور صاحبزادہ وغیرہ انقباط تھے جو پختون قوم کے اکابرین کو دیتے جاتے تھے۔ اور یہ انقباط بہت متبرک اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ پختانوں کے بڑے بڑے گھرانوں کے افراد مذہبی پیشوائیت کے علاوہ امامت درس و تدریس اور نظام ریاست میں ایک مستقل ستون کا کام بھی دیتے تھے وہ ظالم کی سرکوبی اور مظلوم کی حمایت گوارائی سے اپنی قوم کو بچانے اور ملک کی حفاظت کے ذمہ داری سنبھالتے تھے اور عوام اُن کے پیر و کار اور معتقد ہوتے تھے۔

طیس یا طیشی یا طیشی (جو تینوں ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں)

یہ افغان قبیلہ ہے اور اس قبیلہ کو قیس عبدالرشید کے بیٹے شہر نبون و شرف الدین، کی اولاد بیان کیا جاتا ہے۔ اور یوسف زئیوں

زبان و پوشاک اور بود و باش افغانی ہی ہے اند اس معاملہ میں وہ ضلع ہزارہ کے دو سکے انخانوں سے ممتاز ہیں۔ ان کے کچھ گھرانے اسماعیلیہ اور ساوڈیہ میں اور پند گھرانے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہیں آزادی کی خاطر سکھوں اور اُس کے بعد انگریزوں سے اُن کی لڑائیاں خوب ہوتی تھیں۔ کیر و کھتے ہیں کہ:-

”مشوانیوں نے ہری سنگ کا تک میں دم کر دیا تھا۔ یہ لوگ کھوے پٹھان ہیں اور دریائے سندھ اور وادی ہزارہ سے دو میاں گنگھڑ کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ ان کا مرکز کئی دیہات کا ایک بھر مٹ ہے جو سری کوٹ کہلاتا ہے۔ یہ جگہ پہاڑیوں کے اندر محفوظ علاقہ میں واقع ہے یہاں مشوانیوں نے پختانوں کے رہن سہن کے دلچسپ طریقے بڑے لور رکھے ہیں۔ وہ قتل اور صدیاں گزرجانے پیر بھی نہیں برے“

مشوانی قبیلہ کے ذیلی شاخیں یہ ہیں:- (۱) لودین (۲) مشکانی (۳) سلمہانی (۴) بدغانی (۵) کنڑ پوتی (۶) خریب (۷) ٹوپاڑی (۸) من یا دیاض (۹) لغض۔ لغض کے چار ذیلی شاخیں ہیں جو آدم، ستر، موٹی خیل اور یوسف خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

قومیت کے متعلق ایک اہم فیصلہ

”ذکر این چند طبقہ قوم افغانیہ نوشتہ ہمیں باہتمام اساتذہ چنانچہ جٹیار و اشتراقی در قوم شیرانی اند و سیرانی در قوم تورکی اند و سرکین در قوم میانہ و کوٹی در قوم پٹنی اند و مشوانی و تاران در قوم کارو اند و پٹنی و وردگس

سبحان شاہ اور شاہ نور لا انسان بزرگان دین کی اولاد ہیں۔
رواٹری، یوٹیان، کناریا کشار اور کمبار

یہ چاروں ایک ایک انسان قبائل ہیں اور ان کے کچھ خاندان ابتدا ہی میں یوسف زئی کے پاس گھر شامل ہو گئے تھے۔ وہ ملک گیری اور نیز ہر تکلیف و راحت میں زیادہ اخلاص و پھر دہی سے ہمیشہ آئے تھے۔ ان کو کمال زئی کے ساتھ موضع مایار میں تقسیم کے وقت کھتہ ملا تھا اور اس وقت بھی یہی لوگ موضع مایار نزد طورہ میں آباد ہیں۔ اندیمہاں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جگہ جگہ کچھ گھرانے سکونت رکھتے ہیں۔ مثلاً کمبار کے کچھ خاندان بوئیر میں سالار زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں۔ اور بوٹی خاندان واے بھی کافی تعداد میں امان زئی کے ساتھ مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

قبیلہ روٹری کے چند گھرانے سکند مایار میں کمال زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد، بکمر، بحیثیت قبیلہ و بموجب تقسیم شیخ ملی، تہہ بانی زئی کے سالم موضع جلالہ اور اس کے ملحقہ بانڈہ جات میں مالکانہ حیثیت سے قابضان اور آباد ہو چکے ہیں۔ ان میں کئی خیل ہیں۔ مثلاً خواجہ داد خیل، زریڈیل، طعد زئی، کوت حسن زئی، آتمان زئی، باتور خیل اور حسن خیل۔

روٹری قبیلہ کے علاوہ جلالہ میں کچھ دوسرے مختلف انسان خاندان بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ مثلاً شمانی کے کچھ خاندان بوئیر والہ و خاندان، نختہ خیل، دو خاندان، مندر و خیل، ایک خاندان مندروری، ایک خاندان، بارکزئی، دو خاندان، نس خیل، ایک خاندان خوشے گی، ایک خاندان پیر خیل اور ملا خیل، ایک ایک خاندان منگورہ

کے انخانستان سے ہجرت کرتے وقت ان کے چند خاندان جن کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے، آگئے تھے۔ شیخ ملی کے تقسیم الارضی کے وقت پہلے ان کو طورہ و شامت پور میں آباد کیا گیا۔ تو بعد میں موضع ڈھو ڈھیر سالم دیا گیا۔ جہاں اس وقت بھی یہ لوگ آباد ہیں۔ اور حبيب یوسف زئی علاقہ چھچھ کی طرف بڑھے تو اس قبیلہ کے چند گھرانے ان کے ہمراہ تھے جو وہاں آباد ہو گئے۔ اس وقت بھی علاقہ چھچھ کے کئی دیہاتوں میں آباد نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند گھرانے موضع یار حسین اور موضع انار تحصیل مہوانی میں بھی آباد ہیں۔ حافظ رحمت خان روہیلہ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک مشہور بزرگ پیر ولی جس کے منظر سے انخون دروہ سے ہوئے تھے، بھی اس قبیلہ ٹبریک سے تھا۔

سرکاری تارن، مایار، اطرافی

ایک ایک یہ چاروں انسان قبائل ہیں جو ابتدا میں اپنے قبیلوں سے ان کے کچھ خاندان ایک ہو کر یوسف زئی کے ساتھ شامل ہوئے یوسف زئی کے ساتھ ملک گیری میں کار ہائے نمایاں سر انجام دیے اور یوسف زئی نے ان کو اپنے پاس رکھ کر اپنی بھادری میں شامل کیا شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو دیوہ جوڑ کے علاقہ میران و جندول میں اراضیات دیکر بسایا گیا تھا، جو اب تک وہاں آباد ہیں۔ اور میدان و جندول کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی آباد ہو چکے ہیں۔ چھچھ میں بھی ان کی کچھ آبادیاں ہیں۔ اور مایار کے چند خاندان لونڈھوڑ کے مواضع پرتو ڈھیری میں بھی، مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ جو

طوغی یا توغی

یہ ایک افغان قبیلہ اور شامل ترین ہے۔ ان کا علاقہ شامل میں دمشق کے شمالی سرحد پر حمات کے نام سے مشہور تھا۔ قبیلہ توغی کا نسبت توغی کو ہے جو داؤد علیہ السلام کے ابتدائی وقت میں حمات کے امیر تھے۔ توغی کے متعلق کتاب مقدس سمویل ۴: ۲۰ باب میں یوں درج ہے کہ:-

”اور جب حمات کے بادشاہ توغی نے سنا کہ داؤد اور علیہ السلام نے ہمدو عزرا کا سارا لشکر مار دیا تو توغی نے اپنے بیٹے یوزاس کو داؤد بادشاہ کے پاس بھیجا کہ اُسے سلام کہے اور مبارکباد دے۔ اُس نے اُس نے ہمدو عزرا سے جنگ کر کے اُسے مار دیا۔ کیونکہ ہمدو عزرا توغی سے بڑا کرتا تھا اور یوزاس چاندی، سونے اور پتیل کے ظروف اپنے ساتھ لایا اور داؤد نے اُن کو خداوند کیلئے مخصوص کیا“

ہڑیا اور ہڑ

یہ ایک مشہور ورافغان قبیلہ ہے۔ ان کے چند خاندان افغانستان سے پشاور آئے جن کے کچھ گھرنے یوسف زئی کے ساتھ اور زیادہ تر پشاور کے مغربی جانب آباد ہو گئے تھے۔ ان کی زیادہ آبادی کمانی گرام میں ہے۔ ان کی نسبت آرمینیا کے شہر اور وھید کہے جہاں انہوں نے پہلے پہل، اسہاک اور دابان کے عہد میں (آتشکدے سے پہلے) آتش پرستوں کی جگہ کو رکھا یا تھا۔ بائیبہ انصاری بھی اسی قبیلے سے متعلق تھا۔

سب نسل افغان ہیں لیکن ان کے علاوہ غیر افغان چاند گھرانے بھی یہاں قابضان ہیں جس کی تفصیل یہ ہے، چاند گھرانے ہاندو دو گھرانے ادان، دو گھرانے گوہر و غیرہ۔

وہر سے سیر بونی افغان

بونی یا بونیاں قبیلے کی نسبت شامل کے شمالی علاقہ جبل الکاسم کے اطراف میں، بایں کے قریب بونیا نامی گاؤں سمجھے۔ جس کی مالش وہاں شامل میں بونیا نامی قصبہ میں تھی۔ مشرق کی طرف آنے کے بعد وہی سکونت نہایت سے یاد اور یکا رہے جاتے ہیں۔ اور بعد اسی طرح رودانی یارد انٹری اور کھار یاکشار اور کبار بھی شامل کے کوئی مقامات کے ناموں کے نسبت سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ورگر قبیلہ

یہ افغان قبیلہ ہے اور اُن کے کچھ خاندان، یوسف زئی کے ساتھ افغانستان سے آکر شامل ہوئے تھے۔ اور ملک گیری نیز ہر ترک کلین میں یوسف زئی کا ساتھ دیا تھا۔ ان کو شیخ علی کی تقسیم میں ملی زئی کے ساتھ علاقہ مبدان اور اوشیرٹی دژہ دیو میں اور بابوزئی کے ساتھ سوات میں اور دولت زئی کے ساتھ کلپانی بونیر میں حصص ملے تھے بواب تک وہیں آباد ہیں۔ اور جب یوسف زئی نے علاقہ چھوچہ پر قبضہ کیا تو اُس کو اس نئے علاقہ میں بھی موضع نطو نہ میں اس گاؤں کا تیسرا حصہ ملا جو اب تک وہاں آباد ہیں۔ اور باقی دو حصوں پر نسوزئی اور سید شیل قباہض ہوئے جو دونوں نسل یوسف زئی ہیں۔

ان کی قوت تقسیم ہوتی چلی گئی۔ اور اگر تیر کی آمد پر ان کے کوئی معرکے ان کے ساتھ ہوئے جس میں وہ آخر کار مغلوب ہو گئے۔ اتمان خیل کے چند خاندان تیر بائی زئی کے موصعات سپاہی خان، سنگاؤ، پیلا، سنہری، کھوئی اور برمول میں آباد ہیں جو جنگ کا لنگہ کے بعد بطور انعام یہاں ان کو مزید حصہ ملا تھا۔ اور کچھ گھرانے موضع گلیاڑہ میں بھی آباد ہیں۔

خوشی پھان

اس قبیلے کے چند خاندان ابتدا محسند زئیوں کے ساتھ شریک سفر رہے۔ حالانکہ ان کا پورا قبیلہ قصور پنجاب کے علاقے میں جا رہا تھا۔ یوسف زئیوں نے جب محسند زئیوں کو دشمنی کا علاقہ دیا تو خوشی بھی چارمہ سے دھکیل کے ناصطی پر جانب شمال مغرب رہائش پذیر ہوئے جس کا نام خوشی ڈھیری پڑا۔ محسند زئیوں کو اس کے بعد نوشہرہ کا کچھ علاقہ بھی یوسف زئیوں نے دیا تو خوشی و ہاں سے منتقل ہو کر نوشہرہ سے مغرب کی جانب ایک گاؤں میں آئے جس کا نام خوشی مشہور ہوا۔ یہاں ان کے ساتھ کچھ دوسرے قبائل بھی جو یوسف زئی کے حامی تھے شامل کئے گئے موضع خوشی دو حصوں پر موسوم ہے برکے اور کونڈرکے برہمکل میں بکڑی، لالی خیل، شالم خیل، نیکی خیل، منہ خیل، ماند زئی اور درسم سالی پھنکی آباد ہیں۔ کوزکھی میں جٹا خیل، گرنی، گریان، خدا ماران، کچیان اور شکب آباد ہیں۔ یہ مذکورہ سب افغان قبائل ہیں جو اس وقت موضع خوشی میں رہتے ہیں۔

بے سودہ اور ملخانی قبائل

تیزوں ایک ایک افغان قبائل ہیں ان کے بھی کچھ خاندان افغانستان سے آکر یوسف زئی کے ہاں پہنچے اور ان کے مساؤں بنے شیخ علی کی تقسیم میں ان کو سالار زئی کے ساتھ حصص ملے تھے جو اس وقت ان کے ساتھ بنیر میں آباد ہیں۔ ان کے علاوہ بے سودہ کے چند گھرانے درگئی دشمن میں آباد کئے گئے تھے۔ جو اب بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور بے سودہ کے چند گھرانے موجودہ موضع ڈاگ بے سودہ میں بھی کے قریب بھی آباد ہو گئے تھے۔

اتمان خیل

یہ ایک مشہور افغان قبیلہ ہے یوسف زئیوں کے کابل سے نقل مکانی کے موقع پر یہ ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور امداد کے طور پر عملاً جنگوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ کنگلک اور شہباز گڑھ کے یوسف زئی دلاڑک موکر میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔ قبل اس کے یوسف زئیوں نے ان کو ملائند کے مغرب کی طرف کا علاقہ جو باجوڑ سے جنوب کی طرف تھا رہائش کیلئے دیا تھا۔ جو اس وقت تیر اتمان خیل کے نام مشہور ہے اس میں کیمور پہاڑ اور دیہات دگ بونگ مشہور ہیں۔ اور یہاں پر ایک اسرائیلی بمی جو غازی پتیر کے نام سے مشہور ہیں، کا مزار ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک اتمان خیل کی قیادت ایک طاقتور خان کے ہاتھ میں تھی۔ جو ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ لیکن بعد میں

مندوری یا ماندوری

یہ افغان قبیلہ ہے جو یوسف زئی کے ساتھ جنگ کا ملک میں شامل ہوا تھا۔ اور یوسف زئی کے ملک گیری میں انہوں نے ساتھ دیا تھا۔ شیخ علی کی تقسیم میں ان کو کمال زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا۔ اس وقت بھی مندوری موضع ہوتی دیکھ ہوتی میں زیادہ تعداد سے اور کچھ گھرانے شامت بطور وہ ہیں آباد ہیں۔ اور اس طرح قبیلہ کمال زئی کشتار بھی موضع طور وہ ہائیڈ میں مانگاندہ حیثیت سے آباد ہیں۔

مندورہ اور کشتار

واضح رہے کہ مندورہ ایک قبیلہ تھا جو بطور سینا کے مشرق میں طبرستان اور کدک کی سرحد پر واقع تھا جس سے مندوری افغانوں کی سکونت نسبت ہے۔ اور اسی طرح شامت میں کشتار ایک شہر کا نام تھا جو جتوں کا مرکزی شہر تھا۔

میراہی اور گورانی

یہ دونوں افغان قبائل ہیں۔ تیراہی کے زیادہ تر لوگ موافقت تاروہ، ناصر پور اور قاسم تپہ خالصہ میں آباد ہیں۔ اور گورانی خالصہ میں اور یوسف زئی کے علاوہ محمّد زئی کے ساتھ اشتر میں بھی آباد ہیں۔

لونی یا لوانی

یہ ایک افغان قبیلہ ہے جو یوسف زئی کی دعوت پر جنگ کا ملک میں شریک ہوا تھا اور ان کو مغربی خیال کیسا تھا حصہ ملا تھا۔ اس وقت یہ لوگ

کٹانی یا کٹانی

یہ لوگ خٹکی اور خٹکی کے بھائی اور زمند کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بھی جنگ کا ملک میں یوسف زئی کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اور ملک احمد و شیخ علی کے تقسیم میں ان کو کمال زئی خواجہ زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا اور اب بھی وہ ملی زئی کے ساتھ علاقہ دیر میں آباد ہیں۔

خلوئی اور لودی

ان دونوں قبیلوں نے تاریخ ہند میں خلجی اور لودی کے نام سے نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ ان کے چند گھرانے بھی ابتدا میں یوسف زئیوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ اور شیخ علی کی تقسیم لانی میں انہیں حصہ دہدی دیا جانا ہوتا ہے۔ خاندان غزنوی راجہ، خلجی یا خلجی جو سب ایک ہی قبیلہ کے مختلف نام ہیں) کے افراد تیرہ رازدار کے موضع شیروہ اور مائیری اور زردوبی تحصیل صوابی میں آباد اور صاحب اسلک ہیں۔ مشہور عالم دین پیر طیب جون کا ذکر انخوندہ دوزخہ نے کیا ہے اور اس کے مخالفین میں سے تھا، بھی اس قبیلہ خلجی سے تھا۔ لودی خاندان موضع ٹوپی میں آباد ہے۔ جس سے نواب شاہ جوادہ عبد القیوم خان تعلق رکھتے ہیں۔

علاوہ انہی چھوٹے چھوٹے مختلف قبائل کو بھی یوسف زئیوں نے اپنے ساتھ جہاں کہیں وہ رہے آباد کیا اور شیر سنگلی کے طور پر ان کو زمین بھی دی۔ تاکہ وہ اپنی زندگی گزار سکیں اور اس وقت تک وہ مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ آباد نظر آتے ہیں۔

سوات اور مٹراوی — ایک جائزہ

کتاب ہذا کے گزشتہ اوراق میں سواتی پٹھانوں کا ذکر قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔ یاد رہے کہ ان کے دو قبیلے تھے۔ ایک سلطان اویس کے قبیلہ جو سواتی پٹھان کے نام سے مشہور ہے۔ اور سلطان اویس کے یوسف زئی کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد یہ لوگ سوات سے ہجرت کر کے ضلع پزارہ میں جا کر مقیم ہوئے۔ دوسرا ملک سون کا مٹراوی قبیلہ جو سلطان اویس کے قبیلے کے عداوت کی بنا پر سوات میں ہی رہا جیسا کہ کتاب ہذا کے ضلع پزارہ پر بیان کیا ہے کہ یہ لوگ کئی برسوں تک پٹانوں میں سگروردان و فیشتان پھرتے رہے اور بالآخر آہستہ آہستہ اکوڑاچے اپنے موافقات میں بطور رعیت بن کر آباد ہوئے۔ یوسف زئیوں نے سوار سوات آپس میں تقسیم کر دیا۔ البتہ ملک سون اور اوس کے متعلقات شرم وندامت کے باعث جلا وطن اور عزت کشتی اختیار کرتے ہوئے پٹانوں میں بستے رہے۔ جب ملک سون کا انتقال ہوا تو اوس کے اقارب نے بھی یوسف زئی سے واپسی کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہو گئے۔ مٹراویوں کے متعلق تواریخ افغانہ میں خواجہ موزرخ لکھتے ہیں کہ: "مٹراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل و نسباً عدت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور مٹراویوں کے ماہرین اسباب کا بیان ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف زئی ہیں۔ ان کا یہاں

غور بند دودہ تحصیل الہردی سوات میں آباد ہیں۔

رودباری

یوسف زئی کی ذیلی شاخ ملی زئی کے ساتھ علاوہ دیر میں جگہ جگہ رودباری قبیلہ آباد ہے۔ یہ لوگ ملک احمد کی دعوت پر شیخ ملی سے ذریعہ مٹراویوں کے لئے دراک کے خلاف جنگ کا ملنگ میں شمولیت کے لئے آئے تھے۔ تقسیم میں انہیں ملی زئی کے ساتھ حصہ دیا گیا تھا۔

یہ ایک پختون قبیلہ ہے جس کی رہائش نیگلے اور دریائے ہمند کے جنوبی کنارے "رودبار" نامی ایک قصبہ میں تھی۔ یہ لوگ نسلاً خشی قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور خشی قبائل وہاں سے کابل کی طرف جلا وطنی پر مجبور ہوئے تو رودبار نامی قصبہ کے لوگ وجہ بعد میں اس قصبہ میں سکونت کی نسبت سے رودبار کے مشہور ہوئے (کابل کی طرف آئے۔ آنے کے بعد یہ لوگ علاقہ لغمان و ننگر پار و خیرو میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ رودباری لوگ قبیلہ ترکھانی یا ترکھانی میں ادلا و شعیب میں سے ہیں، جو اس وقت تک کٹر سے مغرب کی طرف افغانستان میں آباد ہیں۔ (رودبار کیلئے ملاحظہ ہو نقشہ خلافت شرقی تذکرہ صفحہ ۴۲) پٹھان لوگ علماء، مشائخ اور سادات کی ابتدا ہی موت و حیات سید اور مریدان کے لئے چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعدد دفاندان علما و سونری میں تقسیم شیخ ملی کے تقسیم راضی ہیں اگرچہ ان کے سونری علما و سونری سیرری دیکھی تھی۔ ان میں اچھے نامور زمیندار بھی ہیں۔ حکومت میں اچھے عہدوں پر سر فائز اور مریدان سنی ہیں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یوسف زئی نے پہلے بھی تمام پختونوں میں سمجھ دار اور عالم و فاضل شخص دیکھا، ان کو پیسے مان کر آباد کیا تھا۔

اور پھر اس کتاب کے مسئلہ ۲۱۰ ص ۲۱۰ پر درج ہے کہ:-

”بہلول خیل افغان گگیانی ماہکان شہدہ ہیں“

مذکورہ بیان شہدہ کے بندوبست میں بہلول خیل کے اراکین

جسگز کی زبانی درج ہوا ہے وہ زیادہ معتبر ہے۔

واضح رہے کہ موضوع بڈاگیر کے بہلول زئی خیل ہیں نہ گگیانی

بلکہ وہ خیل کے نامی گرامی ملک بہلول بن صدور بن علیسی اسحاق زئی

خیل کی اولاد ہیں۔

تنبہ دوآبہ پنجپاؤ میں برہمند کے آنے کے وجوہات یہ ہیں

کرستہ ۲ میں قبیلہ یوسف زئی برسکردگی ملک کالو خان اور

منلی حکمران اکبر بادشاہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی۔ اکبر خود

قلعہ اکہ میں مقیم تھا۔ اور کابل و ہندوستان سے پیہہ فوج بلاکر

علاقہ یوسف زئی پر حملہ آور ہوا۔ جس کے نتیجے میں اکبر کی کل فوج جو

پچاس یا باون ہزار بیان کیانی ہے۔ لاہور پرلی سمیت یوسف زئی

کے پٹاڑوں میں مارے گئے۔ اس جنگ میں افغانوں کے اکثر

قبائل شامل ہوئے تھے خصوصاً برہمند یوسف زئیوں کی امداد و

اعانت میں پیش پیش تھے جو اس وقت پشا در اور نوشہرہ کے

درمیان ہواب تپہ غلہ کے نام سے یاد ہوتا ہے، میں مقیم تھے۔

اکبر بادشاہ نے بعد میں انتقام لینے اور کابل کا راستہ صاف کرنے

کی خاطر ہمنڈوں پر حملہ کیا اور اپنے مخالف برہمند کو جلا وطنی

پر مجبور کر دیا چونکہ اس وقت سوائے علاقہ یوسف زئی کے اور

کوئی مقام مسلوں کے اثر سے محفوظ نہیں تھا۔ ایک طرف دریا

کابل حد فاصل تھا تو دوسری طرف دریائے سندھ۔ چنانچہ یوسف

زئی نے ہمند قبیلہ کے ان خانانوں کو جو برہمند بولا جاتا ہے،

ہیں۔

(۴۲) مواضع کتوزئی، صدگردھوی اور نوریلکی میں قوم یوسف

زئی کے چند خانان یعنی بہاکرخان بن مامول خان بن عثمان کے پوتے

سرور خان خود خیل کی اولاد آباد ہیں اور کتوزئی میں ان کے ساتھ

اچیان افغان قبیلہ بھی رہتا ہے۔ کدوزئی یا کتوزئی نام بھی یوسف

زئی ہی ہے۔ ابتدا میں حسب یوسف زئی دوآبہ میں آباد تھے تو یہاں

ملک کدو کا ماموزئی قبیلہ رہتا تھا۔

(۴۳) مواضع کتوزئی، صدگردھوی، کتوزئی اور کتوزئی، کتوزئی،

اسماعیل اور کالو پورہ، قابضان قوم اولاد، مستیان، کتوزئی،

(۴۴) گروہی شریف خان میں مسہی شریف خان قوم منلی کی اولاد

گروہی ناظر میں ناظر خان قوم منلی کی اولاد آباد ہیں۔

(۴۵) موضع گروہی، عبد الرحمن میں مستیان، غلام محمد و محمد داؤد

قوم سید کی اولاد آباد ہے۔

(۴۶) موضع مامول میں اولاد حاجی محمد معروف کتوزئی قوم پاپوتی

اور موضع ملخیل میں لیبیب افغان ملا خیل اور موضع حاجی زئی میں

یاسین خان کتوزئی کی اولاد آباد اور قابضان ہیں۔

(۴۷) موضع بنیادی میں اولاد مجید افغان قوم کتوزئی اور موضع ڈب

میں اولاد وخت یا افغان قوم شمشیل اور موضع گروہی جالہ بانان میں

اولاد فاضل افغان قوم شمشانی آباد ہیں۔

(۴۸) پنجپاؤ میں برہمند آباد ہیں۔ اور ان کے علاوہ شہدہ میں بہلول

خیل آباد ہیں جو گگیانی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ بہلول خیل کے متعلق

تاریخ پشاور میں ص ۲۱۰ پر درج ہے کہ:-

”یہ خاندان افغانان قوم گگیانی سے بنا کہ بہلول خیل شہدہ ہیں“

تو کارٹیوں نے خانہ گجھ سے پناہ دینے کی درخواست کی تو ان کو باجوڑ میں مقیم ہونے کی اجازت ملی۔ یوسف زئیوں کے ساتھ ان کے متعلقات ابتدائی سے جو شہکار تھے اور یہاں آنے پر آپس میں ایسے گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ تو کارٹی دو حصوں میں منقسم ہیں یعنی توک کے دو بیٹے تھے ایک موسیٰ دومرا شعیب۔

موسیٰ کی اولاد :- (۱) محمود (موسے ماموند)۔ (۲) اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل زئی سے یاد ہوتے ہیں۔ اسماعیل زئی کی چار ذیلی شاخیں ہیں۔ ورد کے ماموند، لون، اکا اور کٹور۔ (۳) حسن (۴) عیسیٰ والیسوزئی)۔ (۵) مد سے جس کے بیٹے خواجے، معروف اور ایسا ہیں۔ (۶) بارون۔ (۷) موز۔

باجوڑ میں مقیم ہوتے وقت اسماعیل زئی کے چند گھرانے جو کٹور کہلاتے تھے، پترال اور پترشان کی طرف اور لون پنجاب کی طرف چلے گئے تھے اور کے زئی جو لوہے ماموند کی ایک شاخ ہے اس کے اکثر لوگ پنجاب میں جالندھر، لاہور، گوجرانوالہ، جالندھر سیالکوٹ کی طرف گئے اور وہاں مقیم ہوئے۔ الیسوزئی کی ذیلی شاخیں یہ ہیں :- مسیت خیل، علی بی خیل، موسیٰ خیل، شاہی خیل، مد سے زئی، اور سین زئی۔ اور ان میں شاخ مست خیل سے علخان جندولی متعلق تھا۔ اور الیسوزئی کی ذیلی شاخ موسیٰ خیل سے میاں عسکر صاحب چگدی متعلق ہیں۔

شعیب کی اولاد :- یہ انصاف تان میں ہی رہ گئے تھے۔
لے مراد شکاری شہزاد کے مطابق پترال کی آبادی ایک لاکھ اسی ہزار تھی جس میں پختون توکم کی آبادی تیسب ۹ فیصد ہے۔

شہزادہ آہ میں پنجاب کا سارا اور ابائی کا سفر فی پہلائی علاقہ دے کر پناہ دی۔ آہ زئی کے پہاڑی علاقہ میں جو آہ زئی خاندان آباد تھے وہ آہ۔ قبیلہ آہ زئی کے ہاں سوات میں موضع بر باڈوان منتقل کئے اور پنجاب کو جو قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ ہے۔ اپنی برادری کے علاقہ کو ٹھہر لوپی وغیرہ میں بھیج کر وہاں آباد کئے۔ اسی مذکورہ پنجاب قبیلے کے سبب اس شے کا نام ابھی تک انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ پنجاب قبیلہ مندر یوسف زئی کو اس مقام پر پہلا گجھ نے بغرض حفاظت دواہ، غوریا خیل سے بعد از جنگ شیخ تیمور آباد کیا تھا۔ اور اسی طرح قبیلہ یوسف زئی کے کچھ اور خاندان مواہنت کوٹڑی، صدر کوٹڑی میں آباد ہوئے۔ اور قبیلہ ابائی اشنغر کے موضع آہ زئی میں ابتدا ہی سے آباد تھے ان سے کچھ گھرا بھی جا کہ

وہاں مقیم ہیں۔

قبیلہ گگیا فی سبب علاقہ دواہ یوسف زئی میں مقیم ہو رہے تھے تو اس وقت ملک حمزہ مغل خیل۔ ملک میر سے لالہ زئی اور ملک یحییٰ میر زئی اس قبیلہ کے قابض تھے۔ اس وقت بھی بڑے با اثر لوگ اس قبیلہ میں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو شجرہ نسب صفحہ ۳۷۹

مرکلائی یا شہزادہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ملک احمد یوسف زئیوں کو دیکر افغانستان سے نکلے تو ترکاٹری لہان میں مقیم رہے۔ جہاں ان کی اپنی ریاست تھی۔ کچھ عرصہ بعد حکومت منلیہ کابل سے ان کی کشمکش ہوتی تو وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔ اس وقت یوسف زئی دواہ اشنغر، سوات، دیر اور باجوڑ پر قابض ہو چکے تھے

محمد جو بن موسیٰ کی اولاد لوہے ناموند کے نام سے علائقہ باجوڑ میں موجود ہے جو کہ ان سات ذیلی شاخوں پر منقسم ہیں۔ بوزرئی، مکن زئی، اریازئی، سالار زئی، برم کازئی، خورزئی اور بھل زئی۔

سالار بن لوہے ناموند جس کی اولاد سالار زئی سے مشہور ہیں، کے دو بیٹے سیدین اور ایک ہیں۔ ان میں ایک سالار زئی کی اولاد بارہ یہ ہیں۔ اول ملک شہو جس کی اولاد شہوخیل سے یا دہوتے ہیں، کے دو بیٹے ملک سرخانی اور ملک مٹہ تھے۔ دویم ابراہیم خیسل، سویم ہلال خییل جس کی ذیلی شاخیں سگر زخیل، صاف خیل، اوگی خییل، اور چندین خییل ہیں۔ چوتھا تم میرداد خییل، پنجٹیم محمد وندیل، ششٹیم فتح خان خییل۔ ہفٹیم حیدر خییل۔ اسیٹیم ٹورخیل۔ نہمٹیم اکاخییل۔ دہشٹیم سرگزند خییل۔ یازدہشٹیم گبرے۔ دوازدہشٹیم تاران۔

سیدین بن سالار کی اولاد چھ ہیں۔ (۱) میرخان خییل (۲) قلعہ خییل

(۳) علی خییل (۴) کوئی خییل (۵) سہیل خییل (۶) کندیان

سکی زئی پنجاب والے اسی لوہے ناموند کے ٹوک ہیں۔ مکن زئی کی اولاد پانچ ذیلی شاخوں پر منقسم ہیں۔ مسعود خییل، ابوسف خییل، تورخیل، سہیلان خییل اور بادین خییل اور اس وقت بھی توگک باجوڑ میں انہیں ناموں سے یاد کیے اور موجود ہیں۔

قبیلہ ترکاڑی کی باجوڑ سے جانب مغرب، علائقہ لغمان افغانستان

میں مشطہ، کے آغا ز ملک اپنی ریاست تھی۔ جو منسل کھوران کے ہاتھوں بہادر ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے خان جمو کے عہد میں علاؤدینوسف زئی کے تہہ باجوڑ میں آکر پناہ حاصل کی۔ اور یوسف زئیوں نے باجوڑ میں کافی علائقہ اپنی خوشی سے ان کو امداد کے طور پر حوالہ کیا تھا۔ تاریخ کے اس تذکرہ عہد میں وادی جندول کے جندوبی سرے پر رود بارہ باجوڑ کے عہد

اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں اور لغمان میں سر قلعہ اور علائقہ سر صمدہ دینر سرخ رود و ننگر بارہ کے مختلف مقامات میں آباد ہیں۔ چونکہ ترکاڑیوں کا شجرہ نسب آج تک کوئی مؤرخ بھی مرتب نہیں کر سکا تھا جس سے میری راہنمائی ہوتی۔ لہذا مجھے اُسے قریب کرنے میں کافی تک و دو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان علاقوں میں مجھے کئی بار جانا پڑا جہاں یہ قبیلہ آباد ہیں۔ پیناچہ کچھ وہاں کے معتبر ترین افراد کی مدد سے اور کچھ تاریخ ابراہیم بٹنی کے قلمی نسخہ سے جو مجھے میسر آیا ان کے شجرہ نسب مرتب کیے جو آنے والی نسلوں اور پرھنے والوں کیلئے ضرور دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

قبیلہ مکن زئی یا کازئی پنجاب میں

یہ تاریخ کی بڑی سترم نظریہ ہے کہ جس قبیلہ کو سابق متعہ پنجاب کی حکومت نے ۱۸۵۷ء میں جہاز کم پیشہ قرار دیا تھا۔ ۱۳۱۴ء کے بعد اسی قبیلہ کے افراد اسی سرزمین پنجاب پر گورنر جنرل سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اور مرکزی وصولی وصولی کی وزارت قانون کے مالک رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ تاریخ کے صفحات پر عجائبات عالم میں سے شمار کیا جائیگا۔

معلوم رہے کہ ایک قوم جو افغان قبیلہ ترکاڑی، ترکاڑی اور ترکاڑی۔ یہ سب ایک ہی قبیلے کے مختلف نام ہیں۔ جو غلٹے سے اور قبیلہ یوسف زئی و گیلانی کی برادری سے تعلق رکھتی ہے،

لے ترکاڑیوں کے شجرہ نسب کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ ملاحظہ حضرت خانی مرتبہ روشن خان اشاعت ۱۳۵۷ء۔

کا بھائی مٹہ نامزد ہوا اور غور یا نہیں کی جنگ میں وہ دوسرے گھوڑ
سواروں سمیت یوسف زئیوں کی امداد کیے بمقام شیخ تیور، خان جو
کے پاس آیا تھا اور اس نے جنگ میں بہت اخلاص اور بہادری کا
مظاہرہ کیا تھا۔ خان جو حکمران خشی نے تیر کا شریوں کی اخلاص اور بہادری
کی بہت تعریف کی ہے۔

محمد زئی

محمد زئی قبیلہ اشتر کے تیر تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں۔ ان کے
اپنے قبیلے کے علاوہ چنگر کچھ دوسرے خاندان بھی ان کے ساتھ کشت
پندیر ہیں۔ اور ان کو بھی انہی کے ذریعہ مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔

نصیر یوں ہے۔

مواضعات دلاڑ، دوگر، کوٹ، اتنان زئی، چک اتنان زئی، امیر آباد
محمد زائی، خان مائی، توراب، مخزنی، شنگی، چک محمد میر خان،
سگر، دلاڑ کڑھی، مرزا ڈھیر، چارسدہ، چستلی ٹاپو، گاندہ بیلہ، بستہ،
پراگ، گجو، سافر خیل، سدو خیل، سرخ بیلہ، سیچین زئی، میٹاری،
سابو کے، ترنگزئی، شیر پاؤ، ڈاکی، تنگی نصرت زئی، قلعہ شیر پاؤ، پٹے،
دوبندی، بامری بند، گندیرے، حصہ بہری چند، جودہ، تنگی بوزئی،
گرٹھی، میاں صاحب، پٹے، بہرام ڈھیری، سحرانگ، عیسو گے میں
اولاد محمد زئی خود مالکان و قابضان ہیں۔

مرزا ڈھیر میں محمد زئی کے علاوہ قبیلہ دلائی کے مستحان امیر
خان، عطا محمد خان، تاج محمد خان و پیر محمد خان پیران اباں خلات
انسان درانی کی اولاد بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہے۔
اس کے علاوہ سکونت صورت حال یہ ہے کہ موضع گامکو دیت

بنو کی کنارے پر واقع ایک پہاڑی نشیبی درہ کھار میں قبیلہ ماموند کی
ذیلی شاخ مکی زئی کے لوگ آباد تھے۔ اور اسی مقام کی نسبت سے
یہ لوگ کھار کے نام سے بھی موسوم ہوئے تھے۔ اور باجوڑ سے کل
کویشا ور میں بھی رہتے ہیں۔ اور یہاں بھی کھار یا کلال مکی زئی کے
نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ ہیں کھار ایک قصبہ تھا جو ککلائی کا سک
تھا۔ واضح رہے کہ کلال ایک اسرائیلی نام ہے جس کا ذکر کتاب مقدس
میں اچھلی عورتوں کو چھوڑنے کے بارے میں ہوا ہے۔

تورابخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے۔ کہ جب قبیلہ یوسف
زئی پر سرکردگی ملک احمد باجوڑ میں دلاڑ سے نہر و آرم تھا اور دلاڑ
اور یوسف زئی کا سخت مقابلہ تھا تو ملک سرخانی بن شمو ترکلائی
جو پارس وقت قبیلہ کا ایک نامور سردار تھا، اپنا لشکر لیکر لغمان سے
یوسف زئیوں کی امداد کیلئے پہنچا اور یہی سردار دلاڑ کو سمجھنے
کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ سمجھ سکا۔ بالآخر نہر و بہت جنگ رسید
قریب تھا کہ یوسف زئی شکست کھاتے لیکن ملک سرخانی بن شمو
نے اپنے لشکر کو لٹکا لٹکایا جس کے نتیجے میں یہی سردار کو ترکلائی
مکی زئی نے تلوار سے مارا اور برہان ترکلائی مکی زئی نے یہی کے بھائی
جہان شاہ کی گردن غلائی اور سرتن سے لگ ہو گیا مختصر یہ کہ دلاڑ
قوم کے دونوں سردار یہی اور جہان شاہ مکی زئیوں کے ہاتھوں
مارے گئے۔ اور دلاڑ کا لشکر شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہوا۔
اور سارا علاقہ باجوڑ یوسف زئی کے قبضہ میں دے کر لغمان واپس
چلے گئے۔ اور جاتے وقت یوسف زئی ملک کو کہہ گئے کہ یہ ملک
باجوڑ تمہارے لئے فتح کیا۔ اس پر اب اطمینان سے رہو ہم اپنے
وطن واپس جا رہے ہیں۔ ملک سرخانی کی وفات کے بعد سردار قبیلہ اس

انفان محمدزئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تپہ حطّاء میں کوئی جگہ یہ لوگ قابضان و مالکان ہیں۔ ماضی قریب میں اس خاندان سے دو اہم شخصیتیں میاں احمد شاہ اور میاں عبداللہ شاہ گزرے ہیں۔ موضع اباذئی میں قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اباذئی کے کچھ خاندان ابھی تک مالکان و قابضان ہیں۔ جو کہ زمانہ قدیم سے اس گاؤں کے مالکان کی حیثیت سے سکونت پذیر رہے ہیں۔ اس گاؤں کا نام بھی انہیں کے قبیلہ اباذئی کے سبب موضع اباذئی مشہور ہے۔

قبیلہ محمدزئی جب استغفر میں مقیم ہو رہا تھا تو اس وقت ملک خضر خان اور ملک بیگی خان اور میر پائندہ خان اس قبیلہ کے قائدین تھے اور بہت سمجھدار، مخلص اور قابل سربراہ تھے۔ لڑائی میں حافظہ و فانی ہیں ان کا ذکر آپ کا ہے۔ قبیلہ محمدزئی کا شجرہ نسب شامل کیا جاتا ہے تاکہ قائدین کو شناخت میں آسانی ہو اور وہ متعارف ہو سکیں۔ شجرہ ص ۳۸۴

تپہ استغفر

استغفر کا ماضی پٹھانوں کیلئے شاندار رہا ہے۔ اس سہری میں پرفانیوں کی کوئی تحریکات عمل میں آئیں۔ مثال کے طور پر:-

(۱) خاندان غزنوی نے جب غزنیوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو شہاب الدین محمد غزنوی انفان نے پہلی فرصت میں یہ طے کیا کہ انفانوں کو میاں اباذئی جاتے۔ چنانچہ یہاں کے بندہ آبادی کو پنجاب کی طرف دریائے سندھ کے پار جانیکا حکم دیا۔ ادیہاں پر پٹھانوں کو لاکر آباد کیا۔ معلوم رہے کہ انہیں قبل سوات، ماہوڑ اور کابل تک بندہ آباد کرتے۔ اور ان کے شمال مغرب میں ترک آباد کرتے۔ پٹھانوں کا

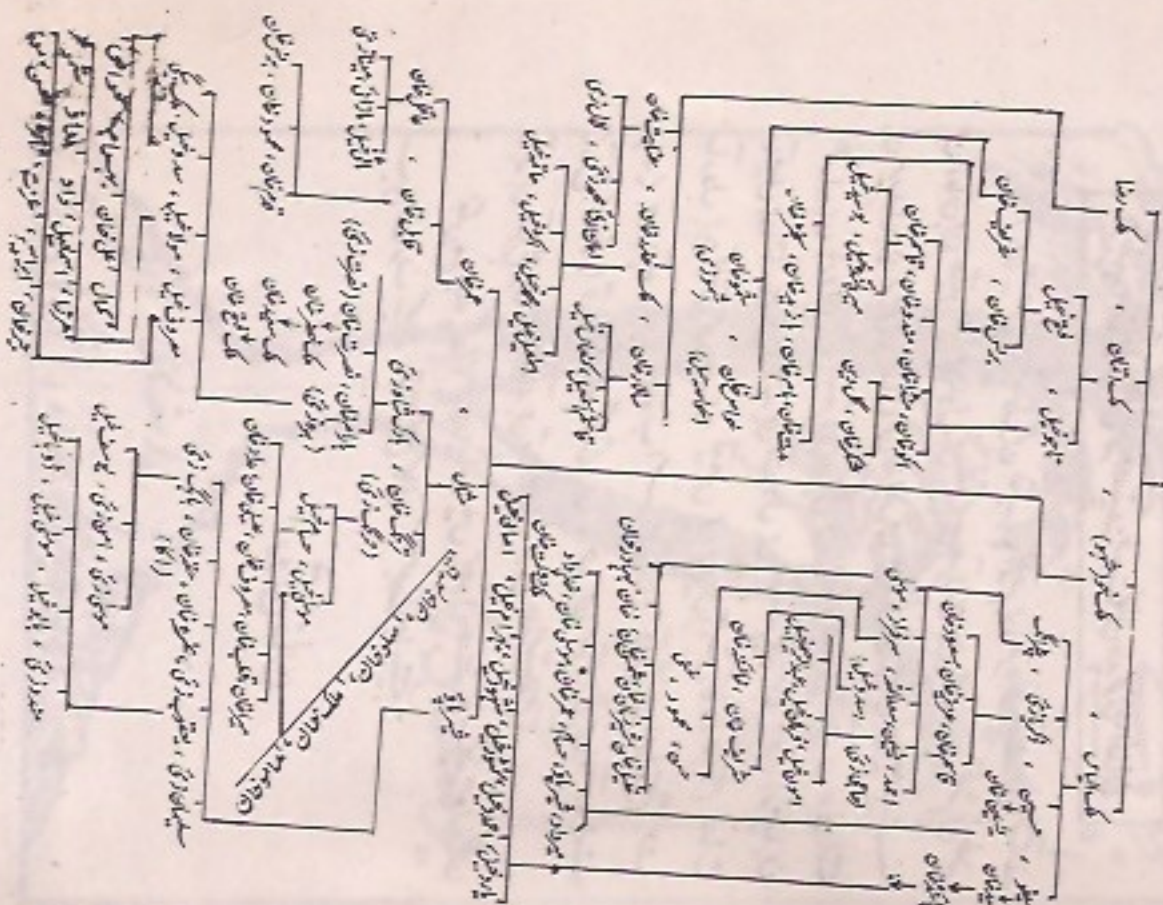
اولاد دین محمد قوم اولان اور ٹوگانی غلام قادر میں اولاد افضل خان یوسف زئی اور ٹوگانی فیض اللہ میں اولاد اعظم خان قوم انفان علی خیل اور پہلی میں اولاد شہاب الدین قوم اوان سکونت پذیر اور قابضان ہیں۔ اور اسکی طرح موضع طوکلے میں اولاد محبت خان انفان درانی اولاد ولی محمد شیخ قابضان و سکونت پذیر ہیں۔ اور موضع گستی قاضی غلام قادر انفان یوسف زئی کو ماحب میں مقناب احمد شاہ پالی ملا تھا۔ موضع دوسہرہ پر اولاد دوست محمد خان خشک اور شیخ کلے پر اولاد محمد عظیم خان انفان پول زئی درانی اور موضع ٹوگر میں سیاں محمد یوسف قوم سید بخاری اور ڈھیری نرداد میں اولاد زرداد خان قوم انفان پول زئی آباد ہیں۔ اور موضع ٹلہ پر اولاد نصرت یا نصرت قوم اولان اور موضع ابابکری پر اولاد میر احمد خان انفان قوم درانی قابضان ہیں اور موضع چستلی ماکوئی پر اولاد امیر خان خشک اور موضع درگلی پر اولاد جہانگیر و ستار، شیر گل، شاپنوا، احمد و دیگر قوم انفان بے سود و لودی، خشک اور اولان آباد ہیں۔ اور موضع تولاندے پر اولاد زینتی قوم انفان گورنی سکونت پذیر ہیں۔ موضع نودہ پر اولاد امیر خان انفان محمدزئی ملک خود اور کچھ حصہ قاضی خیل کی ملکیت ہے۔ اور موضع پتہ پر اولاد عبدالغنی خان قوم انفان درانی سکونت پذیر ہیں۔ اور موضع دولت پر اولاد غزن خان انفان گورانی اور موضع چک کا خیل پر اولاد فضل بابا کا خیل اور موضع چینیہ پر اولاد موسوم قوم امان آباد ہیں۔ موضع گڑھی بہادر بہادر پر اولاد منظم خان آفریدی اور موضع ٹوگانی ملک خود پر اولاد میر صاحب قوم سید اور چک تولاندی پر اولاد کلا خان قوم آفریدی آباد ہیں۔ موضع قاضی خیل پر خاندان قاضی خیل خود آباد ہیں جو نسلاً

خجسته قبيله ستمندى

فأمر شيخه أن يجره إلى أفلاك

کتابخانه

مسند



علاقہ قندھار، زوہب، ہرات، نورد و غیرہ یعنی مغربی، کابل اور پشاور کے بہ خوب میں تھا۔ اس منطقے سے محمد غوری کو ہندوستان پر حملے کے صورت میں امداد اور لشکر بآسانی مل سکتا تھا۔ دوسرے پٹھانوں کو پشاور کیلئے ایک وسیع علاقہ مل گیا اور محمد غوری قندھار کو ہندوستان فتح کرنے میں کافی سہولت ہوئی۔

(۳) بائیزید انصاری اریز روشن) نے بھی ابتداءی وقت میں یہاں سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اریزماں ہی ان کے ساتھ مخالفت میںے اخوند درویشہ دیر بابا کے مناظرے ہوئے تھے۔ بائیزید کی یہ تحریک مغل حکومت کیخلاف انسانیوں کو بیدار کرنے اور ایک موثر پیر جمع کرنے کی تھی۔

(۴) سید محمد شہید بریلوی اور اسماعیل شہید نے یہاں سے ہی سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے نو شہرہ و بیڑہ کی جنگ میں شرکت کی۔

(۴) انعامانِ بزرگہ اور فرائضِ خدمتِ گارِ تحریکِ بوجہ انگریز کے خلاف جنگِ آزادی کے بارے میں ملتی۔ اسی علاقہ سے شروع ہوئی۔ اسلامی مدرسوں کی تحریکِ اندر پختیوں کے ذریعے گھریلو فیصلے اور انگریز کے خلاف فضا کی بھڑائی کی سعی و کوشش کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا اور یہیں سے حاجی صاحب تنگڑی نے بھی انگریز کی خلافِ اعلانِ جہاد کیا اور اسی غرض کیلئے وہ ہجرت کر کے مہمندوں کے ہاں گئے۔ ان کا نام فضل واحد اور والد کا نام فضل احمد تھا۔ ولادت ۱۲۷۳ھ اور وفات ۱۳۵۶ھ بڑے شہر ۱۳۶۲ھ سال۔

(۵) اسوقت بھی اس علاقہ میں کافی سمجھدار لوگ موجود ہیں جو ملکی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ خدا کرے کہ ان کے ہاتھوں ملک و ملت کی بہتری خدمت سرانجام ہوگی۔ آمین۔ شکر اےست۔

انساب اوقارم افانغہ — جبر اعلیٰ قدس عید الشہداء کا شجرہ نسب

از تہذیبہ الخافین قلمی خز تصنیف شیرخان ولد پور خان افغان

قیس بن عقیص بن سہول بن عقیص بن نعیم بن مہر بن جاندہ بن اسکندر
بن زمان بن عقیص بن مہول بن شکم بن صلح بن قادی بن عشم بن عشم
بن مہول بن کریم بن عمال بن صدیقہ بن مہال بن قیس بن عشم بن
اشمول بن مارون بن مشرود بن ابی بن صہیب بن طلق بن لونی بن
عاقیل بن تارح بن آذرندہ بن مقدول بن سلم بن آبا بن ارمیا بن
سارول بن قیس بن عقیص بن عقیص بن روئلی جس کا دوسرا نام نواح
ہے) بن یزید ابن یعقوب اسرائیل بن اسحاق بن ابیہیم بن
تارخ کر او را آذر نیرے گھنڈہ بن ناخدر بن سرود غ بن اسود بن
عابر بن سارح بن ارغشتہ بن سام بن نوح علیہ السلام
مکتبہ جے کچھ نام درمیان میں بھول سے رہ گئے ہوں لیکن
نسب تعارف کیلئے اتنا بھی کافی سمجھنا چاہیے۔

روشن خان



بھی قائم رکھا۔ فیاضی اور خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ اگر کسی دوسرے قبیلے نے مدد مانگی تو تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا یہاں تک کہ اگر دشمن نے پناہ مانگی۔ تو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر امداد پر آمادہ ہو گئے اور اپنے ہاں ان کو پناہ دی اور ان کی مہمان نوازی اس طرح کی کہ ان کی حفاظت کیلئے انہیں کوئی جگہ نہیں ملتا چھریں۔ جب بھی کوئی دوسرا قبیلہ کسی طاقت ور حکومت کا نشانہ بنا اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہوا تو یوسف زئی قبیلہ نے اُسے اپنے ہاں بگھر دی۔ مثال کے طور پر پہلے گگیانوں کو بگھر دی۔ پھر متحدہ مذہبی اور نویشگی، بعد میں ترکانی جب اس طرف آنے پر مجبور ہوئے تو انہیں اپنی جگہ رہائش کیلئے پیش کی۔ بعد میں ہند قبیلہ کو اکبر کے زیرِ خطاب کمر نقل مکانی پر انہوں نے اپنی جگہ رہائش کیلئے دی۔ نیز دیگر کئی چھوٹے چھوٹے قبائل کو سر نہایت عزت و احترام کے ساتھ بسایا اور جیسا کہ باب ششک میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلے بلات شکک کو پناہ دے کر خوشحال خان سے سری قبیلہ اور مثل کا نشانہ بنے اور ان کی حفاظت کی خاطر بے انتہا قربانیاں دیں۔ اور پھر خوشحال خان کی درخواست پر اس کے ہاں بچوں اور ان کے ساتھ ایک دوسرے خاندان کو مثل کے پختہ سے بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینا صرف کہہ دینے اور کہنے میں تو آسان ہے مگر عملاً ایسا کرنا بہت معنی رکھتا ہے اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر یوسف زئی فخر کو شکستہ ہے کیونکہ کسی قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنی شاندار روایات کا متحمل قبیلہ پھر بھی اپنی حقیقی اہمیت کیلئے ہمیشہ مورخین کی توجہ کا محتاج رہا ہے۔

بکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ نے ہمیشہ ان پر زیادتی کی اور ہر جس کے جی میں آیا مخالفت میں کھو دیا۔ یوسف زئیوں کے کارناموں اور

یوسف زئی قوم کی مرکز نشست

باب (۱۱)

یوسف زئی علم و ادب

قبیلہ یوسف زئی کو ابتدا ہی سے علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ اور ان میں بہترین مشائخ، علماء، فضلاء، شعراء اور ادباء پیدا ہوئے۔ تبلیغ اسلام اور اشاعت دین میں انہیں فوقیت حاصل رہی، بلکہ دوسرے قبائل میں بھی جب کوئی قابل، سستی نظر آتی تو اسے انہوں نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس لاکر مقیم کیا یہی وجہ تھی کہ اس قبیلہ یوسف زئی میں نہ علماء و قہیم کی کبھی کمی محسوس ہوئی، اور نہ علماء و جدید کی۔ بہترین قسم کے لوگ اس علاقہ میں دوسرے علاقوں سے آکر اپنی قیادت کے لئے جھاتے رہے۔

یوسف زئیوں کے ترکات و مسکنات پر ایک تاریخی نظر

یوسف زئیوں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دودھ اول سے ہی یہ قبیلہ کشمکش و محلات میں مبتلا رہا۔ سرورنی حملہ و دودھ سے یہ کسی وقت بھی آرام سے نہیں رہے اور اندازاً گزشتہ پانچ صدیوں سے یہ اپنی آزادی کے تحفظ کیلئے ہر د آگرم رہے۔ انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور اندرون ملک کے نظم و نسق کو

فتوحات کو اپنا ظاہر کر کے قلم بند کیا، اور تعجب ہے کہ اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور ہر پڑھنے والے کی نظر میں یوسف زئی کا وفادار کم ہوتا چلا گیا حالانکہ یہ یوسف زئی ہی تھے جو اپنے سرحدی علاقہ سے بے سرو ساماں ہندوستان گئے اور وہاں پر اپنی حکومتیں قائم کیں۔

یوسف زئی کی تقسیم اراضی کا بہترین کارنامہ اپنی مثال آپ ہے بلکہ میں تو یوں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شیخ ملی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم اراضی کا آغاز کیا تھا اور بعد میں یوسف زئی قبیلہ وقتاً فوقتاً دوسرے پریشان حال قبائل کو اپنے ساتھ یوں آباد کرتا رہا۔ جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے پر وہاں کے باشندگان نے کیا تھا۔ ایسی حالت میں یوسف زئی کو اگر انصار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یوسف زئی قبیلہ کو جنگ و جدل سے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ کسی وقت اپنی اقتدار و تعلیمی حالت پر بہ اطمینان غور کر سکتے اور جو بلند توقعات اس سے وابستہ کی جاسکتی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں۔ تاہم ان کا سیاسی شعور بہت بلند رہا ہے جس کا اعتراف وقتاً فوقتاً باہر کے بعض مؤرخین کر چکے ہیں ان کی فیاضی، خوش اخلاقی، اعلیٰ کردار، مہمان نوازی، ہمت و جرات، بہادری، خودداری، غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک اور مظلوم کی حمایت، یہ ایسے کارنامے ہیں جن کو ضبط تحریر میں لانا کوزے میں دریا سمونے کے مترادف ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یوسف زئی قبیلہ کی اپنی کوئی تاریخ باقی نہیں رہی تھی جس سے اصل واقعات پر روشنی پڑتی اور موجودہ نسل اس سے کما حقہ روشناس ہو سکتی بلکہ یہ حقیقت ہے

کہ نئی روشنی کے اس دُورِ یادِ الفاظ دیگر اس ترقی پذیر دور میں جب ان کے آباء اجداد کے کارنامے ان کے سامنے اصلی روپ میں پیش کئے جاتے ہیں تو وہ انہیں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی نامعلوم چیز سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ایک دلچسپ واقعہ "قصہ ایک وزیر کا" لکھتا ہے کہ:-

"اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک وزیر پر جب بادشاہ کا عتاب ہوا تو اس کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور وزیر کی سالوں تک وہاں رہا۔ اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے بھی وہاں ماں باپ کے ساتھ پرورش پائی۔ جب اُس نے ہوش سنبھالا تو ایک روز باپ سے پوچھنے لگا کہ یہ گوشت جو ہم کھا رہے ہیں، کس چیز کا ہے؟ باپ نے کہا بکمرے کا۔ بیٹا بولا بکمرے کیسے ہوتا ہے؟ باپ نے اس کا پورا حلیہ بیان کیا۔ لڑکے نے کہا ابا جان! وہ چوہے کے مانند ہوتا ہے؟ باپ نے کہا کہ سبحان اللہ کہاں بکمرے کہاں چوہا! اسی طرح گائے اور بھینس کے گوشت کے بارے میں گفتگو چلی۔ جب اس کی یہ تھی کہ وزیر کے لڑکے نے قید خانہ میں زندگی گزارنے کے سبب سوائے چوہے کے اور کوئی جانور دیکھا ہی نہ تھا اس لئے وہ ہر جانور کو چوہے کی نسل سے جانتا تھا!"

مساکین یوسف زئی بمطابق شجرہ ہائے نسب

افغان قوم کی نئی زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب بنی اسرائیل کے جلاوطن قبیلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دین اسلام نے

ان میں نئی روح ڈالی اور انہیں متحد ہونے کا سبق سکھایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی منتشر قوم کو اکٹھا کیا اور جیسا کہ وہ زیادہ مشہور اور بڑے گروپوں کی صورت میں چار مرتبہ شام و عراق سے جلا وطن کئے گئے تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنے تعارف کے لئے ان کے چار گروپ بنائے۔ اور ان کے یہ نام مقرر کئے۔ سترہ بنی، بلٹی، غریشی اور کرلانی۔ ان گروپوں میں وہ قبائل شامل کئے گئے۔ جن میں نسبتی یا علاقائی قرابت موجود تھی۔ اس تعارف کی خاطر انہوں نے ایک قومی پیشوا تیس عبدالرشید جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، کو اپنا مورث اعلیٰ (اعزازی باپ) متفقہ طور پر مقرر کیا۔ اور یہیں سے افغان قوم کا ایک نیا شجرہ نسب مرتب ہوا۔ جن سے بعد میں بے شمار قبیلے بنے۔ کتاب ہذا میں ہمارا تعلق چونکہ خشکی یا خاشی قبائل خصوصاً قبیلہ یوسف زئی سے ہے۔ اور یہ سترہ بنی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ لہذا ہم نے خشکی قبائل کے شجرہ ہائے نسب مرتب کر کے شامل کئے ہیں۔

لیکن پہلے سترہ بنی افغان قبائل یہ ہیں۔ ترین، شیرانی یا شروانی، میانہ، بریس یا بڑیج، ارمڑیا اور ستر اور کند، زمند، کاسی اور کند کے اولاد میں صرف غوریانہ اور خشکی قبائل شامل ہیں اور خشکی قبائل میں یوسف زئی، گلگانی، ترکلانی اور محمد زئی شامل ہیں۔

خشکی قبائل کے شجرہ ہائے نسب کو شامل کرنے کے بعد ہم ان کی موجودہ رہائش گاہ پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ان کی ذیلی شاخیں اس وقت کہاں کہاں پر مقیم ہیں۔ معلوم رہے کہ زئی اور خیل کے معنی اولاد کے ہیں جو ذیلی خاندان کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ملی زئی

اور ابخیل، ملی اور ابامورث اعلیٰ کے نام ہیں اور ان کے جو خاندان بنے وہ ملی زئی اور ابخیل پیکار سے جانے گئے۔ یعنی ملی اور ابکی اولاد۔ یہ تشریح اس لئے ضروری سمجھی گئی تاکہ ہر پڑھنے والا آسانی سے سمجھ سکے۔ خشکی قبائل کے تیس شاخوں یعنی گلگانی، ترکا زئی اور محمد زئی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب چوتھی شاخ قبیلہ یوسف زئی کا تعارف پیش خدمت ہے۔

قبیلہ یوسف زئی :- واضح رہے کہ مندرجہ بن خشکی یا خاشی (خنخے) کے دو بیٹے مستیان یوسف اور عمر تھے۔ یوسف بڑا اور عمر چھوٹا تھا۔ عمر نے وفات پائی تو اس کا ایک ہی شیرخوار بچہ مندرجہ رہ گیا جس کی تربیت و پرورش اس کے چچا یوسف نے بہت اعلیٰ طریقے پر کی۔ اور بالغ ہونے پر اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی۔ یوسف اپنے بھتیجے اور داماد مندرجہ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتا تھا۔ بلکہ یوسف نے مندرجہ کے باپ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور رسم ملک کی مطابق مندرجہ اپنے چچا کا والد کی طرح احترام کرتا رہا۔ ان وجوہات کی بناء پر مندرجہ کی اولاد بھی اس کے چچا یوسف ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور افغان قوم کا یہ ایک دستور بھی رہا ہے کہ بڑے بھائی کے نام سے چھوٹے بھائی کی اولاد موسوم ہو جاتی تھی جس کی کئی مثالیں خود قبیلہ یوسف زئی میں موجود ہیں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یوسف کو اپنے بھائی عمر کے اکلوتے لڑکے مندرجہ سے بیحد پیار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے آج تک یوسف اور مندرجہ میں کسی قسم کا کوئی خرق محسوس نہیں ہوسکا اور ہر کوئی انہیں یک بیان تصور کرتا ہے، ہو کہ حقیقت پر مبنی ہے یوسف کے پانچ بیٹے مستیان، اکو، میلسی، عیسیٰ، ملی اور ادنی

ملک جانا جن کی اولاد ننگر خیل سے مشہور ہیں۔ اور سوئم ملک پاچا جس کی اولاد پاچا خیل سے مشہور ہیں۔ خانانہ شاہ بیگ کے چار بیٹے تھے۔ اول بازید جس کی اولاد بازی خیل سے مشہور ہے کے دو بیٹے ملک حمزہ اور اسماعیل ہیں۔ ملک حمزہ کے چار بیٹے جلال، منور، جمال اور قتلا ہیں۔ اور جلال بن ملک حمزہ کے دو بیٹے عزیز خان اور رستم خان تھے۔ اور جمال بن ملک حمزہ کا ایک بیٹا سردار خان تھا۔ اسماعیل بن بازید کے تین بیٹے بابا خیل، شامت خیل اور کٹور خیل ہیں۔ دولم علی جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم کٹور جس کی اولاد کٹور خیل سے مشہور ہیں۔ چہارم سمیل جس کی اولاد سمیل خیل ہیں جو ناگوال سے مشہور ہیں۔ سمیل خیل پہلے تقسیم کے مطابق موضع ناگوال میں مالکانہ اور رہائش پذیر تھے۔ بعد میں یہ لوگ موضع ناگوال سے اپنے بھائیوں کے ہاں موضع تھانہ منتقل ہوئے اور ننگر خیل و پاچا خیل اولاد شرف کو موضع ناگوال کو موضع تھانہ کی جائیداد کے بے میں دیدیا۔ اس وجہ سے سمیل خیل کو ناگوال یعنی ناگوال والے سے شہرت ہوئی۔ شرف کی اولاد یعنی ننگر خیل و پاچا خیل موضع پوڑی سوات میں آباد ہیں۔ اور موضع ناگوال بھی ان کی ملکیت ہے اور ملک متہ کی اولاد موضع متہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں آباد ہے۔ موضع متہ۔ ملک متہ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ واقع ہو کہ موضع متہ کی کل تین حصے ہیں۔ دو حصے جائیداد شرف اور خانانہ کی اولاد کی ملکیت تھی، لیکن خانانہ کی اولاد نے اپنا حصہ اولاد جلال قوم اتان خیل کو بطور صلہ خدمات اہم میں دیا تھا۔ لہذا موضع متہ کے تیسرے حصہ رقبہ پر خود اولاد متہ بن شرف بن شاہ بیگ ابان خیل یوسف زئی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور خانانہ کی تیسرے حصہ پر اولاد جلال اتان خیل قابض ہیں۔ اور

تھے اور یوسف کی بیٹی سے مندر کے چار بیٹے مستیان، منور، رزق، خضر اور محمود عرف مامو تھے۔ اور ان سب کی اولاد یوسف زئی کہلاتے البتہ آپس میں شناخت کیلئے صرف یوسف اور مندر کے جدا جدا ناموں سے بھی گاہے گاہے یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان کا مشترک اور مجموعی نام یوسف زئی ہے اب میں مذکورہ بالا مورثیان یوسف زئی جو اکو سے محمود یا مامو ملک ہیں، کا مختصر تعارف اور ان کی اولاد کے مسکن پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ ان کے بنیادی شجرہ ہائے نسب مکمل طور پر ذیلی شاخوں تک کتاب ہذا میں درج کرتا ہوں۔

۱، اکو بن یوسف

اس کی اولاد اکو زئی سے مشہور ہے۔ جو تعداد میں دوسری ہزاری میں زیادہ ہیں۔ ملک اکو کی دو بیویاں مستانہ گوہرہ اور مستانہ رانڑی تھیں۔ مستانہ رانڑی کی اولاد رانی زئی سے مشہور ہوئی جس کا ذکر بعد میں اپنی جگہ پر آئے گا۔ مستانہ گوہرہ سے ملک اکو کے چار بیٹے تھے بازید، خواجہ، ابا اور خادک۔

باقی زئی :- بازید کی اولاد بائی زئی سے مشہور ہیں جن کے تین بیٹوں سہیل، سلیمان اور بابو (بابو زئی) کے نام سے آگے آگے خیل بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ سہیل بن بازید کی اولاد سولیزئی سے مشہور ہیں۔ اور سہیل کے دو بیٹے ابا اور عزیز تھے۔ بڑے بیٹے ابا کی اولاد ابان خیل اور چھوٹے بیٹے عزیز کی اولاد عری خیل سے مشہور ہیں۔ ابان خیل ۱۔ ابا کے پانچ بیٹے تھے۔ شاہ بیگ، شمالی، شرفا، خاصی اور اسماعیل۔ شاہ بیگ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شرف اور دوسرے کا خان تھا۔ شرف کے تین بیٹے تھے۔ اول ملک متہ دوم

تیسرے حصہ پر عزری خیل سکونت پذیر ہیں۔

خانگی اولاد خان خیل سے مشہور ہیں۔ اور ان کا مکس موضع تھانہ سوات ہے۔ صرف قتلان خان کی اولاد چکیسر میں عزری خیل کے ساتھ آباد ہے۔ معلوم رہے کہ ابان خیل کی جائیداد میں شاہ بیگ کے اولاد کا پانچواں حصہ تھا۔ اس لئے کہ ابان خیل پانچ بھائی تھے۔ مگر بڑے بھائی، سونے اور خانی کے سبب دوسرے بھائیوں نے خوشی سے شاہ بیگ کو ایک حصہ زیادہ یعنی دو حصے دیے تھے جو اس وقت تک ان کی ملکیت ہے۔ اس کی ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں باہر سے تمام قبیلہ یوسف زئی کے ملک بدر لوگ تھانہ آکر پناہ لیتے تھے اور ان کو بسانا اسی بڑے گھرانے کا کام تھا۔ شاہ بیگ کی اولاد میں ملک متہ اور ملک حمزہ بڑے نامور گزرے ہیں۔ ملک متہ مصری خان کا وزیر بھی رہا تھا۔ معلوم رہے کہ تھانہ کے ملحقہ بانڈہ جات بھی فنانا خیل تھانہ کی مقبوضہ ملکیت بنے جیسے گٹ کوٹھے، جلالہ، ایبٹ گرام، کھڈے، بختہ، گنیا، نل، بازدرہ، شیرخانہ، زور منڈی، پلٹی، مورہ نامی پہاڑ کے مغربی اور جنوبی اطراف۔

ان مالکان کے ساتھ مواضع زور منڈی، فلیٹی میں لودی، غازی خیل، شامانی، تورانی (تورانی) سکونت پذیر ہیں۔ یہ چاروں افغان قبائل شیخ علی کے ذریعے ملک احمد کی دعوت پر افغانستان سے آکر یوسف زئی کی حمایت اور دلاک کے خلاف جنگ کا لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

ابا کے دو بیٹے شخالی جس کی اولاد شخالی خیل سے مشہور ہے موضع شینگرد دار سالم گاؤں اور کچھ گھرانے گوردتئی میں آباد ہیں۔ ابا کے تیسرے بیٹے شرفاکی اولاد جو شرفا خیل سے مشہور ہیں اور ان کی

ذیلی شاخیں میر خیل، زمان خیل، اکا خیل، خان خیل اور شیخ علی جس کی اولاد ملا خیل سے مشہور ہے۔ یہ سب موضع بریکوٹ سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ بانڈہ جات فوجی گروم، ناٹ میرا بھی ان کی ملکیت ہے۔ البتہ خان خیل اور زمان خیل کے چند گھرانے موضع گردتئی میں بھی آباد ہیں۔ ان میں شیخ علی ابان خیل نامور شخص گزرا ہے۔

ابا کے چوتھے بیٹے خاصی (جس کی اولاد خاصی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے سلطان خیل، حقداد خیل، ترخان خیل اور میر احمد خیل ہیں۔ یہ سب موضع غالیگی سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ مواضع ناواگٹی، املو کو درہ کے بھی مالکان ہیں۔

ابا کے پانچویں بیٹے اسماعیل (جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے نتو خیل، بسے خیل، علی خان خیل اور شیر خان خیل ہیں جو سب موضع مانیار علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

عزری خیل :- عزری کی اولاد عزری خیل سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے اول بارک جس کی اولاد بارہ خیل سے مشہور ہے۔ دوم لقمان جس کی اولاد لقمان خیل سے مشہور ہیں۔ اور سوم احمد ہیں۔ بارک یعنی بارہ خیل کے چار بیٹے اول ادوالی جس کی اولاد ادوالی خیل سے مشہور ہے۔ دوم مہر علی جس کی اولاد مہرلی خیل سے مشہور ہے مہرلی خیل چار شاخوں یابی خیل، بیگم خیل، اصغر خیل اور پائی خیل پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں بابی خیل کی اولاد بھائی خیل، علی بخش خیل اور گاتی خیل ہیں۔ اور پائی خیل کی اولاد غورہ خیل اور اضا خیل ہیں۔

سوم شامو (جس کی اولاد شامو خیل سے مشہور ہے) کی اولاد مرادی خیل، کاسی خیل، منڈر خیل اور ایسف خیل ہیں۔ چہارم نیاز (جس کی اولاد از خیل سے مشہور ہے) کی اولاد کا کا خیل، اودل خیل اور بابا خیل

ہیں۔ بارک کے بھائی لقمان کے تین بیٹے اول رستم (جس کی اولاد رستم خیل سے مشہور ہے)۔

رستم خیل یہ ہیں:- کاشی خیل، ملک بن خیل، بابی خیل، ظریف خیل، اکبر جس کی اولاد خود خیل اور دوری خیل ہیں اور بھائی خان۔

دوئم اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے۔ سیگم جلال جس کی اولاد جلال خیل سے مشہور ہے۔

اسماعیل خیل دو سیکڑ ذیلی نام سے یاد نہیں ہوتے۔ جلال خیل کی اولاد دو ذیلی شاخوں دلخہ خیل اور پرو خیل سے مشہور ہیں۔ دلخہ خیل کی دو شاخیں خادی خیل اور اُمئی خیل ہیں۔ اور میر خیل کی دو شاخیں بھنگوڑک خیل اور بھلی خیل ہیں۔

بارک اور لقمان دونوں بھائیوں کی اولاد عزری خیل سے مشہور ہیں اور یہ سب لوگ مواضعات خواڑہ خیل، بانڈی، گانگوڑ، ٹاٹ سٹ کوڑ، اوپل، چالیار، مکداری، تاروگے، لنگر، شاپین، فقیرا چنگوڑی، چٹلٹی، بابو، مشکو می، جانو، لنگر، مار تو نگ، چکسیر اور تپہ سینکڑی کے مواضعات بشام، بوٹیاں، شنگ، لاکو، دندی علاقہ مشرقی سوات میں آباد ہیں۔

بارک اور لقمان کے تیسرے بھائی احمد کے دو بیٹے تھے۔ اول جنکی دوئم قلندر۔

جنکی خیل، جنکی (جن کی اولاد جنکی خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے عیسے خیل، مندر خیل، بشری خیل، اور عبدالرحمن خیل ہیں۔ یہ سب لوگ مواضعات شینڈر، مان پیتی، نوے کھلے، فتح پور، حیرے، توڑنی مچا، اسالا، کوٹنی، پیا، بارام بی، جوختی، سینٹی، خیر آباد، میاں م لیٹی، لاہار، بارگین اور شنگھ پاد علاقہ قانا (کانا) دلائی (شاہ پور)۔

کارشٹ، داموڑی، لٹ پانڑی، اجیر، ولندر اور پرخیل میں آباد ہیں اس کے علاوہ علاقہ غور بند میں بھی عزری خیل اور جنکی خیل اپنے حمایتی لوگوں کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ مواضعات غور بند یہ ہیں۔ سیلاؤنڑی، اپوری، کسولہ، شمانو کھلے، لیونو بابا، کوز کوٹکے، ہرکوٹکے بازار کوٹ۔ لونی یا لوانی کورونہ،

اور جنکی خیل کی ذیلی شاخ بشری خیل موضع مدین اودین کے شمال مشرقی پہاڑوں میں آباد ہے۔ اور مدین میں ان کے ساتھ انخون دروینہ کی اولاد بطور سیری خواران رہائش پذیر ہیں۔ اور مدین کے بالمقابل دریا پار مغرب کو شاہ گرام میں سیدان اور تیرات میں مختلف قسم کے لوگ ان کے ہم سایہ بطور سیری خواران آباد ہیں۔

جنکی کے بھائی قلندر کے دو بیٹے تھے اول غالی جس کی اولاد غالی خیل سے مشہور ہے۔ دوئم جان بابا جس کے تین بیٹے تھے۔ اول امیر خان دوئم سلیم خان سوئم خواجہ جس کی اولاد خواجہ خیل سے مشہور ہے۔ خواجہ خیل جنکی خیل کے ساتھ سوات میں مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ اور جنکی خیل۔ ہی سے یاد کیے جاتے ہیں۔ غالی کا ایک بیٹا معروف تھا۔ معروف کے دو بیٹے اول باڈو جس کی اولاد باڈو خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم پیر داد جس کی اولاد پیر داد خیل سے مشہور ہے۔ امیر خان خیل، سلیم خان خیل، باڈو خیل اور پیر داد خیل، میر خیل موضع شہوزئی تپہ بانی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ اور ان کے عزیز بھائی خان بن رستم بن لقمان عزری خیل کی اولاد میں سے کچھ موضع متہ میں اور بعض موضع کاتنگ میں سکونت پذیر ہیں اور ان کے ہاں غرغشتی اور بٹرس

کے چند گھرانے بھی ہیں۔

سلیمان (سویل) جو سہیل کا بھائی اور بازید کا بیٹا ہے۔ اس کا ایک بیٹا ایکو تھا۔ جس کے تین بیٹے تھے۔ اول متوڑے جس کی اولاد متوڑی زئی سے مشہور ہے۔ دوم پائی اور سوم موٹی ہیں۔ متوڑی زئی متوڑی کے دو بیٹے الاخل اور بہلول خیل ہیں۔

۱۔ الائی بن متوڑے (جس کی اولاد الاخل سے مشہور ہیں) کی اولاد مکاخیل، درے خیل اور ولی خیل ہیں۔ مکاخیل الائی کی اولاد (جو مکاخیل سے یاد ہوتی ہے) راحت خیل، باباخیل اور سن خیل ہیں۔ اور درے خان بن الائی کی اولاد (جو درے خیل سے مشہور ہے) مشوڑی خیل، حیدر خیل، ابراہیم خیل اور دولت خیل ہیں اور ولی بن الائی کی اولاد الیاس خیل، سکندر خیل اور رضا خیل ہیں۔

(۲) بہلول بن متوڑے (جس کی اولاد بہلول خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے کیمل اور خادی ہیں جن کی اولاد علی الترتیب کیمل خیل اور خادی خیل سے مشہور ہیں۔ کیمل بن بہلول کی اولاد پیری خیل وغیرہ ہیں اور خادی بن بہلول کی اولاد متی خیل، کلی خیل اور عمر خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ متی بن خادی کی اولاد صبا گاخیل، سلطان خیل اور نظر خیل ہیں۔ اور کلی بن خادی کی اولاد شریف خیل اور غلام خیل ہیں۔ بمقام چاد باغ بابا علی المعروف پرہیسی بابا کی قبر ہے جس نے نہایت بہادری اور دلیری سے مغل بادشاہ اکبر سے

سلطنت میں کونٹر اور باجوڑ میں جنگیں لڑی تھیں۔ (اقبال نامہ کبریٰ جلد پنجم صفحہ ۱۰۰) متوڑی زئی مواضعات گلی باغ، چار باغ، کوکوڑک، عالم گنج، مالالی، اللہ آباد، سیر اور تلی گرام میں آباد ہیں۔ پائی اولاد ہے۔ موٹی خیل :- موٹی کی اولاد موٹی خیل سے مشہور ہیں۔

موٹی کی دو بیویاں تھیں۔ ایک دردانی دوسری خاتون۔ دردانی کی اولاد دردانی خیل اور خاتون کی اولاد خاتون خیل سے مشہور ہیں دردانی کے چار بیٹے میر فتح خان (جس کی اولاد فتح خان خیل سے مشہور ہے) بے خیل، خندہ خیل اور آبے (جس کی اولاد بی بی خیل سے مشہور ہے) یہ لوگ موضع ابوہر علاقہ سوات میں رہائش پذیر ہیں اور بانڈہ جات نری بٹر، شاہ بٹر، جربانڈی، بونکھے، انک، گمرتی، مشال، ڈڈ، در بند، بانکر، جہانگیر اور کانڈا میں بھی یہ لوگ قابض ہیں۔ خاتون کے تین بیٹے ہیں۔ اول بارہ خان (جس کی اولاد بارہ خان خیل سے مشہور ہیں) بارہ خان کے بیٹے ظریف خان محمد خان اور سلیمان ہیں۔ ظریف خان کی اولاد ظریف خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ دوم دولت (جس کی اولاد دولت خیل سے مشہور ہے)۔ دولت کے دو بیٹے ہیں۔ مانا اور پانا۔ مانا کی اولاد مانا خیل سے اور پانا کی اولاد دولت خیل کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں ملک الو بن مانا بہت مشہور گورا ہے۔ سوم ولی (جس کی اولاد ولی خیل سے مشہور ہے) یہ لوگ موضع کوٹھہ، نوپکھے علاقہ سوات میں آباد ہیں اور بانڈہ جات سورہ نامی پہاڑ کے شمال مشرقی جانب اور مواضعات چوا، سدد خان، کس، سندوکا، دلوکس، تلنگ، لندا کے اور چورختی کے بھی مالک و قابض ہیں۔ موٹی، خود بھی اور اس کی اولاد میں میر فتح خان، بارہ خان اور ظریف خان نامور اشخاص گزرے ہیں۔

بابو ذئی :- بابو بن بازید کی اولاد کو بابو ذئی کہتے ہیں۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اول سے تین بیٹے اباخیل، یرت خیل اور بامی خیل ہیں۔ ابا کے تین بیٹے تھے۔ اول مغدود جس کی اولاد مغدود خیل

سے مشہور ہیں۔ جو کہ وہ یہ ہیں بابا خیل، جگالیان اور پٹانیاں
دوئم ند سے بابا (جس کی اولاد پیر خیل سے مشہور ہیں) سوم بازید
(جس کی اولاد بازید خیل سے مشہور ہے) بازید خیل کے ذیلی شاخیں
میراخیل، دولت خیل اور عثمان خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ
مواضعات بلوگرام، کبیر، کاٹھیلی اور تختہ بند میں آباد ہیں۔

بوت کے تین بیٹے دادی خیل، قاضی محمد اور نرنکا خیل ہیں
دادی خیل کی ذیلی شاخیں نویداد خیل، گلی خیل اور ابراہیم خیل ہیں
اور نرنکی کی اولاد زوجہ اول سے ناصر خیل، زہرہ خیل اور پیر صالح
اور زوجہ دوم سے میر خان خیل، خواجہ خیل اور نکلا آدم جس کے
دو بیٹے سید جان اور اودال ہیں۔ جن میں دادی خیل اور نرنکا خیل
مواضعات اوڑھی گرام، گوگردہ، تیندو ڈاک اور پچی گرام میں
آباد ہیں۔ اور اولاد قاضی محمد ضلع مردان کے مواضعات بابوزئی
کاٹنگ، ڈھیری لکپانی اور چرچوڈ میں اب خیل کے ساتھ مشترک طور
پر آباد ہیں۔

بانی کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اول سے ایک بیٹا علی خات
جس کی اولاد علی خان خیل سے مشہور ہے۔

علی خان کی اولاد یہ ہے۔ زوجہ اول سے جانم خیل اور رنگر
خیل، زوجہ دوم سے بُربان خیل، زوجہ سوم سے موسیٰ خیل اور
میر خیل، زوجہ چہارم سے عثمان خیل۔

زوجہ دوم سے دو بیٹے علی اور فتح خان ہیں جن کی اولاد عیسیٰ
خیل اور فتح خان خیل سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ مینگورہ، نوپکے،
منگلور اور کوکارلی علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

بابو کی زوجہ دوم سے دو بیٹے اکا اور معروف تھے جن کی اولاد

اکا خیل اور معروف خیل سے مشہور ہیں۔

اکا کی اولاد یہ ہے۔ جلو خیل، سقہاد خیل، کٹہ خیل، انیل، محمد خیل
اور دیندار خیل اور معروف کی اولاد یہ ہیں۔ میر خان خیل، بوستان خیل اور
مزید خیل۔

اور یہ لوگ مینگورہ جام بیل، دنگرام، منگلور پار، سنگوٹہ اور اینگرو
ڈھیری میں آباد ہیں۔ بابوزئی کے ملکیتی باندہ جات یہ ہیں۔ سیدو، سرگرد
کلگرام، کوکڑی، ہٹودہ، سپل بانڈی، شیرا تپ اور سلام پور وغیرہ۔
ان کے مشترک سب قبیلے علاقہ پورن میں مواضعات کوٹکے، الوج،
پن گلٹی، سندوئی، چانگم اور سنیل میں بھی آباد ہیں۔ اور بابوزئی
کے ساتھ وردگ، دیگان، کوتوال، سواتیاں گڈیان جو ان کے حمایتی
افغان قبائل ہیں، بھی رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اخوند درویش کی اولاد
(انوں خیل) کے کچھ گھرانے بھی بابوزئی کے پاس رہتے ہیں۔

شیخ ملی کی قبر بلوگرام اور قہبر کے درمیان واقع ہے۔ اور
ملکہ سوات جو ملک احمد کی بہن تھیں موضع منگلور میں دفن ہے اور
اور یہ دونوں مقام تپہ بابوزئی میں واقع ہیں۔

اخون صاحب سوات بھی انہیں کے یاں موضع صیدو میں قیام
پذیر ہوئے تھے اور صیدو میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ نیز
موضع کلائی کوپورن میں انہوں نے اخوند سالاک کو بطور سیری دے
دیا تھا۔ اب بھی اخوند سالاک اور اس کے بھائی پیر سباق کی اولاد
یہاں آباد ہے۔ مذکورہ مسکن اور مقبوضات کے علاوہ قبیلہ بابوزئی
کے اب خیل اور برت خیل کے کئی خاندان مواضعات کاٹنگ، بابوزئی
چرچوڈ، ڈھیری لکپانی وغیرہ تپہ باقی زئی ضلع مردان میں مارکا نہ
حیثیت سے آباد ہیں۔

واضح رہے کہ موضع غازی بابا سالم پر اولاد
ملک غازی بابا ولد شیخ ہنس افغان قبیلہ شموزی بن خواجہ ندی بن
اکوڑی یوسف زئی، مارکانہ حیثیت میں ابتدا ہی سے آباد ہے اور
یہ گاؤں ملک غازی کے نام ہی سے غازی بابا مشہور ہے۔
واضح ہو کہ اگرچہ موضع شموزی میں قبیلہ شموزی کے کوٹے
باقی نہیں لیکن وہاں ان کی پہلی رہائش پر وہی نام چلا آ رہا ہے۔
اب یہاں غری خیل آباد ہیں۔ قبیلہ شموزی کا یہاں اس تپہ میں صرف
ملک غازی خان شموزی کی اولاد موجود ہے۔ باقی قبیلہ شموزی
دریائے سوات کے شمالی حصہ میں اس وقت مارکان اور سکونت
پزیر ہیں۔

داؤد خان بانی حکومت روہیلکھنڈ اس قبیلہ بابوزئی سے متعلق
تھا۔ پیر مدے بابا اور ملا آدم بن زانکی ان میں نامور اشخاص گزرے
ہیں۔ ملا آدم کی اولاد ملا خیل کے نام سے مشہور ہے اور اس
کی قبر موضع کوٹھہ سوات میں مولیٰ خیل کے ایک محلہ میں واقع ہے
پیر مدے کی قبر جلالہ کے جنوب مغرب ندی کے پار ایک قبرستان
میں واقع اور مشہور ہیں اور زائرین بکثرت ان کی زیارت کیلئے جاتے
ہیں۔ پیر صالح بن زانکی جس کی اولاد موضع اوڈی گرام میں پیران
سے مشہور ہیں، بھی مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے گزرے
ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آدم و ذر خان کی تعلقات استوار ہوتے
وقت پیر صالح موجود تھے۔ پیر صالح کی قبر موضع طورہ کے مغربی
جانب خاؤ بابا کی قبرستان میں موجود ہے۔ اور اسی طرح آدم و ذر خان
کی قبریں بھی پیر صالح کے قریب نوشہرہ کے مشرقی علاقہ میں واقع
ہیں۔ ان کے زمانہ میں قبیلہ یوسف کے لوگ نیچے میدان عدا

یعنی سمہ میں دریائے سندھ اور نوشہرہ تک اور منڈر سوات، دیر
وغیرہ میں آباد تھے۔

پیر صالح بابوزئی پیر دؤ
د عشاقو د سنگیر دؤ

تپہ بائی ذئی:- واضح ہو کہ قبائل سویلزی یعنی ابانخیل و غری
خیل اور متوڑی زئی و مولیٰ خیل اور بابوزئی کے سب کا مشترک نام
بائی زئی ہے۔ ان کے کچھ لوگ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مواضعات
ڈھیری، کپانی، بابوزئی، شموزی، متہ اور کانٹنگ میں بحیثیت
مالکان تپہ ہذا آباد ہیں۔ معلوم رہے کہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں
ایک وسیع علاقہ ہے۔ اور یہ سارا تپہ قبیلہ بائی زئی کی ملکیت تھی جس
میں مشہور گاؤں پیر سدو، جلالہ، پاتٹی، ٹنگر، لونڈو، میسا، ڈانگی
شیر گڑھ، قطب گڑھ، ہاتھیان، پرخی، تازہ گرام، دونڈیا، کالو، متہ
غازی بابا، موٹھے، کوسکے، جنگی ڈھیر، ڈھیری، لیکپا ٹرنی، جمال گڑھی
ساؤل ڈھیر، آلو، قاسمی، کوٹ جھونگر، پیر چوڑ، کھوٹے، برمول
میاں خان، سنگاؤ، پیپل، خرکی اور کانٹنگ وغیرہ ہیں۔ اور مواضعات
میاں خان، سنگاؤ، پیپل، کھوٹے اور برمول میں آتمان خیل کے کئی
خانہانوں کو ابتدا ہی سے اس تپہ میں قبیلہ بائی زئی نے آباد کیا تھا
جن کی شاخیں عمر خان خیل، پانڈہ خیل، میت خیل، بہرام خیل،
برمی خیل، دادو خیل، طور زئی اور ایڈب زئی سے یاد کیے جاتے
ہیں۔ جو اس وقت تک یہاں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ قبیلہ بائی
زئی نے بعض دیگر مواضعات میں جلا وطن بلاق خیل کو آباد کیا
جو اس وقت تک وہ یہاں آباد ہیں۔ لیکن اب اکثر یہ لوگ اپنے اپنے
خیل نہیں جانتے، سب کچھ بھول چکے ہیں بلکہ تری اور بلاق تک

بھی نہیں جانتے، صرف اتنا کہ وہ اپنے آپ کو شک ہی سمجھتے ہیں۔
واقع ہو کہ دوئم جتھ تری خشکوں کا جن کو یوسف زئی نے موضع اکوڑہ
سے خوشحال خان کی درخواست پر لاکر شکری بابا میں مغلوں سے
محفوظ کیا تھا۔ بعد میں وہ لوگ خوشحال خان کے ہندوستان میں
اورنگزیب کی نظر بندی سے رہائی اور اپنے وطن واپس ہونے پر
اپنی خوشی کے ساتھ یہاں واپس چلے گئے تھے۔ یہ علاقہ تپہ بائی زئی
کے نام سے ابھی تک موسوم ہے۔

واقع رہے کہ مواضعات سردبی والو میں ورک زئی، شلمانی
اور یخیل، زری (زرتاخیل) اور لودی و جبارخیل و پیران آباد ہیں۔
اور یہ سب افغان ہیں جو ملک احمد کی دعوت پر افغانستان سے آکر
یوسف زئی کی حمایت اور دلاڑ کے خلاف جنگ کا تلنگ میں شامل
ہوئے تھے۔

اور میاں گان جو میاں شریف قوم گوجر کتان خیل جو ایک
نامور بزرگ تھا، کی اولاد ہیں۔ یہ خاندان موضع الود بندہ میں آباد
ہیں۔

پسیوان :- یہ سیدالی بن شمس التبریز قندھاری کی اولاد ہیں۔
موضع الو کے علاوہ ان کا بڑا حصہ اشغر میں آباد ہے۔ یہ خاندان
لوئے پیران اور کچ پیران سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سیدالی بابا صاحب
تاج خان کا بڑا بھائی تھا جو علاقہ دیرامیال میں آباد ہوئے تھے
اور وہاں ان کو تقسیم میں حصہ بطور سیری ملی تھی۔
موضع تازہ گرام میں نشا ہوخیل، عیسی خیل زانکا خیل آباد ہیں۔
جو علی الترتیب عزری خیل، جتکی خیل، بابوزئی، یوسف زئی ہیں۔

ایک گزارش

مردان کے تپہ بائی زئی میں قبیلہ بائی زئی کے رہنے والوں سے
استدعا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں یوسف زئی اکابرین کی قبریں جو بہت
خستہ حالت میں موجود ہیں۔ ان پر توجہ کریں۔ وہ دعا کے محتاج ہیں۔
جن کا تعارف یہ ہیں :-

- (۱) ملک سرابدل بن یحییٰ ادین زئی موضع سنگاڈ میں مدفون ہے۔
 - (۲) ملک سرابدل بن موسیٰ نیکی خیل موضع شیرخانہ میں مدفون ہے۔
 - (۳) ملک بارہ خان بن موسیٰ بائی زئی موسیٰ خیل کی قبر موضع کلیانی
اسٹیشن سے کلیانی ندی کے پار مشرق میں راستے کے کنارے
ایک قبرستان میں واقع ہے۔ اور بارہ خان سے محض ہوکر
اب ان کی زیارت بارہ نو بابا کے نام سے مشہور ہے۔
- ان تینوں صاحبان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور اس کتاب میں بھی
جو ہر ایک شخص اپنے اپنے وقت میں سربراہان یوسف زئی تھے۔ خداوند
کیوم ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

بقول سعدی کہ :-

سے ساہما بڑو بگڑو کہ گزار : نہ کنی سوئے توبت پدوت
تا بجائی پدچہ کردی خیر : تا ہماں چشم دادی از پرت
خواجہ زئی :- خواجہ بن اکو (جس کی اولاد خواجہ زئی سے
مشہور ہے) کے چھ بیٹے تھے جو یہ ہیں :- ملی زئی، سہ بجی، شامی زئی
نیکی خیل، شمو زئی اور علاؤ الدین جس کی اولاد انل زئی یا ادین زئی
سے مشہور ہیں۔

ملی زئی :- ملی بن خواجہ کے چار بیٹے ملک پانندہ، نصرتین

اُسے پائندہ بابا کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا ایک ہی لڑکا کریم داد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر والدہ سمیت اپنے ماموں کے گھر چلا گیا۔ انہوں نے اس کو جفا بند درہ رہائش کے لئے دیدیا اور وہ وہاں آباد ہو گئے۔ کریم داد کی قبر تیرگرہ سے شمال مشرق کی جانب چند میل کے فاصلے پر ہے ملک کدو بن مترک قبیلہ ماموزئی کا سربراہ اور ملک احمد کا دست راست تھا۔ باجوڑ کی جنگوں میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیئے تھے۔

کریم داد کے چار بیٹے نازولی، ولی، شمشونا خیل اور علی خیل۔ ولی لاوند فوت ہوا، اور نازولی کے تین بیٹے جو عسرخیل، نہی خیل اور ایسف خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ نہی خیل کے ذیلی شاخیں اللہ نور خیل اور میر سہم خیل ہیں اور ایسف خیل کے پانچ خیل، عیسیٰ خیل اور ایوب خیل ہیں۔ اور ایوب خیل کے کھنور خیل اور دراز خیل ہیں۔

نصرت دین خیل :- نصرت دین بن ملی (جس کی اولاد کو نصرت دین خیل کہتے ہیں) کے چار بیٹے اول متی دوم فتح سوم لالی چہارم بھوجن کی اولاد علی الترتیب متی خیل (متی فی)، فتح خان خیل، لالی خیل اور بھونیل (بھوتی) سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تیرگرہ سے کچھ آگے مقام اشادی گٹ سے شروع ہو کر رباط سک دریا کے آر پار آباد ہیں جن میں کوٹھو، کڈ، کالاڈاک، رانی اور دوڑاں۔ دم کڈ، جیا سیرنی، لڑم مر، منجے اور سو جاودے وغیرہ نام کے مواضع ہیں۔ اس میں مرکزی گاؤں رباط ہے۔

سلطان خیل :- سلطان بن ملی (جس کی اولاد سلطان خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے ابابکر اور دلچک ہیں، ابابکر کے دو بیٹے ہیں۔ اول سید احمد جو برتوئی سے مشہور ہے۔ اور ان کی اولاد معصم

سلطان اور اوسا ہیں۔ جن کی اولاد بالترتیب پائندہ خیل، نصرت دین خیل، سلطان خیل اور اوسا خیل سے مشہور ہیں۔ ملک پائندہ کے چار بیٹے مبارک، موسیٰ، یازید اور عزیز ہیں۔ مبارک کی اولاد مبارک خیل اور موسیٰ کی اولاد بامت خیل اور یازید کی اولاد یازید خیل اور عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں۔ اور پانچویں و صلی بیٹا کریم داد بن ملک کدو ہے۔ جس کی اولاد کدو خیل سے یاد ہوتے ہیں۔

مبارک بن پائندہ کے چھ بیٹے تھے۔ کرمو خیل، جمال خیل، جلال خیل، یاز خیل، اسد خیل (جو شین سری سے مشہور ہیں) اور سعید خیل۔ موسیٰ بن پائندہ کا ایک بیٹا بامت تھا اور بامت کے چار بیٹے یہ ہیں۔ ابراہیم خیل، خواجہ وس خیل، میر وس خیل اور شادس خیل۔ ابراہیم بامت خیل کا ایک بیٹا تور تھا اور تور کا بیٹا اخون ایاس بانٹی ریاست دیر جو شیخ آدم بنوری کا معتمد خاص تھا۔ لاج بوقی میں دفن ہے۔

بازید بن پائندہ کی اولاد جو بازید خیل سے مشہور ہیں۔ یہ ہیں :- کئی خیل، ولی داد خیل اور ایسف خیل۔

پائندہ خیل انگرام سے لیکر جو غہ بند تک آباد ہیں۔ جن کے مشہور گاؤں جاٹ گرام، خاکرام، سنل، کویان، شالگاہ، واڑنی، بانڈنی، دیر، تور منگ، شیر بن گل، کارو اور نیلگ درہ ہیں۔ اور مرکزی مقام دیر ہے۔ پائندہ خیل کے ساتھ ان کا و صلی بھائی کریم داد بن ملک کدو افغان ماموزئی منڈر کی اولاد بھی جفا بند درہ، سیار درہ، گلکوٹ، جئی، باغ اور منرنی میں آباد ہیں جو کدو خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ ملک کدو ابتدا میں اپنے قبیلہ ماموزئی کے ساتھ دواہ میں رہتا تھا۔ وہ گاؤں کدو زئی یا کتوزئی اسی کے نام سے موسوم ہے۔

خیل، شاہی خیل، برم خیل اور رحیم خیل ہیں۔ دوم خواجہ خضر جو کوزتونی سے مشہور ہے۔ اور ان کی اولاد چوراخیل اور ابراہیم خیل ہیں۔ دلچک کے دو بیٹے الیاس اور ابان خیل ہیں۔ الیاس بن دلچک کی اولاد خوشحال خیل، بکال خیل، بانی خیل، شاد خیل اور حسن خیل ہیں۔ اور ایاز بن دلچک کی اولاد حسن خیل، جانا خیل اور شاہی خیل ہیں۔

یہ لوگ جنوب میں نام سیر خوڑ اور بارون کڑپ سے شمال کی طرف جیکٹ خپہ اور شکلی کے سرے تک اور خالونہ سے تور منگ کے قریب تک آباد ہیں۔ ان کا مرکزی گاؤں خالونہ ہے۔ سلطان خیل میں میاں نور بن ملا ارادت بن حسین بن چورا بن خواجہ خضر بن ابابکر سلطان خیل خواجہ زئی مشہور اور بزرگ شخص گزرے ہیں اور ان کی اولاد انون زادہ گان سے مشہور ہیں۔

اوساخیل :- اوسا بن علی (جس کی اولاد اوساخیل سے مشہور ہیں) کا ایک بیٹا موتی تھا۔ موتی کے دو بیٹے تھے، اول شیخ عثمان جس کی اولاد شیخ خیل سے مشہور ہے۔ دوم ملک نور جس کی اولاد نور خیل سے مشہور ہے۔ شیخ عثمان کے پانچ بیٹے تھے، اول شیخ جلو جس کی اولاد جلو خیل سے مشہور ہیں۔ دوم خواجہ خضر جس کی اولاد خدر خیل سے مشہور ہے۔ سوم الوزئی، چہام بن خیل، پنجم شیخ محمد ہیں۔ الو بن شیخ عثمان کے دو بیٹے سید احمد اور چوہڑے جو بہت نامور تھے۔

ملک نور کے چار بیٹے تھے جن کی اولاد نور خیل سے مشہور ہیں، اول سردار بابا جولا ولد تھا۔ دوم حسن، سوم ابراہیم، چہام عمر جن کی اولاد علی الترتیب حسن خیل، ابراہیم خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں۔

سب اوساخیل تیرگرہ سے شروع ہو کر کامرائی تک اور وہاں سے تلاش کاٹ گلہ تک مغرب میں سو گیاڑ کمالہ تک جن کے گاؤں کہناویر بلام بٹ، خیمہ دیارون، خنزانہ، سدو، شکولی، گڑہ اور علاقہ تلاش کے مواضعات املوک درہ، گبٹ، باجوڑ، مچو سرائے، ناساپہ نگرئی، بانڈہ، گبٹ، اجوا اور کما فگرہ ہیں۔ ان میں شیخ عثمان اور اس کا بیٹا شیخ جلو مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نیز شاہی اور خواجہ خضر الوزئی بھی قابل ذکر اشخاص تھے۔ شیخ جلو کا مزار تیرگرہ میں سرگ کے مغربی جانب واقع ہے۔ شیخ عثمان کاہل میں مرزا الف بیگ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا۔ اور وہاں ان کا مزار ہے یہ معلوم رہے کہ علاقہ میدان اور درہ جندول بھی قبیلہ ملی زئی کے حصہ داری میں تھا۔ جس میں انہوں نے اپنوں کے علاوہ اپنے حمایتی ترکانی اور دیگر افغان قبائل سرکافی، تادان، مایار، اطرافی، مشوانی، وردگ اور رود باری وغیرہ کو بھی بسائے تھے۔ ان علاقوں کے مرکزی مقامات لعل قلعه منڈہ اور ہروا ہیں۔ منڈہ جندول کا صدر مقام ہے جہاں پر نواب دیر کا نمائندہ ایک افسر کی حیثیت سے رہتا تھا۔

سید بجنی :- سید بجنی بن خواجہ کے دو بیٹے جو ناخیل (کوہ خضر) اور سبت خیل (برخمنگرے) ہیں۔ جونا کے تین بیٹے نظر خیل، زنگی خیل اور مندو خیل ہیں۔ زنگی خیل کی ذیلی شاخیں برہان خیل ہیں۔ اور مندو خیل کی ذیلی شاخ رنجو خیل ہیں۔ سبت یا صحبت کے تین بیٹے سہلو خیل سینا خیل اور شہنا خیل ہیں۔ یہ سب لوگ مواضعات شکوردہ، شیر پلم پیرکے، گوارہ، جوڑہ، شانگوٹی، ارکوٹ، بہاکند، گوارہ بانڈی اور روئیال سے بگارت تک جن میں مواضعات روئیال، سچ بنڑ، میاں کسے، میرہ، دینی، روئی گار، کوز شور، لاشور، ڈاگئی، چنگلائی

نئی کوٹ، گوالپور، گٹ، پیوچار، پشتون پور، بہا اور سرہانہ میں آباد ہیں۔ قبیلہ شنواری (جو کاسی یا کاسی کی ایک شاخ ہے) کے کچھ گھرانے بھی جو ابتدا میں یوسف زئی کے پاس آئے تھے، تقسیم میں نظر خیل کے ساتھ حصہ ملا تھا۔ وہ نظر خیل کے ساتھ بمقام جبر اور شیر پلم وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور ان کی عزیزداری کے چند اور خاندان جو یوسف زئی کے ساتھ تھے، ان کو موضع مساکے میں (جو ناواگئی کے قریب جانب جنوب مغرب اور کیمر پہاڑ کے مشرق میں واقع ہے) ابتدا ہی سے یوسف زئی نے آباد کئے تھے۔ وہ شنواری لوگ اب تک مساکے میں سکونت رکھتے ہیں۔

نشامی زئی، - شامی بن خواجہ کی اولاد شامی زئی سے مشہور ہے۔ شامی کے تین بیٹے تھے، اول ملا خلیل جس کی اولاد ملا خیل سے مشہور ہے۔

ملا خلیل کی اولاد یہ ہیں، قاسم خیل، میر خیل، میر عزیز خیل، بابا خیل، سیفل خیل اور گلی خیل۔ اور قاسم ملا خیل کی اولاد دلاور خیل رسول خیل اور ملی خیل ہیں۔ اور سیفل بن ملا خلیل کی اولاد سارو خیل اور میاں خان خیل ہیں۔ اور گلی خیل کی اولاد خواجہ خیل اور سلطان خیل ہیں۔ دوم حسن جس کی اولاد حسن خیل ہیں۔ اور حسن خیل کے ذیلی شاخیں یہ ہیں، پائندہ خیل، بازید خیل اور فقرہ دین خیل۔ اور سوم محمد جس کی اولاد محمد خیل سے مشہور ہیں۔ محمد خیل کے دو بیٹے نصرت خیل اور میر خیل ہیں۔ نصرت خیل کی اولاد ماما خیل، میروس خیل اور اکا خیل ہیں۔ اور میر خیل کی اولاد خمار سی خیل، نیک نام خیل اور بنگی خیل ہیں۔ یہ قبیلہ سہ بجنی کے شمال کی جانب ایک ندی کے پائو دور تک آباد ہیں۔ جن کے مشہور مواضعات یہ

ہیں۔ ان میں ملا خیل کے مواضعات اگل، برتھانہ، سم بٹ، ٹانگار، بکوڑ، خیر پور، لٹ پانڈی، توکے، قرے، شوخ درہ، چیریاں، گڑھی اور سین پور، وغیرہ۔ اور حسن خیل کوزہ، ہامہ خیل، برہ ہامہ خیل، ہوڈی گرام، سمیٹ اور بیدرد وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور محمد خیل مواضعات برہ درویش خیل، تشارے، باز خیل، کلا کوٹ، لندے، دوشا گرام دارمٹی، نوخارہ، سحر، لندہ اور گڑھی وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان کا مرکزی مقام موضع مٹہ ہے۔ ان میں ملا خلیل اور اس کے بہت دیر بعد ماسم خان اور حبیب خان قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔

نیکبئی خیل :- نیکبئی بن خواجہ کی اولاد نیکبئی خیل سے مشہور ہے۔ اس کے چار بیٹے ابان خیل، شیخ سینا، موسیٰ اور عائشہ خیل ہیں۔

ابان نیکبئی (جس کی اولاد ابان خیل سے مشہور ہیں) کے تینوں بیٹوں کی اولاد علی الترتیب زینا خیل، صاحب خیل اور متہ خیل سے مشہور ہیں۔ موسیٰ بن نیکبئی کا ایک بیٹا سرابال تھا اور سرابال کا ایک بیٹا بختہ تھا۔ اور عائشہ خیل کی اولاد نیکبئی، خدی خیل اور داد خیل ہیں۔ یہ لوگ تو تانہ بانڈی، چاچو ڈھیری (شاہ ڈھیری)، نیم گولٹی، کنباری، ٹال، درزیال، میرا، گلوچ، سرمنڈی، ملوچ، چنداخورہ (کبل)، سم دیولٹی، لردیولٹی، کلا سٹے، نصرت، مام ڈھیری، غنم جبہ، علی گرام، شتر، تغمہ، برہ بانڈی، کوزہ بانڈی، غویج، طوطکے، سہی، سیکھے، منجا، ڈڈہ پار، ڈاگٹی، گارو، اخون ککے، ڈیلے، حسین ڈھیری، دمقار، کاجو وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

نیکبئی خیل میں شیخ سینا اور سرابال بن موسیٰ بڑے نامور اور مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ ملک سرابال بن موسیٰ خان گجو کا

وزیر اعظم تھا اور جنگ غور یا خیل میں شریک تھا۔
شہزادی :- شہو بن خواجہ کی اولاد شہزادی سے مشہور ہے
اس کے چار بیٹے اسماعیل خیل، ودڑی خیل، علی خان خیل اور عمر زئی
ہیں۔

اسماعیل بن شہو کی اولاد بائی خیل، تاجہ خیل، مریم خیل، بی بی خیل
اور یعقوب خیل ہیں۔ اور یعقوب کے دو بیٹے برہ خیل اور تتر خیل
ہیں۔

ودڑی بن شہو کی اولاد بازید خیل، عزیز خیل، حیدر خیل اور
بنج کے ناموں سے مشہور ہیں۔

علی خان بن شہو (جس کی اولاد علی خان خیل سے یاد ہوتی ہے)
کے پانچ بیٹے موسیٰ، عیسیٰ، ہندال اور کامران تھے۔

عمر بن شہو (جس کی اولاد عمر زئی سے مشہور ہیں) کے چھ
بیٹے تھے جن کی اولاد علی الترتیب اکا خیل، سلطان خیل، میر احمد
خیل، بہرام خیل، بابا خیل اور ادریا خیل کے ناموں سے یاد ہوتے
ہیں۔

یہ لوگ موافعات چنگی، تیرنگ، گڑھی، حنڈانہ، چلیہ، کم کوٹ
زرہ خیلہ، نیوگرام، رنگیلہ، ملک آباد وغیرہ میں آباد ہیں۔ علی خان
بن شہو اور اس کا بیٹا ہندال، ان مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے
تھے۔

ادین زئی :- علاؤ الدین بن خواجہ کی اولاد اندیل زئی یا ادین
زئی سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے یحییٰ (نکستے) اتان زئی
اور بابو خیل ہیں۔

یحییٰ کے تین بیٹے سر ابدال، کیمل اور محمود ہیں۔ سر ابدال بن

یحییٰ کے بیٹے ملک باڈ کے نام سے باو خیل، کیمل کے بیٹے احمد کے
نام سے احمد خیل، اور محمود کے بیٹے محمد کے نام سے محمد خیل یاد
کیے جاتے ہیں۔

اتان زئی کے دو ذیلی شاخ مرغان خیل اور شرخا خیل ہیں۔
مرغان کی ذیلی شاخیں عمر خیل، پیرا خیل اور چنڈ خیل ہیں۔ اور
شرخا کی اولاد ناصر خیل، بہرام خیل، زور دست خیل اور بو بو خیل
ہیں۔

بابو جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہے، کے چھ بیٹے میر حسن
خیل، فاضل خیل، ارادت خیل، پاپا خیل، رکین خیل اور کیمل خیل
ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ یحییٰ کے تینوں بیٹے سر ابدال، کیمل اور
محمود کے بعد دیگرے سربراہ قبیلہ تھے۔ ادین زئی موافعات
تازہ گرام، کیتارئی، خان پور، ٹیکنی، راموڑہ، شوا، ادیچ، چکدرہ
وغیرہ سوات کے علاقہ میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ موافعات
علی مس، سہ سہ، مارو گنگ، دربار، تندو ڈاک، جھنگی، اسنہر
بامبولی، گوٹی گرام کے بھی قابض و مالک ہیں۔ یہ تپہ ریاست
دیر میں شامل تھا۔

ابازئی :- ابا بن اکو جس کی اولاد کو ابازئی کہتے ہیں۔ اس
کے چار بیٹے فتح خیل، الیاس زئی، تھانے اور کامل (کیمل خیل)
ہیں۔ جو کوڑ باڈ وان، برابڈ وان، بڑنگولا اور تحصیل اشتر کے موضع
ابازئی میں آباد ہیں۔

اول فتح (جس کی اولاد فتح خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے
کرم خیل، خواجہ خیل اور بابا خیل ہیں۔ ابتدا میں فتح خیل اشتر

کے موضع امانی زئی سے مغرب کی طرف پہاڑی علاقہ گنداب میں آباد تھے۔ جس وقت یوسف زئی نے مہندوں کو اکبر سے پناہ دی تو ان لوگوں نے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق وہ علاقہ مہندوں کو چھوڑ کر یہ اپنی برادری کے لوگوں الیاس زئی اور کھیل خیل کے پاس آکر آباد ہو گئے۔

تمھانے کی اولاد جو موضع ابازئی اشغر میں آباد تھے۔ وہیں رہ گئے۔

الیاس بن ابا جس کی اولاد الیاس زئی سے مشہور ہے، کے دو بیٹے شامان اور عثمان ہیں۔ عثمان کا بیٹا کریم داد تھا اور شامان کا بیٹا محمود تھا۔ یہ دونوں نامور اشخاص تھے۔ فتح سوات میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام کئے تھے۔

کامل بن ابا جس کی اولاد کھیل خیل سے مشہور ہیں، کے چار بیٹے الائی خیل، جوگی خیل، اریا خیل اور انگور خیل ہیں۔ برہاڈوان کے شمال میں قریب ہی ٹاڈ ڈھیری کے نام ایک بڑا تاریخی ٹیلہ ہے۔ جس کا ذکر توارخ حافظ رحمت خانی نے کیا ہے۔ یہ حسین اور دلکش مقام ہے (میں جب اس ٹیلہ پر چڑھا تو قدرتی طور پر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اور اترنے کو جی نہیں چاہتا تھا) قبیلہ ابازئی میں محمود بن شامان اور کریم داد الیاس زئی اور میر مستم بن عمر بن سید بن تمھانے نامور اشخاص گزرے ہیں۔ یہ علاقہ بٹ خیل کے بالمقابل دریا سے شمال کی طرف واقع ہے اور ریاست دیر میں شامل تھا۔

خادک زئی :- خادک بن اکو جس کی اولاد کو خادک زئی کہتے ہیں۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔

اول مدوح بن کے بیٹے محمد کے نام سے اس کی اولاد کو محمد خیل بھی کہتے ہیں۔

دوم اکا جس کی اولاد کو اکا خیل کہتے ہیں۔ اور اس کے بیٹے احمد کے نام سے احمد خیل بھی پکارے جاتے ہیں۔

سوم محسن جس کی اولاد کو محسن خیل کہتے ہیں۔ محسن خیل میں دو ذیلی شاخیں ہیں۔ ناصر خیل اور خان کوری۔

چہارم ابراہیم جس کی اولاد کو ابراہیم خیل اور ملک کوری بھی کہتے ہیں۔

پنجم حمزہ بابا جس کی اولاد کو پنسروسی کہتے ہیں۔ یہ سب خادک زئی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اور ایک ہی گاؤں میں رہتے جس کا نام انہی کی نسبت خادک زئی ہی ہے اور ایک ندی اس گاؤں کے بیچ میں سے گزرتی ہے جس نے گاؤں کو دو حصوں یعنی کوزکے اور برکے میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں اوسا خیل مل زئی کے چند گھرانے بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تپہ بھی ریاست دیر میں شامل تھا۔

دانی زئی :- یہ اکو کی دوسری زوجہ کی اولاد ہے۔ جس کا نام دانی تھا۔ دانی سے اکو کے تین بیٹے مخا، اتمان اور حلیم تھے۔ ان کی اولاد دانی زئی سے مشہور ہیں۔

مخا بن اکو کے دو بیٹے سلطان خا، خیل اور عثمان خیل ہیں۔ سلطان خا خیل مواضعات ممکن، توتکان اور میخ بند میں آباد ہیں عثمان خیل ڈھیری اور جولاگرام میں آباد ہیں۔

سلطان خا بن مخا (جس کی اولاد سلطان خا خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے مردان خیل، امبار خیل، کوری خیل، دادی خیل،

اور اسماعیل خیل ہیں۔ مردان بن سلطان خاکی اولاد سید خیل، خواجہ خیل اور سبھی مردان کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ امبار خان بن سلطان خاکی اولاد ازی خان کور، اخون خیل، درویزی خیل، کرم خیل اور بہار خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ کھڑی بن سلطان خاکی اولاد ایسف خیل، چاچا خیل اور بلڑ خیل کے ناموں سے مشہور ہیں اسماعیل کی اولاد سلیمان خیل، چارسدہ اور احمد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

عثمان بن حنا (جس کی اولاد عثمان خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے، اول لٹا خیل دوم عزیز جس کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں اور سوم دائرہ عثمان ہیں۔ لٹا خیل کی اولاد عثمان خیل، غایت خیل بابا خیل اور بابو خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ عزیز (جس کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہے) کے بیٹے یونس خیل، عیسیٰ خیل، اختر خیل ریزا خیل، سمیاء خیل اور دروہی خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں وائرہ عثمان کی اولاد ذاکر خیل، لقمان خیل، اسماعیل خیل اور علی شیر خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

اتمان بن اکو (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ملا حسین، میرداد، محمد، مدے (جس کی اولاد بابو خیل اچی خیل اور نظرائی خیل ہیں) اور ابراہیم (جس کی اولاد ابراہیم خیل سے مشہور ہے) ہیں۔ ملا حسین کی اولاد عمر خیل، بلی خیل اور کوثر ہیں جو سین خیل سے مشہور ہیں۔ اور اکثر اتمان زئی لوگ موضع بٹ خیل میں آباد ہیں۔ ملا حسین اور اس کا بیٹا کوثر نامور اشخاص ہیں سے گزرے ہیں۔

علیم بن اکو کے تین بیٹے علی خیل، بہرام خیل اور خواجہ خیل

ہیں۔ علی خیل کے ذیلی شاخیں یہ ہیں۔ ازی خیل، ملی خیل، عبدل خیل شہاب خیل اور میر خان خیل۔ علی خیل مواضعات اللہ ڈھنڈ اور ڈھیری میں ہیں۔ بہرام خاکی اولاد غیبی خیل، سلیمان خیل، ملا جانا اور چا خیل ہیں۔ غیبی بن بہرام کے تین بیٹے تھے جو عرفی خیل، نور محمد خیل اور یعقوب خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ ملا جانا بن بہرام کے دو بیٹے تھے جو ملا خیل اور مدے خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ اور چا بن بہرام کی اولاد بہران خیل، پائندہ خیل، جمال خیل اور شمرت خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ بہرام خیل موضع خاد میں اور خواجہ خیل کچھ موضع امان درہ اور کچھ اللہ ڈھنڈ ڈھیری میں آباد ہیں۔

علی خیل میں ملک کے بن الف خان بن ابراہیم بن عبد الغزیز (جس کی اولاد اس کی نسبت سے ازی خیل مشہور ہیں) اور ملک شیر دل اور خواجہ خیل میں شیخ رنگی مشہور اشخاص گزرے ہیں۔

رافی زئی کے جن سکونت دیہاتوں کا ذکر ہوا۔ یہ کوز سوات اور مالاکنڈ کے جانب شمال کو ہے۔ ان کی ملکیت میں مالاکنڈ بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تپہ سم رافی زئی بھی انہیں کا ملکیتی تپہ ہے۔ جو مالاکنڈ سے جنوب میں شیر گڑھ کے قریب ملک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ مشہور گاؤں درتیر، دو بندہ، درگئی خرمائی، موسیٰ مینہ، عثمانی خیل گڑھی، کوٹ، ٹوٹھی مینہ، ہرچند، خان گڑھی، ککے، کوپر، سخاکوٹ وغیرہ ہیں۔ یہاں یہ لوگ خود بوجہ بارانی علاقہ ہونے کے نہیں رہتے تھے بلکہ اس علاقہ میں انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو بسایا تھا اور انہوں نے تپہ لڈا سے مالکانہ حقوق حاصل کرتے تھے لیکن انگریز کی آمد پر اور عرصہ دراز گزرنے کے سبب یہاں قابض لوگ رہ گئے اور مالکان یعنی رافی زئی

یہاں بہت ہی کم رہ گئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور اس وقت بھی یہ تپہ رانی زنی کے نام سے موسوم ہے۔

(۳) موسیٰ بن یوسف

موسیٰ کا ایک بیٹا الیاس اور الیاس کے چار بیٹے ہیں۔ اول سالار دوم موسیٰ سوم نسو چہارم تاجے جس کی اولاد اُس کے بیٹے گردانی کے نام سے مشہور ہے۔

سالار ذئی ۱۔ سالار بن الیاس (جس کی اولاد سالار ذئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے۔ ایوب خیل، مانی زئی اور ملی خیل ہیں۔ ایوب بن سالار کی اولاد برہان خیل، خواجہ علی (اور الی خیل) علی شیر خیل، موسیٰ خیل، فتح خان خیل (دڑقانی) اور ملک دین کے ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ برہان بن ایوب کے دو بیٹے شیخ عثمان (جس کی اولاد شیخ خیل ہیں) اور دوسرا کینو ہے جو ملا ابراہیم کا باپ تھا۔ شیخ عثمان کے تین بیٹے اول عیدو جس کی اولاد عیدو خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ دوسرا ایوب (جس کی اولاد درے خان خیل، قاسم خیل، محمود خیل اور خاندو خیل سے مشہور ہیں۔ تیسرا مستالی جس کی اولاد حق خیل، کریم داد خیل، الو خیل، یارہ خیل ہیں اور اُن کیساتھ ہونیل بھی شامل ہے۔ علی شیر بن ایوب کی اولاد سین خیل، اسماعیل خیل اور ان کے شامل حصہ رہو خیل کیا اور بے سود افتانی ہیں۔

ملی بن سالار کی اولاد جلال خیل، ہوتی خیل، کمرہ خیل اور اللہ داد خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

مانی زئی کا انگ خیل نہیں۔ یہ لوگ ایوب خیل اور ملی خیل کے ہاں مشرک طور پر رہتے ہیں۔

اور سالار ذئی قبیلہ مواضعات جوڑ، پام پوخر، بازار گے، کنگر گلٹی، نلن سیر، گمرارے، کاٹ گلہ، پٹرنی، لیگانڈی اور کھوتے میں آباد ہیں ان کے ساتھ حمایتی افتان قبائل ابتدا ہی سے رہتے ہیں۔ جوڑ ہونیل بے سود، کبیار اور لغانی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور اُن میں کرم علی ملک جو کے، علی اصغر المعروف مصری خان، شیخ کبیر اور ملا ابراہیم الیاس زئی (جس کا مزار موضع چین کے قبرستان میں ہے) (اور شیخ کبیر کا مزار سوات میں دریا کے شمال کی طرف موضع کوٹلی کے راستے پر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے) اور نواب امیر خان والی ٹونک مشہور اور نامور اشخاص گزرے ہیں۔ امیر خان کا شجرہ نسب یوں ہے۔ نواب امیر خان بن حیات خان بن طابع خان بن کالی خان بن بابو خان بن مولا خان بن سیدالی خان بن فتح خان بن نخان بن خان بن اللہ داد خان (جن کے نام سے اللہ داد خیل مشہور ہے) بن ملی سالار ذئی۔

عائشہ ذئی ۲۔ موسیٰ کی زوجہ عائشہ کے نام سے اس کی اولاد عائشہ زئی سے یاد کی جاتی ہے۔ اور ان کے چار بیٹے ہیں جن کے نام یانیل، خدین خیل، موساڑہ خیل اور خاکی زئی ہیں۔ یانیل کی اولاد کوٹوالی، ملا خیل، موسیٰ خیل، بہر اور اسد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

خدین کی اولاد استنا خیل، چور خویداد، بابا کور، سدر گین علی اور منعل برہ خان کے ناموں سے مشہور ہیں۔ موساڑہ کی اولاد جانی گلٹی، کوٹھہ، سر بانڈے اور شین گٹ کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

خاکی کی اولاد بابا خیل، عزری خیل، سین خیل، قاسم خیل اور جنوگا

خیل کے ناموں سے مشہور ہیں ، توردرسک ، ایٹلی ، انسا پور بونیر میں آباد ہیں ۔

نسوزئی ، نسوین الیاس (جس کی اولاد نسوزئی سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے مخوزئی اور پنجپاؤ ہیں ۔

مخوزئی کے تین بیٹے قابل خیل ، علی خیل اور ابان خیل ہیں ۔ قابل کے بیٹے اسماعیل خیل و موسیٰ خیل ہیں ۔ اور ابا کے برہان خیل و تان خیل ہیں ۔ یہ مواضع پانڈویا ، اینور ، شکوہ لئی ، کوڑپاؤ ، برہو کاٹرے مرگیک زئی ، سنگرئی ، گبت اور چوگا وغیرہ میں آباد ہیں ۔ اور ان کا مرکزی گاؤں چوگا ہے ۔

پنجپاؤ کے چھ بیٹے علی خوازہ خیل ، اکا خیل ، ملک دین خیل ، میردس خیل ، سین خیل اور حسن خیل ہیں ۔

علی خوازہ کی اولاد نصر الدین خیل ، گزری خیل اور قطیل کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ ملک دین بن پنجپاؤ کی اولاد طوطی خیل ، ناصر خیل ، اور ایوب خیل (لورے) کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ یہ لوگ مواضع ڈگر ، بگڑا ، چوگا ، گوکند درہ ، وغیرہ میں آباد ہیں ۔ حسن خیل اصل میں چوگا کے حسن خیل کی اولاد میں سے ہے ۔ موضع چوگا میں حسن خان اپنے قبیلے کا ایک معتز ملک تھا لیکن پنجپاؤ کی اولاد کے ساتھ ہری پڑی ملنے اور آباد ہونے کی وجہ سے اسی کی اولاد تصور کیا گیا ۔ اور اس وقت بھی یہی خاندان قبیلہ پنجپاؤ میں معتز اور بااثر ہے ۔

گداٹی زئی ، تابے بن الیاس کا ایک بیٹا گداٹی تھا جس کی اولاد گداٹی زئی سے مشہور ہیں ۔ اس کے پانچ بیٹے حسن ، بہرام علی شیر ، حسین اور ابراہیم تھے ۔ جن کی اولاد بالترتیب حسن خیل ، بہرام خیل علی شیر خیل اور سین خیل سے مشہور ہیں ۔ پہلے چادروں کی اولاد مواضع

پاچا ، بائی ، کلا خیلہ ، سلطان دس ، غازی خانے ، بلو خان ، بھٹی ، ملک پور ، دوکڑہ ، تور بٹول علاقہ بونیر میں آباد ہیں ۔ پیر بابا کا مزار بھی اسی جگہ پر ہے ۔

گداٹی کا پانچواں بیٹا ابراہیم کی اولاد ضلع بنوں میں آباد ہے ۔ جس کا مرکزی مقام موضع غوریوالہ ہے ۔ ابراہیم کابل میں اپنے قبیلہ یوسف زئی سے جدا ہو کر کورمہ میں قیام پذیر ہوا تھا ۔ بعد میں اس کی اولاد بنوں میں منتقل ہوئی ۔ ابراہیم کا صرف ایک بیٹا حسن خان تھا ۔ جس کی اولاد حسن خیل سے مشہور ہے ۔ حسن خان کے دو بیٹے عمر خان اور سمل خان تھے ۔ عمر خان کے چار بیٹے کرک خان ، غنک خان ، ترخان اور اور خدر خان تھے ۔ عمر خان کی اولاد عمر خیل کے نام سے اور سمل خان کی اولاد اس کے والد کے نام پر حسن خیل سے مشہور ہیں ۔ عمر خان (عمر خیل) کی اولاد میں مغل خان بن ظفر خان بن ترخان بن عمر بن حسن ایک شخص گزرا ہے ۔ اور اس کے نام پر اس کی اولاد مغل خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ زمانہ قدیم سے ضلع بنوں میں اونچا گھرانہ چلا آ رہا ہے ۔ ان میں جعفر خان (بن سینی خان بن مغل خان) نامی بھی ایک مشہور شخص گزرا ہے ۔ جس نے ایک علیشان مسجد بنوں شہر میں بنوائی تھی اور وہ مسجد جعفر خان کے نام سے اب تک یاد کی جاتی ہے (اس خاندان کا شجرہ نسب ضلع بنوں کے سرکاری کاغذات مال میں اور نیز اس خاندان والوں سے بنوں اور غوریوالہ میں ملاقات اور گفتگو کر کے تصدیق کر چکا ہوں ۔ اور اسی کے ساتھ میں شیر علی خان ولد میر دل خان سوری غوث امیر کلاہ داخلی موضع حسنی علاقہ سوریانی ضلع بنوں کا مشہور ہوں جس کے مدد سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں ۔

(۳) عیسیٰ بن یوسف

عیسیٰ زئی :- عیسیٰ کی اولاد عیسیٰ زئی یا عیسو زئی کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کے تین بیٹے اکا، حسن اور یعقوب ہیں۔ اکا زئی :- اکا بن عیسیٰ (جس کی اولاد اکا زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے برت خیل، عزیز خیل، تھاسون خیل اور پائندہ خیل ہیں۔ برت کی اولاد یہ ہیں :- خان خیل، بیبا خیل اور چمبا خیل۔ عزیز کی اولاد یہ ہیں :- رسول خیل، سین خیل اور دریا خیل۔ تھاسون کی اولاد یہ ہیں :- غازی خیل، مہمند زئی اور کوزئی۔ پائندہ خیل یہ ہیں :- جوگی خیل، ملال خیل اور اول خیل۔ حسن زئی :- حسن بن عیسیٰ (جس کی اولاد حسن زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے اول مدوح جس کی اولاد مندو خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ دوم کالا جس کی اولاد کلا خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ سوم کاکا خیل۔

مندو خیل یہ ہیں :- لقمان خیل، زکریا خیل اور دادا خیل۔ کلا خیل کی دو شاخیں یہ ہیں :- نصرت خیل اور خوازے بابا جس کے تین بیٹوں کی اولاد مامو خیل، مولیٰ خیل اور نانو خیل سے مشہور ہیں۔

کاکا خیل یہ ہیں :- اکا خیل، میر احمد خیل، یارو خیل اور کوٹوال۔ مندو خیل :- یعقوب بن عیسیٰ کا ایک بیٹا مداح ہے (جس کی اولاد مندو خیل کے نام سے مشہور ہے) مداح کے پانچ بیٹے حسن خیل، یازہ خیل، یازید خیل، مولیٰ خیل اور بو سعید خیل ہیں۔

حسن بن مداح کی اولاد سلطان خیل، سید علی خیل اور بن خیل کے ناموں

سے یاد ہوتے ہیں۔ اور کالو خیل و صلی بھی اُن کے ساتھ حصہ داری میں شامل ہیں۔

یازہ بن منداح کی اولاد بابو خیل، بڑا خیل اور غنڈا خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

یازید بن منداح کی اولاد ٹولا خیل اور اطرافی خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

یہ سب لوگ اُس علاقہ میں آباد ہیں جو قوم ڈوما سے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ علاقے اب ان کے اپنے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جیسے تپہ حسن زئی، تپہ اکا زئی اور تپہ مداح خیل۔ ان کی حشر مشرق میں اگرہ و اور تینوال سے ملتی ہے اور جنوب میں کوہ مہابنٹر کا علاقہ ہے۔ ان کے شمال میں تپہ چخڑ زئی جو علی زئی کی ذیلی شاخ ہے، بھی سکونت پذیر ہیں۔ اور یہ لوگ دریائے سندھ کے آسپار مشرق کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں۔ اکا زئی، حسن زئی اور مداح خیل کے اپنا ایک ایک تقسیم ہے۔ لیکن ان کا مشترک نام عیسیٰ زئی ہے اور یہ اب تک ہمیشہ سے آزاد رہے ہیں اور اُن کی آپس میں نظام اراکین جگہ اور سربراہ کے شکل میں چند برس قبل تک قائم تھا۔ جب سے یہ لوگ یہاں آباد ہوئے تو ان کا پہلا سربراہ بالاتفاق ملک شہباز بن گلپا بن اکا بن کاکا حسن زئی یوسف زئی تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مقام خان، پھر اس کا بیٹا باور شاہ اُس کے بعد اس کا بیٹا علی خان سربراہ منتخب ہوا۔

علی خان کے سات بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حسن علی خان، نجیب خان، نرداد خان، قیصر علی خان، حمید علی خان، حسین خان اور فیروز خان جس کا بیٹا غلام محمد خان تھا۔

علی خان فوت ہوا تو اس کے بعد اس کا بیٹا حسن علی اور اس

کے بعد اس کا بیٹا قبول خان اور اس کے بعد اس کا بیٹا ملک امان خان اور اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی احمد علی خان ولد غلام خان۔ اور اس کے بعد اس کا بھائی ہاشم علی خان تھا جس نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اور اس کے پانچ بیٹے تھے شیر علی خان، سالار خان، محمد شریف خان، نسیم خان اور عزت خان۔ ان کے بیٹوں میں شیر علی خان اور سالار خان بھی قابل ذکر اور مشہور ہوئے۔ سالار خان زندہ ہے جو ایک بڑا عالم اور دانا شخص ہے۔ شیر علی خان فوت ہو چکا ہے۔ اور اس کے دو بیٹے نعمت خان اور عالم زیب خان زندہ ہیں۔ اس وقت بھی یہ گھرانہ معزز اور با اثر ہے۔

مسکن حسن زئی :- مواضعات سیرنی، مرطی، پلوسہ، قمرنا، بھوکنر، نادرئی، گڑھی، نوے کھے، ریل بوڑیاں وغیرہ ہیں۔

ان میں صاحبزادگان حسن زئی کنار شریف مشہور گھرانہ ہے۔ ان کے جد امجد کا نام زیارت گل تھا۔ وہ نسلاً افغان اور حسن زئی میں کلاخیل کے ذیلی شاخ نصرت خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد صاحبزادگان سے مشہور ہیں۔ وہ اپنے وقت کے بڑے عالموں اور بزرگوں میں سے شمار ہوتا تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تحصیل علم سے فراغت کے بعد نام پیدا کیا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں عبدالنور، محمد نبی، احمد سعید، محمد سعید، جو سب نیک اور سمجھ دار تھے۔ ان میں بڑا بھائی مشر صاحب سے مشہور تھے۔ وہ اپنے والد کے مستند پر قائم رہے اور علاقہ میں مقبولیت حاصل کی۔

ملاخیل سکھ دیل بوڑیاں :- قدیم سے یہ ایک مشہور علمی گھرانہ ہے۔ ان کا جد صالح بن ملا ایاس نسلاً افغان اور قبیلہ یاخیل عاتش زئی ایاس زئی سے متعلق تھا اور اس وقت بھی یاخیل عاتش زئی

میں ملاخیل مشہور شاخ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سات پشت قبل جس زمانہ میں عاتش زئی مار توہنگ کے علاقہ میں آباد تھے تو وہ موضع ویدل میں اس وقت اپنے گھر اور قبیلہ سے بغرض تعلیم جدا ہو کر مختلف علمی مدارج طے کرنے کے بعد حسن زئیوں کی خواہش پر ان کے ہاں مقیم ہوئے وہ بڑا عالم اور بزرگ شخص تھا۔ ان کی اولاد بھی اپنے والد اور دادا کے نقش پر صحیح چلے۔ ملا ایاس بھی علمی گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ان کا باپ اور دادا بھی علماء طبقہ سے تھے اور اس سبب ابتداء سے اب تک یاخیل عاتش زئی بونیر میں ملاخیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں افغان اکابرین کیلئے ملا، شیخ، پیر، اخون، میان صاحبزادہ وغیرہ نام یوسف زئی کے معزز القابات اور خطابات تھے۔

مسکن منداخیل :- یہ ہیں مواضعات منجا کوٹ، میرا، کارڈر، ڈوبہ، شنئی، ڈاڈم، ابو، پڑ کوٹ، چوڑ، سونیا، ٹیٹے، کوزکے، برکے، کوٹ، گواندر، زئیر لہرگے، بدر، گڑھی، سلیمانے اور نیگڑا وغیرہ، منداخیل کے ساتھ قریش یا عربی کے کالوخیل اور ماہال بھی آباد ہیں جنہیں ابتداء ہی سے تقسیم میں حصہ دیا گیا تھا۔

مدون حسن اور مدابن یعقوب دونوں نامور بزرگ گزرے ہیں اور کابل میں وہ یوسف زئی کے پیشوا تھے۔ انہوں نے کابل میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ تذکرہ اخون درویشہ میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ مسکن اکازی :- مواضعات لہ خور، بکیانہ، لہ قند، دارو، بیرن، بیل، ہلیاثرئی اور کمرئی وغیرہ ہیں۔

دوم، ملی بن یوسف

(جو یوسف زئی میں مشر علی کے نام سے مشہور ہے)

ملی بن یوسف کی اولاد ملی زئی کے نام سے مشہور ہیں اور اس کی

اولاد تین ذیلی شاخیں چغزئی، دولت زئی اور نوری زئی پر مشتمل ہیں۔
چغزئی :- چغزبن علی کے دو بیٹے اول مخدوم جس کی اولاد اس کے
بیٹے اسماعیل کے نام پر اسماعیل خیل سے مشہور ہیں۔ دوم فیروز
جس کی اولاد اس کے بیٹے بھائی کے نام پر بھائی خیل سے مشہور ہیں
بختر کا بیٹا اسماعیل کے چار بیٹے اول علی خواہ (جس کی اولاد لسی خیل
اور نصرت خیل سے مشہور ہیں)۔

واقع رہے کہ سبھی خیل کی دو ذیلی شاخیں دعوت خیل اور عزیز خیل
ہیں۔ اور اسی طرح نصرت خیل کی دو ذیلی شاخیں لقمان خیل اور بڑھ خیل
ہیں۔ جو سب کا سب علی خواہ بن اسماعیل چغزئی کی اولاد ہیں۔
دوم بہلول جس کی اولاد جمال خیل، شہید خیل، اگر خیل اور خدردی
خیل ہیں۔ سوم خد سے خیل اور چہارم مکی خیل ہیں۔
مکی خیل یہ ہیں، آزاد خیل، جابت خیل، حسام خیل اور علی شیر
خیل۔

فیروز کے کا بیٹا بھائی کے چار بیٹے جو ناخیل، مدی خیل، شغل
خیل اور سندھ خیل ہیں۔ ان بیک شاہ کابل کے دوران محمود، مدکیل
چغزئی ان میں نامور شخص گزرا ہے۔

مساکین چغزئی :- چغزئی کی حدود دیوانہ بابا سے کچھ
آگے جو بوئیر کا مشرقی حصہ ہے، سے شروع ہو کر مشرق کی طرف
آہستہ سے پار تک چلا گیا ہے۔ ان میں مشہور مواضعات، بودال
گلو، بوڑئی، بٹارہ، بام ڈھیر، شمنال، ٹانگوڑہ، گبیت، مرادو،
ٹوپی، سرتقلہ، میراگلی، ہائے خانے، فولادئی، شنگڑہ، چلندرئی،
بائی رد، تیراج، کس، کوٹ، راج کند، پانڈیر، بھیم پور، کوہی،
شیر علی، ڈیلی، الاگرام، تیتالان، پشلوڑ، منی خیل اور ریال وغیرہ

ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور حمایتی افغان قبیلہ عزیزدانی جو تقریباً
اڑھائی ہزار گھرانوں پر مشتمل ہے، ایک الگ علاقہ میں آباد ہیں۔
ان کا گاؤں برتونی ہے۔ ان کے ساتھ شمال کی جانب دریا کے کنارے
خود قبیلہ چغزئی مواضعات کابل گرام، جودبا، بہار، دانکول، رنج
بنٹو، دیل، کمپچ اور نصف کوٹکی میں بھی آباد ہیں۔
دولت زئی :- دولت بن علی جس کی اولاد دولت زئی سے مشہور
ہے۔ اس کے تین بیٹے منڈ سے زئی، برکازئی اور اسماعیل زئی
ہیں۔

منڈی زئی کی دو ذیلی شاخیں یہ ہیں، شرف الدین جس کے بیٹے
شیر پائے کے نام سے اور دوم فخر الدین جس کے بیٹے پول کے نام سے
پل خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ شیر پائے کی اولاد کالا خیل اور صغریٰ خیل
ہیں۔ اور کالا خیل کی اولاد غری خیل اور چگا خیل سے موسوم ہیں۔ اور
صغریٰ خیل کی اولاد منی خیل اور کابل خیل ہیں۔ منی خیل کے چار بیٹوں
کی اولاد سلطان محمد خیل، جمعہ خیل، گدا خیل اور بنگی خیل ہیں۔
پل خیل یہ ہیں، دلک، مخدوم اور اللہ داد جو داد سے
مشہور تھا، لا ولد مرا تھا اور مخدوم کا بیٹا سلیم خان تھا۔ دلک کی
اولاد سید خیل، جو کا خیل، موسیٰ خیل اور صورت خیل ہیں۔

برکازئی کی ذیلی شاخیں ماما خیل، موسیٰ خیل اور ابراہیم خیل ہیں
ماما خیل برکازئی کی اولاد یہ ہیں، ہمزہ خیل، بخترہ کور، غیبی خیل،
نندو خیل، راجو خیل، عباس خیل اور جان شاہ خیل اور پالی خیل۔
ابراہیم خیل یہ ہیں، جلالت خیل، یازو خیل، ایسو خیل، سالو خیل اور
معروف خیل۔

اسماعیل زئی کی ذیلی شاخیں ابا خیل اور اکا خیل ہیں۔ ابا بن اسماعیل

کی اولاد باری خیل، عباس خیل اور ابرو خیل سے مشہور ہیں۔ اور اکا بن اسماعیل کی اولاد ہیبت خیل، میرا خیل، سلطان خیل، داؤد خیل، اور سمون خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔ منڈے زئی، کلپانی اور کلیاڑی میں آباد ہیں۔ برکازئی، مواضعات، مٹوانی اور باچکھ میں آباد ہیں۔ اسماعیل زئی، مواضعات، منور اور شمال ہانڈی علاقہ بونیر میں آباد ہیں۔ ان میں دادے، سلیم خان، سیدہ جوکا، ملک باما اور کاکو مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ ملک باما کی قبر موضع کلپانی کے اندر ہے۔ موضع کلیاڑی میں دنڈ باما اور دنڈ حافظ بابا مشہور ہیں جس کی وجہ سے کہ ملک باما نے اس رقبہ کو حافظ افغان شیرپاکے جو ملک باما کا قاضی تھا، کے حوالہ کر دیا تھا اور نصف ملک باما کے پاس رہا تھا۔ ملک متہ بن شرف بن شاہ بیگ ابا خیل سویل زئی ہائی زئی اور ملک کاکو دولت زئی، ملی زئی کی قبریں بھی یہاں پر ہیں۔ جو کافی مشہور ہیں یہ دونوں یوسف زئی کے نامور اشخاص تھے۔

نودی زئی: نورے بن ملی (جس کی اولاد نودی زئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے علی شیر، ابا اور یسورے ہیں۔ علی شیر (جس کی اولاد علی شیر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے برت خیل، بابکر خیل، کنزل خیل اور خماری خیل ہیں۔

برت خیل کی ذیلی دو شاخیں ملا خیل اور اللہ داد ہیں۔ اللہ داد کے دو بیٹے پائندہ خان اور غازی خان تھے۔ جس کی اولاد پائندہ خیل سے یاد ہوتے ہیں اور غازی خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ برت خیل مواضعات، ملا یوسف، نوکے، ہانڈہ اور کچھ امبیلہ علاقہ چاند بونیر میں آباد ہیں۔

بابکر خیل کی دو ذیلی شاخیں ہیں، بوخیل و ملہ خیل۔ یہ مواضعات ڈھیری اور کچھ امبیلہ میں آباد ہیں۔

کنزل خیل یہ ہیں: میرا خیل، حیات خان کورہ، قلندر خیل، فتح خان خیل، خواجہ خیل، برہ خان خیل، ضیا خیل، خان کوری اور رسول خیل۔ کنزل خیل مواضعات چنار وغیرہ میں آباد ہیں۔

خماری (جس کی اولاد خماری خیل سے مشہور ہے) کے بیٹے جلال کے چار بیٹے حمزہ خان زوجہ اول سے اور اسماعیل خان، خوشاب امیر خان زوجہ دوم سے ہیں۔ اولاد حمزہ خان ملندی اور ایک گھرانہ پامپوتہ میں آباد ہے۔ اسماعیل خان کی اولاد ریگا میں اور خوشاب خان کی اولاد برکے اور امیر خان کی اولاد چنار میں آباد ہیں۔

ابازئی بن نودی زئی: ابا جس کی اولاد انیل، خواجہ خیل، اشو خیل، عیسیٰ خیل اور معروف خیل ہیں۔ جو سب ابازئی سے مشہور ہیں اور یہ ریگا بونیر میں آباد ہیں۔

ایسوطی زئی: ایسورے جس کی اولاد ایسوری زئی سے مشہور ہے، کے دو بیٹے پنجپاؤ اور میرک ہیں۔ پنجپاؤ کا ایک بیٹا مرگٹ (مرکت) ہے۔ جس کی اولاد مرگٹ خیل سے مشہور ہے۔

مرگٹ کے پانچ بیٹوں کی اولاد یہ ہیں۔ حق خیل، میردس خیل، اسماعیل خیل، زبر خیل اور اندر خان خیل۔ یہ لوگ مواضعات کسٹریہ، ملا یوسف، نوکے میں آباد ہیں۔ مرگٹ کے ایک پوتے کالو بن اندر خان کی اولاد امبیلہ اور کٹکونی میں آباد ہے۔ جو کالو خیل کے نام سے مشہور ہے۔

میرک کے دو بیٹے میر اور پیر علی ہیں۔ میر کی اولاد کو میر خیل کہتے ہیں۔ میر کے دو بیٹوں کی اولاد حسن خیل اور عیسیٰ خیل کے

ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

میر و کے بیٹے حسن خیل کی اولاد یہ ہے: بابا خیل، حبیب خیل، بہا خیل، نوین خیل اور سلطان خیل۔ اور میر و کے دو ستر بیٹے عیسیٰ کی اولاد خانی خیل، محمد خیل، سعد خیل، اصغر خیل اور سندر خیل (سرو) ہیں۔ اور یہ لوگ موضع ڈھیری اور چینہ بوئیر میں آباد ہیں۔ پیر علی کی اولاد کو پیر خیل کہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ابانڈی کے ساتھ موضع ریگا میں آباد ہیں۔ ان میں نامور اور قابل ذکر اسماعیل بن مرگت، میر اور پیر علی تھے سعد اللہ المعروف سر تور فقیر ابانڈی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ برت خیل میں غازی خان یوسف زئی کے سربراہ مملکت گذرے ہیں۔ غازی خانے گاؤں انہی کے نام پر موسوم ہے۔ معظم خان نور زئی سکندر ریگا کا نام بھی قبائل ذکر اشخاص میں شمار ہوتا ہے۔

(۵) اوریا بن یوسف

اس کی اولاد کو بادی خیل کہتے ہیں، اور یہ تعداد میں اس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر، اور یہ لوگ مواضعات مناگے نزد شنگلہ میں کچھ گھرانے اور موضع سپینے ابو اور وہاں کے گمرد و نواح میں چند گھرانے آباد ہیں۔

(۶) منوبن مندر یا مندر

اس کے دو بیٹے عثمان اور اتمان ہیں۔ عثمان کے دو بیٹے کمال اور امان ہیں۔

کمال زئی، کمال بن عثمان بن منور جس کی اولاد کمال زئی سے مشہور ہے) کا ایک بیٹا عنایت ہے۔ جس کی تین بیویاں تھیں۔

زوجہ اول مشہرہ زانی جس کی اولاد مشران زئی سے مشہور ہے۔ زوجہ دوم کشرہ زانی جس کی اولاد کشران زئی سے مشہور ہے۔ زوجہ سوم سے اکا جس کی اولاد اکا خیل سے مشہور ہے۔ عنایت کے مشران زئی سے چار بیٹے ابان خیل، بوسی خیل، موسیٰ خیل اور منیر جس کی اولاد منی خیل سے مشہور ہے۔ یہ سب طور د اور مایار وغیرہ میں آباد ہیں۔

ابا کے دو بیٹے اول آمو جس کی اولاد آمو خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ دوئم صدیق جس کی اولاد صدیق خیل سے مشہور ہے۔

عنایت کے کشران زئی سے تین بیٹے مغدود، قاسم اور رستم ہیں۔ جن کی اولاد بالترتیب مغدور خیل، قاسم خیل اور رستم خیل سے مشہور ہے۔

مغدود خیل یہ ہیں: بہرہ خان خیل، دیگان خیل، یحییٰ خیل، اللہ داہیل نور علی اللہ داہیل مغدود کے تین بیٹے ہیں۔ اول ابولہیم خان جس کی اولاد بابا خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم تتر خان جس کی اولاد مرجان خیل اور بونا سا خیل ہیں۔ سوئم محمد خان جس کے چار بیٹے تھے اول غادی خان (جس کا بیٹا شہنشاہ خان تھا پھر اس کے چار بیٹے جلال خان، بہیت خان، بلند خان اور سواتے جس کی اولاد مشوانی خیل سے مشہور ہیں) تھے۔ دوئم اجڑ خیل، سوئم زندگی خیل، چہارم شیخ علی ہیں۔

قاسم کے بیٹے عزیز خان کے نام سے غری خیل اور پھر اس کے دو بیٹے خمار خیل اور بلو خیل سے مشہور ہیں۔

رستم کے چار بیٹے ہنرہ خان (جس کی اولاد بہادر خیل اور بامو خیل ہیں) بہاری، شکرے اور ولو خیل ہیں۔

ان سب کی اولاد ہوتی اور مردان میں آباد ہے۔ ان کے علاوہ موضع مایار میں کشمیریان اور بوقیان، کبار، رانڑی اور ہوتی میں مندوری اور شامت پور اور طور و میں کنار یا کشار اور مندوری جو حمایتی افغان قبائل ہیں،

بھی رہتے ہیں۔ موضع مایار میں اکائیل کے علاوہ کمال زئی کے سدی خیل
کرہ خیل، آمونیں، میا خانی، صدیق خیل بھی آباد ہیں۔ کمال زئی موضع
سوراجند میں بھی آباد ہیں۔

کمال زئی کے ساتھ پیر خیل (جو پیران سے مشہور ہیں اور پیر
بابو زئی یوسف زئی کی اولاد ہیں) میں سے مردان میں مستیان عالم شاہ
عسکر گل، شکور، ہر سہ کی اولاد مانکانہ (سیری) کی حیثیت سے آباد ہیں
اور ان کے چند گھرانے گوجر گڑھی میں بھی آباد ہیں۔

امان زئی، امان بن عثمان بن منو جس کی اولاد امان زئی سے
مشہور ہے، کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اول سے دو بیٹے دولت اور حسام
ہیں۔ دونوں بھائیوں کی اولاد دولت زئی سے مشہور ہیں۔

دولت زئی، دولت کے تین بیٹے ہیں۔ اول حسن جس کے بھی
تین بیٹے ہیں۔ پہلا اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہے
اور اسماعیل کے پوتے کفور خان کی اولاد کفور خیل سے یاد ہوتے ہیں۔
جو گڑھی کپورہ اور موضع گلیاڑہ میں آباد ہیں۔ اور دوسرا شہت جس
کی اولاد شہت خیل سے مشہور ہے۔ اور تیسرا عدت جس کی اولاد عدت خیل
سے یاد ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے قاضی خیل پشاور بھی اسی خاندان
سے ہیں۔

دوم مبارک بن دولت جس کی اولاد مبارک خیل سے مشہور ہے۔
سوم خیر بن دولت ہے۔

دولت کے بھائی حسام کا ایک بیٹا بازید تھا جس کے چار بیٹے
ہیں۔ سلیمان، میر جمال، ابابکر اور سید۔

سلیمان بن بازید کے بیٹے ملا میر و معروف حسن ہیں۔ اللہ داد
میر داد، خدا داد ہیں۔ اور میر جمال کا ایک بیٹا احمد تھا۔ اور سید کے دو بیٹے

اول جلال اور دوسرا ایک نام تھا۔

ملا میر کی اولاد پیر خیل سے اور میر جمال کی اولاد جمال خیل سے اور
اور سید کی اولاد سید خیل سے مشہور ہیں۔ اور امان بن عثمان
کی زوجہ دوم سے اسماعیل، اسحاق اور ادریم ہیں۔ ان تینوں بھائیوں
کی اولاد بڑے بھائی اسماعیل کے نام اسماعیل زئی سے مشہور ہے۔

اسماعیل زئی، اسماعیل کے چار بیٹے ہیں۔ اول عظیم (جس کی
اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں)، دوم سکندر (جس کی اولاد طلاس خیل،
دوڑ (دوڑ کے بیٹے بقال خیل) اور بڑ خیل میں سوم بام خیل، چہارم جونا خیل
پنجم یعقوب (جس کی اولاد ادریا زئی اور اسحق ہے) اسحق کی اولاد یعقوب
خیل سے یاد ہوتے ہیں اور ششم بہرام خیل ہیں۔

اسحاق برادر اسماعیل کی اولاد سہاک زئی سے مشہور ہے۔
اور ادریم برادر اسماعیل کی اولاد اسماعیل زئی سے یاد ہوتی ہے۔

امان زئی تھریبا مشترکہ طور پر رہتے ہیں اور ان کے مرکزی
گاؤں گڑھی امان زئی اور شہباز گڑھ ہیں۔ گڑھی امان زئی البتہ
دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ کا نام گڑھی دولت زئی اور دوسرے
کا گڑھی اسماعیل زئی ہے۔ ابتدا میں امان زئی کے کچھ خاندان مسکی پور
اور ککوئی چلہ میں بھی آباد تھے، بعد میں وہ ڈوما کے فتح شدہ علاقہ
مہابنر کے شمال مشرق کی جانب چلے گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔ یہ
علاقہ سورے اور پتیافہ امان زئی سے مشہور ہے اس میں نگہ زئی
شیر گڑھ، شیر آباد، ملک، چورڈی، منڈاؤ، کوٹری، کالی لاڑ، بیگرا
کپلہ، نادرہ اور قاربہ وغیرہ مشہور گاؤں ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع مردان
میں مواضعات گلبت، گیدڑ، کھنڈرے، گجرات، بخشالی، جو نگر،
چم ڈھیرے، نرنگ، بارو، چار گلی، لنڈی، باریکاب، کٹخت، کھنڈر

چراگاہ، پلوڈھیری، جلیل، ہمزہ کوٹ، نوال کلی، خیر آباد، چارگل، گلیبڑہ،
ہوسٹ، مچی، جلال، تاجہ کوترپان، سرخابی، علی، لنگڑے، رستم اور
ہانڈ وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان میں مشہور خاندان قاضی خیلان پشاور بھی
دولت زئی کے مے خیل شاخ سے متعلق ہیں۔ ملا میر، میر جمال، میر ویس
میر بابو، مصری خان، بنیون ملک، کفور خان اور صاحب خان بھی نامور اشخاص
گزرے ہیں۔

امان زئی کے ساتھ بوقی افغان بھی آباد ہیں۔ جن کو تقسیم شیخ ملی
میں امان زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا۔ یہاں ان کی دو شاخیں یعنی شمشیر خیل
اور حسین خیل ہیں۔ یہ لوگ مواضع گمبت، کنڈر، چک تاجہ، مچی اور گڑھی
اسماعیل زئی میں مالکاء حیثیت سے آباد ہیں۔

اتمان زئی، اتمان بن منو کے چار بیٹے زوجہ اول سے اکا، کنا
اور علی (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہے) اور زوجہ دوم سے سرد
(جس کی اولاد سرد زئی سے مشہور ہے)

اکا زئی، اکا بن اتمان (جس کی اولاد اکا زئی سے مشہور ہے) کے
تین بیٹے مستیمان، سارنگ، محمود اور چارسدہ ہیں۔ سارنگ کی اولاد مارا
خالو اور حنی ہیں جن کو سارہ خیل کہتے ہیں۔ محمود کے بیٹے بریم کی اولاد کو
بریم زئی کہتے ہیں۔ بریم زئی کی اولاد اڑا برہیم، فیکی، خونیہ اور شہر
خان خیل ہیں، اور ان میں اڑا برہیم کی اولاد بھی چار عدد ہیں بوباخیل
بدر خیل، سمیل خیل اور دلزاک ہیں۔

شہر خان خیل ہیں، منصور خیل، پکڑ، شہر خیل، پخی خیل، امر زئی
خیل، اوسی خیل، نساہم خیل۔
چارسدہ کے تین بیٹے پیرک زئی، صاحبی خیل اور پائندہ خیل ہیں۔

پیرک زئی، پیرک بن چارسدہ (جس کی اولاد پیرک زئی سے مشہور
ہے) کے چھ بیٹے بلخیر، مانی، مبادے، شیخ ملی، ارب اور سیدالی ہیں۔
بلخیر بن پیرک کے چار بیٹے حبیب، قابل، جونا اور فقیر ہیں۔
شیخ ملی بن پیرک کے چار بیٹے نیک نام، جالبانہ (جس کی اولاد خانہ
خیل سے مشہور ہے) مزید اور جہانگیر (جس کی اولاد نظر خیل، خدا داد
ہرو اور نرداد ہیں)

صاحبی بن چارسدہ (جس کی اولاد صاحبی خیل سے مشہور ہے) کے
تین بیٹے محمود، مندو اور سند ہیں۔ محمود کے دو بیٹے ہیبت خان
اور جان خان ہیں۔ اور مندو کا ایک بیٹا جلو اور جلو کے دو بیٹے خدو
اور چنڈو ہیں۔ اور سندو کا ایک بیٹا سلطان ہے۔ اور پائندہ بن
چارسدہ کی اولاد اس کے نام پائندہ خیل سے یاد ہوتی ہے۔
موجودہ تقسیم اراضی شیخ ملی، پیرک کا بیٹا ہے۔ حبیب خان شیخ ملی کا
بھتیجا جو بہا کو خان کا وزیر تھا، اسی قبیلے سے متعلق ہے۔ اکا زئی موضع
مینی، سالم، کچھ ٹوپی اور کبل۔ تور بیلہ اور جٹو اور جھنڈہ میں اور کچھ
ہزمدہ میں بھی آباد ہیں۔

سے کو قبضہ تخت توپنی بازار دے

مینی دیلے ذاکا زئی اور سیدو

شیخ ملی کا مزار مواضع بلوگرام اور قمبر کے درمیان سوات
میں پرانے راستے پر واقع ہے جو نئے پختہ سڑک سے شمال کو ایک
فرلانگ پر ہے۔

کنا زئی، کنا بن اتمان (جس کی اولاد کنا زئی سے مشہور ہے)

کے دو بیٹے ابابکر و سہ سہ ہیں۔

ابابکر (جس کی اولاد ابابکر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے اول

موسلی (جس کی اولاد موسلی خیل سے مشہور ہے) دوم محمد خان، سوم غلام خان اور چہارم اخون سید ہے۔

سہ سده کے دو بیٹے سنا خیل اور بارہ خیل ہیں۔ ان کی اکثریت کوٹہ بعض ٹوپی اور دریا پار ہزار میں بھی آباد ہیں۔ ان میں موسلی بن ابابکر ملک احمد کے مشر تھے۔ اور سوات میں موضع تھانہ کے مغرب میں بختہ کے مقام پر دفن ہیں۔ موسلی بن ابابکر کے پانچ بیٹے ہیں جو اسو خیل، یارہ خیل، ابو خیل، بیٹا خیل اور لالہ خیل سے مشہور ہیں۔ اور غلام خان کے تین بیٹے ہیں جو خیر و خیل، مزید خیل اور خواجی خیل سے مشہور ہیں۔

علی زئی، علی ابن اتمان (جس کی اولاد علی زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے پنجپاؤ، بوباخل، اسماعیل خیل اور سمو خیل یا شمو خیل ہیں۔

پنجپاؤ کے دو بیٹے پائندہ اور عسر ہیں۔ بوباخل کے دو بیٹے ابراہیم خیل اور میگلی خیل ہیں۔

ابراہیم بن بوبا (جس کی اولاد ابراہیم خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے مٹہ خان اور سید خان تھے۔ مٹہ خان کے تین بیٹے شاہ بیگ ولی داد اور رام بیگ تھے۔ شاہ بیگ کا ایک بیٹا خوشحال تھا، جس کی نسبت سے اس کی اولاد خوشحال خانی مشہور ہوئے ہیں۔

سید خان بن ابراہیم کا ایک بیٹا ایوب خان تھا۔ ایوب خان کے تین بیٹے سید خان، سردار خان اور سلیم خان تھے۔ سید خان کی نسبت سے اس کی اولاد کو سید خانی کہتے ہیں۔ اسماعیل خیل علی کے چار بیٹے سید خیل، پائندہ خیل، زمنگی خیل اور پیر خیل ہیں۔

سید خان (جس کی اولاد سید خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ہوگی، موہین، اور دریا خان ہیں۔ ہوگی کا بیٹا اولہ بن اور اول دین کا بیٹا

طاہر خان ہے جو طاہر خیلوں کا جدِ اعلیٰ ہے۔ طاہر خیل طاہر خان کے تین بیٹوں تاج خان، مثال خان اور شمس خان کی اولاد ہیں۔

سمو خیل علی زئی کے دو بیٹے بسو خیل اور علی خیل ہیں۔ ان سے بے شمار شاخیں اور خاندان بنے ہیں جو ٹچرہ پا کے نسب میں دکھائے گئے ہیں۔ علی زئی کی اکثریت موضع کوٹہ، کچھ ٹوپی اور مواضعات حضرد برہان اور باقی ہزارہ میں، نیز ٹیکسلا تک آباد ہیں اور موضع بوقایم صرف رحمت خان علی زئی کی اولاد مالکان و آباد ہیں۔

سدوزئی، سد بن اتمان (جس کی اولاد سدوزئی سے مشہور ہیں) کی دو شاخیں بلوڑئی اور دروزئی ہیں۔

جلوڑئی، جلوڑہ سد کے دو بیٹے ابا اور عسر بن کی اولاد اباخل اور عسر خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تحصیل صوابی میں آباد ہیں۔

اباخل، ابابن سد (جس کی اولاد اباخل سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے نصرت اور دولت ہیں۔ نصرت کے پانچ بیٹے روسی خان، سیفو درپتی، محبت اور عبداللہ تھے۔

روسی بن نصرت کے سات بیٹے ہیں۔ اول تاجو جس کی اولاد تاجو خیل سے مشہور ہے (ایوب، کرکڑیا، پنجپاؤ، طاؤس، بانڈہ اور ہڈہ، جس کی اولاد ہڈو خیل سے مشہور ہے) سیفو بن نصرت کے پانچ بیٹے یہ ہیں۔ بابو، عذر، منصور، غالی، اسو خیل۔ درپتی بن نصرت کی اولاد

حسن خیل، مکاخل اور چنگو خیل ہیں۔ اور تاجو کے پانچ بیٹے یہ ہیں آزاد خان، جانباز (جس کے دو بیٹے میر جان شاہ اور خوجداد ہیں) بہادر خان دوران اور تودہ باز خان ہیں۔

دولت کے چھ بیٹے سہ سده، کوڑا، ابراہیم، موتی، دینا خان، قاسم اور محمد نسیم تھے۔

سرسدہ بن دولت کی اولاد چار خیلوں پر مشتمل ہیں۔ عزیز خیل، بودل خیل، بیچ پاؤ اور ادین خیل۔

کوثر ابراہیم بن دولت کی اولاد منگلا اور پاس ابراہیم ہیں۔

موقی بن دولت کے تین بیٹے ہیں: سرو مونی، بوڑی خیل، پاٹو خیل دینا بن دولت کے چار بیٹے ہیں: آذا خان، جی خان، ان دونوں کی اولاد رحمت خیل سے مشہور ہیں) برہ خان اور شرفا خان۔

تھام بن دولت کے چار بیٹے ہیں: لالو خان، حسن خان، میا خان اور ماسم خان۔

محمد نسیم بن دولت کا ایک بیٹا مدح ہے (جس کی اولاد مدح خیل سے مشہور ہے) مدح کے چار بیٹے ہیں: رانا، نور محمد، آصف اور وزیر۔ ان سب کی اولاد آپس میں نصرت اور دولت سے یاد کیے جاتے

ہیں۔ اور ان کی اولاد مواضعات برخ پیر، کھڑے، شاہ منصور، زیدہ، کھنڈا، انبار، ہنڈ، لاہور مشرقی، اریان، ذکر یا، شیخ، بے، بیکا اور صلاح میں آباد ہیں۔ ابان خیل کے تاجو خیل شاخ میں میر جان شاہ اور اس کا بیٹا بختے، ملک خویہ اور اس کا بیٹا ملک بن خان اور نیز بابو بن سیف بن نصرت نامور اشخاص گزرے ہیں۔ بلڑ خیل میں لطاف خان،

بلند خان، پسران ضابطہ خان، بلڑ خیل اور خادی خان محمد امیر خان پسران محب اللہ خان بن بلند خان بن ضابطہ خان، اشرف خان بن لطاف خان اور اس کے تینوں بیٹے مقرب خان، فتح خان اور ارسلان خان یکے بعد دیگرے بھی قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ جوہر ایک اپنے وقت کا حکمران تصور ہوتا تھا۔

عمرو خیل ۱۔ عمر بن سدو (جس کی اولاد عمرو خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے محمد خان، مسی خان اور بسو خیل ہیں۔

محمد خان بن عمر کی اولاد نیک نام خیل، بوخان خیل، حامل خیل اور میر احمد (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے)

نیک نام خیل یہ ہیں: سید خان، عمر (جس کی اولاد خانہ خیل سے یاد ہوتے ہیں) بابو (جس کی اولاد نوراب خیل سے مشہور ہے)۔

بوخان خیل یہ ہیں: خویہ، داد خیل، کریم داد خیل اور میا داد خیل۔

حامل خیل یہ ہیں: غند، بوچا خیل، ذنون، رسید خان، ضابطہ خان بہرام اور قمرے۔ اکبر احمد (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے مصری خیل اور خوشحال ہیں۔

مسی خان بن عمر (جس کی اولاد مسی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں: بجو، میگہر (جس کے تین بیٹے کرم خیل، نظر خیل اور شمس (جس کی اولاد شمس خیل کے نام سے یاد ہوتے ہیں)۔ شمس

کے دو بیٹے ترکیال اور سکندر تھے۔ دوم شیر داد جس کے دو بیٹے مراد خان اور دولت خان ہیں۔ مراد خان کی اولاد بر شیر داد خیل اور دولت

کی اولاد کوز شیر داد خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ سوم رجب، چہام گنگیا پنجم طاؤس جس کی اولاد طوس خانی کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔

بسو بن عمر (جس کی اولاد بسو خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے ہیں: جو کہ موقی خیل، سونا خیل، مسی خیل، رجو خیل اور مرید خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

ان سب کی اولاد مواضعات درہ، کالا، صوابی اور مانیری میں آباد ہیں۔ ان میں میر احمد خان ولد محمد خان (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہیں) ملک احمد کا مشیر تھا۔ اور ملک ترکیال یا ترکی بن شمس بن چہام میگہر جو مہری خان کا مشیر تھا، نامور اشخاص تھے۔ نجیب الدولہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ دیوانہ بابا جس کا اصلی نام جان خان

بن مراد خان تھا، بہت بڑے عالم اور شاعر تھے۔ ان کا تخلص جان تھا۔ ان کا تعلق بھی عمر خیل میں شیرداد خیل سے ہے۔ ان کی زیارت کلیانڑی اور مٹوانی (ٹوئیر) کے درمیان ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ اور بہت مشہور ہے ان کا ایک قول ہے:-

”چہ خدائے نہ کہ جان دیوانہ بابا بہ نے نہ کہ،“
اس کا یہ شعر افغان قوم میں ایک بیش بہا ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

دروزی:- دروڑ جہ سدا کے تین بیٹے بہزاد، میر احمد اور خدو ہیں جو پہلے وقت میں دروڑی سے یاد ہوتے تھے۔ یہ رنگ تحصیل صوابی اور تپہ بند خیل میں آباد ہیں۔
بھڑاد خیل:- بہزاد بن سدا (جس کی اولاد بہزاد خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ملک قرہ، الکی اور علی ہیں۔ ملک قرہ (جس کی اولاد قرہ خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے جلو خیل، گلا خیل، میرداد خیل، بومبی خیل، خان گجو (سربراہ مملکت) (جس کی اولاد خان خیل سے یاد ہوتے ہیں) اور مزید خیل ہیں۔ الکی لالہ ہے۔
گل محمد بن قرہ (جس کی اولاد گلا خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے کشور خیل، آدم خیل اور پانڈ خیل ہیں۔

بومبی بن قرہ (جس کی اولاد بومبی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے یہ ہیں محمد بیگ، مراد بیگ، ملا عبد الغنی، مہر علی خان اور احمد خان۔ احمد خان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حبیب خان تھا۔ حبیب خان کے دو بیٹے دیوان خان اور محمد خان تھے۔

علی (جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ولی داد خیل، گوار خیل اور نبی خیل ہیں۔ اور بہزاد خیل موانعات کلاہٹ، منارہ یوسفی، حسن زانہ اور نصف سلیم خان اور کلان میں مالکان اور آباد ہیں۔

ملک قرہ، الکی، خان گجو، اسماعیل اور مزید کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے آچکا ہے۔ خان گجو کی قبر صوابی اور ڈاگی کے درمیان ایک پہاڑی کے جنوبی دامن میں واقع ہے۔ بہزاد خیل کے ساتھ بطور ہمسایہ باگڑ قوم بھی رہتی ہے۔ موضع کلان میں ایک بزرگ ملا عبد الغنی بن بومبی کی زیارت ہے جو بہزاد خیل سے متعلق ہے۔ اور اغلباً اس کی بعض اولاد ملا خیل سے یاد کئے جاتے ہیں۔

میر احمد خیل:- میر احمد بن سدا (جس کی اولاد میر احمد خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے بابو، جانا، اکا، شا خان اور یا خان ہیں۔

بابو بن میر احمد (جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے ہیں جو بالترتیب جلال خیل، بارہ خیل، چو خیل اور نورنگ خیل سے مشہور ہیں۔ چرخان کا ایک بیٹا شیریت خان تھا۔ (جو تنبیہ الغافلین کا مصنف ہے۔)

جانا بن میر احمد (جس کی اولاد جانا خیل سے مشہور ہے) کے آٹھ بیٹے ہیں جس کی اولاد بالترتیب بہرہ خان خیل، حسن خیل، صدیق خیل، دلزاک، دروینر خیل، ددو خیل، جلال خیل اور موسیٰ خیل سے یاد ہوتے ہیں۔

اکا بن میر احمد (جس کی اولاد اکا خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں جو بالترتیب ہادی خیل، قسطل، ماما خیل، اور یا خیل اور سلطو خیل سے مشہور ہیں۔

سلطو خیل میں دو ذیلی شاخیں اسو خیل اور سندڑ خیل بھی ہیں۔ شاہ خان بن میر احمد کی اولاد شاہ خان خیل سے مشہور ہے۔ یارہ خان بن میر احمد (جس کی اولاد یارہ خیل سے مشہور ہے) کے تین

بیٹے ملک خدا پیدا، بلڑ اور افنداد ہیں۔ ملک خدا کے دادیا خولیدا (جس کی اولاد خولیدا خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے ہیں۔ جو جلال خیل، حبیب خیل، سکندر خیل اور احمد خان ہیں۔ احمد خان کے اولاد خان خیل سے یاد کئے جاتے ہیں۔ احمد خان کے تین بیٹے: شاہزادہ خانزادہ اور صاحب زادہ تھے۔

بلڑ بن یارہ خان (جس کی اولاد بلڑ خیل سے یاد ہوتی ہے) کے چار بیٹے ہیں جو مالا خیل، محمدی خیل، سرگند خیل اور گدانی خیل سے مشہور ہیں۔

انند اور بن یارہ خان کے تین بیٹے عمر خان، کرم خان، ملبال ہیں۔ ملبال کی اولاد ملا خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔

میر احمد خیل مواضعات مرغز، ٹنکوئی، گکاڑ اور نصف سلیم خان میں آباد ہیں۔ ملک یارہ خان اور اس کا بیٹا خولیدا خان گکو کے یکے بعد دیگرے وزیر رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر و شوکت علی بھی اسی یارہ خان کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا حیات خان بن محمد خان ملا خیل مرغز سے روہی کھٹہ (بندوستان) گئے اور وہاں مقیم ہو گئے۔

خند و خیل بن خند بن سدو (جس کی اولاد خند خیل سے مشہور ہیں) کے چھ بیٹے ہام خیل، قاسم خیل، خواجہ دیس خیل، موسیٰ خیل عثمان خیل اور لال خیل ہیں۔ ان میں سب گین لال خیل مشہور اشخاص ہیں سے تھا، جس کا ذکر توارخ حافظ رحمت خانی میں ہو چکا ہے۔

ہام بن خند (جس کی اولاد ہام خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے جو مدا خیل، جعفر خیل، کیمل خیل، یونس خیل اور بد خیل سے مشہور ہیں۔

ہام بن ہام (جس کی اولاد مدا خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے جو خواجہ علی، سلیمان خیل، بلو خیل، حبیب خیل اور طاووس خیل سے مشہور ہیں۔ جعفر بن ہام (جس کی اولاد جعفر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے جو کر بیک خیل، ارادت خیل، سلطان خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں۔ یونس بن ہام (جس کی اولاد یونس خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے جو سوکی خیل، یوسف خیل، عیدو یا ایدو خیل اور بازید خیل ہیں۔

بدلہ بن ہام (جس کی اولاد بدلہ خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ہیں جو کر پائندہ خیل، بیان خیل اور چٹا خیل سے مشہور ہیں۔

قاسم بن خندو (جس کی اولاد قاسم خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے ترو دی خیل اور علی خان ہیں۔ ترو دی خیل کے دو بیٹے شاخیں منصور خیل اور سعید خان خیل ہیں۔ اور علی خان بن قاسم کے تین بیٹے ہیں جو میر خیل، بابو خیل اور قدم خیل سے مشہور ہیں۔

موسیٰ بن خندو (جس کی اولاد موسیٰ خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے سرگند اور افنداد ہیں۔

لال بن خندو (جس کی اولاد لال خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے ہیں۔ جو کو کر خیل، تھاری خیل اور تیسرا سرگین تھا۔ بولا ولد ہے وہ دو آب کی جنگ میں مرا تھا۔

عثمان بن خندو (جس کی اولاد عثمان خیل سے مشہور ہیں) کا ایک بیٹا مامون تھا۔ مامون کے دو بیٹے، اول بہا کو خان سربراہ یوسف زئی اور دوسرا سید خان جو اٹک کے پل کے اوپر جنگ میں قتل ہوا تھا۔ جس کی اولاد نہیں۔ اور بہا کو خان کے تین بیٹے: زوہب، اول سے زین خان اور حیات خان، زوہب دوم سے بہانی خان تھے۔ بہانی خان کے دو بیٹے احمد خان اور محمد اصلاح تھے۔ احمد خان کا ایک

بیٹا خان زمان اور محمد اصلاح کا بیٹا ایمل خان تھا۔ ان کی اولاد موضع
محرانی، چلہ وغیرہ میں آباد ہیں۔

زین خان بن بہا کو خان کا ایک بیٹا محبت خان تھا۔ اور محبت خان
کے چار بیٹے رحمت خان، افضل خان، بلند خان اور جمال شاہ تھے۔
رحمت خان کے دو بیٹے نامدار خان اور ہمت خان تھے۔ ہمت خان کا
ایک بیٹا فیض اللہ خان تھا۔ اور نامدار خان کے بیٹے الف خان، ابراہیم خان
انور شاہ، کبیر خان، دلیل خان اور سرفراز خان تھے۔ جس کی اولاد مواضع
کتوزی و صدر گڑھے و دو آب تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں اور سرفراز خان کا
ایک بیٹا سردار خان تھا۔

الف خان بن نامدار کے دو بیٹے فتح خان اور ناصر خان تھے۔ افضل خان
بن محبت خان کے دو بیٹے اسلم خان اور اکرم خان تھے۔ اسلم خان کا ایک
بیٹا اکبر خان تھا اور اکرم خان کے دو بیٹے پائندہ خان اور نوشیر خان
تھے۔ بلند خان کا ایک بیٹا حسن خان اور حسن خان کے بیٹے عزیز شاہ سوم خان اور سمنان تھے۔
حیات خان بن بہا کو خان کا ایک بیٹا بہادر خان تھا۔ اور بہادر خان
کے دو بیٹے عظمت خان اور شاہ نواز خان تھے۔ (تفصیلی شجرہ نسب
تواریخ حافظہ رحمت خانی اشاعت سوم میں ملاحظہ فرمائیے)

مشہور قائد یوسف زئی بہا کو خان اسی قبیلے خدوخیل صدوزئی
مند کے ذیلی نساخ عثمان خیل سے متعلق تھا اور ان کا قبر علاقہ چملہ
میں موضع کتکوئے کے جنوب مغرب قبرستان میں واقع اور مشہور
ہے۔ اور ان میں ملک بام (جس کی اولاد بام خیل سے مشہور ہے)
ایک بڑا بزرگ تھا۔ اس کا مزار سوات بالا میں مٹہ کے مشرق ایک
قبرستان میں ہے۔

قبیلہ خدوخیل مواضع باجا اور بام خیل میں اور بقایا ڈاگے،

طلو طالی، نغر غشتی، خلی کھے، چینگلی، سواوی، سرپٹے، درگلٹی، دکارہ
پنجتار، نوگرام، بیگرے، جنگدرہ، تپہ خدوخیل میں قایض اور آباد ہیں۔
اس کے علاوہ ان کے کچھ گھرانے علاقہ چملہ کے خانان ڈھیری، مھرانی،
اور کوزکھے، برکھے میں بھی آباد ہیں۔ ان میں مشہور شخصیات جو اپنے
علاقہ میں ہر ایک اپنے اپنے وقت میں حکمران کا درجہ رکھتا تھا، بالترتیب
یہ ہیں زین خان بن بہا کو خان پھر اس کا بیٹا محبت خان، اس کا بیٹا رحمت خان
اس کا بیٹا نامدار خان، اس کا بیٹا الف خان پھر فتح خان اور زین خان فتح خان کا بیٹا
بیٹا مقرب خان تھا۔ جس پر اس خاندان کا سلسلہ امارت ختم ہوا۔ ان
میں سے نامدار خان کا بھائی ہمت خان علوم فارسی و عربی میں ماہر اور
کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ وہ ایک بڑا عالم گزرا ہے۔ دینی مسائل پر
اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے جو دیکھنے
سے تعلق رکھتا ہے۔ میر باز خان بن انور شاہ بن نامدار خان اور اس کا
بیٹا مبارک خان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

خدوخیل نے مشترکہ طور پر اپنے حمایتی توغی افغان قبیلہ کو جنگدرہ
میں آباد کیا تھا۔ یہ لوگ انہوں سالاک کے ساتھ آئے تھے۔ اور قبیلہ
پامپنی اور سرکی افغان حمایتی قاسم خیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور
یہاں کے علاوہ سرکی وغیرہ کے کچھ خاندان چھچھ اور دیر میں آباد ہیں
مقرب خان بن فتح خان کی قبر موضع باجا کے قبرستان میں ہے۔

زین خان اور حیات خان پسران بہا کو خان کی قبریں موضع پنجتار
تپہ خدوخیل کے قبرستان میں ہیں۔ اور ان کی والدہ کی قبر بھی ان دونوں
کے ساتھ متصل واقع ہے۔ میر باز خان کی اولاد سینگلی میں اور ہمت
خان کی اولاد برکھے چملہ میں اور سردار خان بن سرفراز خان بن نامدار خان
کی اولاد کتوزی دو آب میں آباد ہیں۔ اور اپنے آپ کو سردار خیل کہتے ہیں۔

(۷) رزڑ بن مندڑ یا مندڑ نر یوسف زئی

(جس کی اولاد رزڑ سے مشہور ہیں)

رزڑ کے چار بیٹے مانے، ملک قاسم، اکو اور خواڑے ہیں۔
 مانی ذئی، مانے بن رزڑ (جس کی اولاد مانی ذئی سے مشہور ہیں)
 کے دو بیٹے بازید اور بہلول ہیں۔

بازید بن مانے (جس کی اولاد بازید کے نام سے مشہور ہیں) کے سات
 بیٹے جو ابراہیم، سرگت، سلیمان خیل، خدر خیل، ایدو خیل، احمد خیل اور
 نیم بالوں ہیں ابراہیم بن بازید کی اولاد ناصر خیل، دعوت خیل، ثبوت خیل
 موسیٰ خیل، خان بیک اور کوناٹ تھے۔ سرگت بن بازید کے دو بیٹے
 ازی خیل اور ضمن خیل ہیں۔

بہلول بن مانے کی اولاد مبارک خیل، صدیق خیل، زانکی خیل اور
 اللہ داد خیل ہیں۔

مبارک بن بہلول کی اولاد علی خیل، برہان خیل، حبابی (جو بابی خیل
 سے یاد ہوتے ہیں) اور عبدالحق ہیں۔

عبدالحق بن مبارک کے پانچ بیٹے ہیں، میر خیل، شاہ ولی خیل، نظیر
 خیل، بات خیل، اور پچیری۔

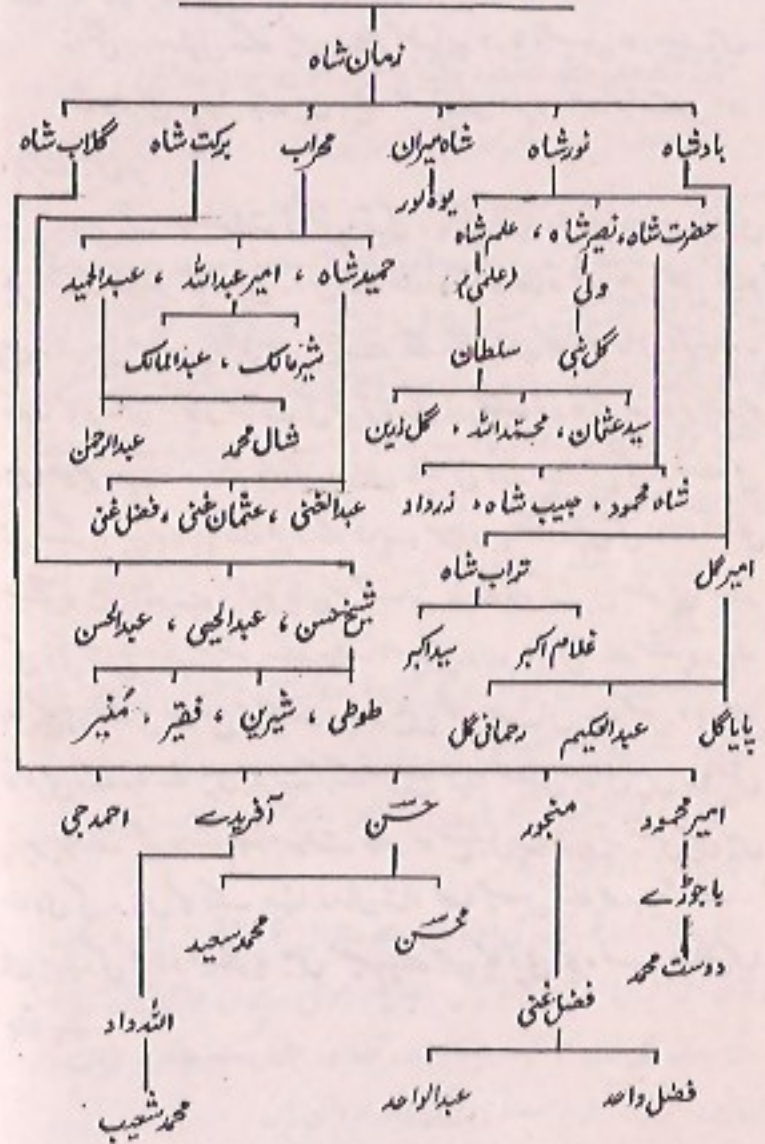
علی خان بن مبارک کی اولاد یہ ہے، جمال خیل، عظمت خیل، ملک
 کالو خان، (جس کی اولاد کالا خیل سے یاد ہوتی ہے)، جہان خیل، ولی بیگ،
 ولی بیگ بن علی خان کا ایک بیٹا جلال تھا اور جلال کے بیٹے یہ ہیں،
 دوران خیل، قبول خیل، سنڈی خیل اور مردان ہیں۔

صدیق بن بہلول کی اولاد ہمزہ خیل، سلطان خیل اور جونا خیل ہیں
 ہمزہ بن صدیق کے تین بیٹے بوکک، پایاؤ اور سجن ہیں۔ جونا بن صدیق

کے دو بیٹے اختیار خان اور رحیم خان ہیں۔ اختیار خان کی اولاد ہرجونا
 خیل اور رحیم خان کی اولاد کو زجونا خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔
 زانکی بن بہلول کے تین بیٹے مسمیان، دریا، حسن اور حبیب ہیں۔
 اللہ داد بن بہلول کے تین بیٹے مسمیان، سرور، سعادت اور
 اختر ہیں۔

ادریہ لوگ مواضعات ڈاگٹی، ترکی، رشکی، ترلاندی، ادینہ اور پرمولی
 میں مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ اس کے علاوہ کوگا علاقہ چھلہ میں بھی آباد
 ہیں۔ ان میں مشہور اشخاص میں سے ملک کالو خان کا نام قابل ذکر ہے۔
 ملک کالو خان سربراہ مملکت کی قبر ترلاندی اور چک نودہ کی سرحد پر کالو پھر
 میں موجود ہے۔ دوم بابو جان افغان مایزئی رزڑ مندڑ جس کی قبر نوے کلی
 نور مینگورہ میں بولا بابا کے مزار کے قریب موجود ہے اور جس کی اولاد آج کل
 مینگورہ میں آباد ہے۔ بابو جان کا تعلق مانے بن رزڑ بن منو بن مندڑ
 کی ذیلی شاخ عظمت خیل سے ہے۔ اس کی اولاد مایزئی سے مشہور ہے
 اس کی رہائش موضع کوگا علاقہ چھلہ میں تھی جہاں سے کسی دجر سے
 نو عمری کے زمانے میں ہجرت کر کے موضع زیدہ تحصیل صوابی میں رہائش
 پذیر ہوا اور کچھ مدت بعد سوات جاکر موضع کبل چنڑہ خورہ تپہ نیکی خیل میں
 شادی کی۔ اس کا ایک بیٹا زمان شاہ تھا جس کے چھ بیٹے تھے۔
 ان سب کی اولاد مینگورہ میں مقیم ہے جن کا ذیلی شجر نسب شامل کیا
 جاتا ہے۔

بابو جان افغان مافی ذی رزمند



ملک زئی۔ ملک قاسم بن رزڑ (جس کی اولاد ملک زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے تاج الدین یا تازہ دین، یونس (جس کی اولاد یونس خیل سے مشہور ہیں)، بادین (جس کی اولاد بادین خیل سے مشہور ہے) اور معروف (جس کی اولاد معروف خیل سے مشہور ہے)۔

تازہ دین کے چھ بیٹے ملک سلطان شاہ، بہرام، نصیر الدین، ملک سلیمان شاہ (سلیمان خاں بابا)، عیسیٰ اور نیکی خیل ہیں۔ سلطان شاہ کے تین بیٹے ہیں۔ اول ملک احمد (قائد یوسف زئی) دوم محمد اور تیسرا میرک۔

ملک احمد کے چار بیٹے زوجہ اول سے اللہ داد اور میر داد۔ زوجہ دوم سے اسماعیل اور کریم داد تھے جو بالترتیب اللہ داد خیل، میر داد خیل، اسماعیل خیل اور کریم داد خیل سے مشہور ہیں۔

محمد بن سلطان شاہ کے تین بیویاں تھیں۔ دو بیویوں کی اولاد انہیں کے نسبت سے شمشلی خیل اور بانی خیل سے یاد ہوتے ہیں اور زوجہ سوم سے اس کی اولاد سیدو اور کمال کے ناموں سے مشہور ہے۔ میرک بن سلطان شاہ کی اولاد میرا خیل سے مشہور ہیں۔

عیسیٰ بن تاج الدین کے تین بیٹے اول پانڈہ (جو باپ کی قلم مقام تھا۔ اور اس کی اولاد اپنے بیٹے کی نسبت دوندرا خیل سے یاد ہوتے ہیں)، دوم بلڑ (جس کے دو بیٹے ہلال خیل اور بچہ خیل ہیں) تیسرا مٹہ (جس کی اولاد مٹہ خیل سے مشہور ہے)۔

ملک سلیمان شاہ بن تاج الدین (جو سارے بھائیوں میں بڑا تھا) کے بیٹے سید خان، محمد خان، طاؤس خان اور شاہ منصور تھے۔

شاہ منصور کا بڑا بیٹا میر جمال تھا۔ اور ایک بیٹی مبارکہ بی بی تھی۔ نیکی بن تاج الدین کے تین بیٹے تھے۔ جن کی اولاد مشرف خیل، سنگر خیل،

اور یہاں خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔
ملک سلطان شاہ کا بیٹا قائد یوسف زئی ملک احمد بھی اس قبیلے کے متعلق تھا۔ ملک سلیمان شاہ (جو سلیمان غاہا کے نام سے مشہور ہیں) کے بیٹے طاؤس خان و شاہ منصور کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں کیا گیا ہے۔ جو بڑے نامور اشخاص گزرے ہیں۔ اور اس قبیلہ میں تاجک بن معروف بھی بہادر شخص گزرا ہے، اور نیز غازی خان بن خان مندر ملک زئی جو جنگ شیخ پور میں مراد تھا، بہت نامور شخص تھا۔ اس کے نام سے اب تک غازی کوٹ موسوم ہے۔ جو یارسین کے قریب جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہاں اس کا قلعہ اور رہائش تھی، یہ لوگ مواضعات یارسین، یعقوبے، شیردرہ تحصیل صوابی میں مشہور طور پر آباد ہیں۔ اور کچھ گھرانے موضع کوگا چلہ میں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے موضع سوڈھیر اولاد قیاس قوم میانہ افغان کو بطور سیری دیا تھا۔ اور غازی کوٹ میں بھی اپنے حمایتی آباد کئے تھے۔

ملک احمد کے چاہ بیٹے ہیں، اللہ داد، میر داد، کریم داد اور اسماعیل۔ ملک احمد کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ان کی اولاد کے ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ شجرہ نسب میں ان دونوں ناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تحقیقات کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ موضع یارسین میں ملک زئی کے ایک گروہ کوگا چلہ کے کریم داد خیل اور سلیمان خا کے درمیان سے پتھروں کے درمیانی احاطہ میں ہوا کرتا تھا۔ یہ پتھر ابھی تک موجود ہیں

لہ غازی خان کی اولاد موضع کوگا میں آباد ہیں۔ اور خان کوڑ سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اور ملک زئی کا دوسرا گروہ پٹنگئی نامہ کے نزدیک جانب جنوب مغرب جس میں کندی بلو خیل ابھی آباد ہیں۔ جو کہ کیا کرتا تھا۔ اس مقام کو اُس وقت زیدہ ڈھیری کہا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے پہلے گروہ کا نام خاتو اور دوسرے کا زیدہ ہوا۔ اور ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے نام دیے گئے۔ واضح رہے کہ انگریز کے آنے سے کچھ قبل اور پھر انگریز کے وقت میں ملک زئی کا ملک ویسے انونزادہ تھا۔

اکو خیل اور اکو بن رزڑ (جس کی اولاد اکو خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے بابی اور منا تھے۔ بابی کی اولاد بابی خیل سے اور منا کی اولاد منا خیل سے مشہور ہیں۔

بابی بن اکو کا ایک بیٹا اسماعیل ہے اور اسماعیل کے چھ بیٹے قابل خیل، اکو (جس کو آئی خیل کہتے ہیں)، نور الدین، مغد و خیل، پتھرے اور مانے ہیں۔ اکو بن اسماعیل کا بڑا بیٹا عجب خان تھا۔ اور عجب خان کا ایک بیٹا نوار خان تھا۔ جس کی اولاد نوار خیل سے مشہور ہیں۔ منایں اکو (جس کی اولاد منا خیل سے یاد ہوتے ہیں) کے چار بیٹوں کی اولاد بالترتیب ملک دین خیل، امو خیل، بکا خیل اور بابا خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔

یہ لوگ اسماعیلہ، دھوبیان، سٹہ چینی، بازار گے، دولت، میرالی اور چند گھرانے کوگا علاقہ چلہ میں آباد ہیں۔ اکو خیل میں ابراہیم خاں ولد ملکر خان بابی سکھوں کے خلاف جنگ میں مع ستر آدمیوں کے بمقام رگیلہ کٹاؤ شہید ہوا تھا۔ یہ مقام اسماعیلہ سے شمال کی جانب ہے اس کے بھائی اسماعیل خان نے سکھوں اور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ جس کے صلے میں انگریز نے اُسے خان رزڑ کا خطاب دیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد خادی خان کو رزڑ کا خان بنایا تھا۔ والیان جو ناگزیر و مانا

وادر بھی اس قبیلے کو خیل کے بانی کے اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔
خوارے بن دژڈ۔ اس کے تین بیٹے اوریا، میرک اور ولی ہیں
جن کی اولاد بالترتیب اوریا خیل، میرک خیل، اور ولی خیل سے یاد ہوتے
ہیں۔ افغان جبرگہ کے قانون کے مطابق کسی غرم کے تحت اُسے تپہ
رزد کی تقسیم میں حصہ داری سے محروم کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اکو کو اس سے
پیاد و محبت تھا۔ اس لئے اکو نے اُسے اپنے حصہ میں سے کچھ حصہ
دیا۔ اور وہ اُن کے ساتھ موضع اسماعیلہ وغیرہ میں رہائش پذیر ہوئے

(۸) خضر بن متدر

خصو ۱۔ (جس کی اولاد کو خضر زئی کہتے ہیں) کے چار بیٹے
شموزئی، یوسف خیل، عمر زئی اور گدائی خیل ہیں۔
شمون خضر (جس کی اولاد کو شموزئی کہتے ہیں) کے تین بیٹوں کے
اولاد بالترتیب یارہ خیل، بان خیل اور احمد خیل کے ناموں سے مشہور ہیں۔
یارہ بن شمو کے چار بیٹوں کی اولاد ابراہیم، چورہ خیل، غلام خیل، اڈو کی
کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔ بارہ بن شمو کی اولاد چورہ خیل، غلام خیل
سید خیل اور پائندہ خیل ہیں۔ احمد بن شمو (جس کی اولاد احمد خیل ہیں)
کے تین بیٹے اول عمر خان (جس کی اولاد کو عمر زئی کہتے ہیں) دوم سعدی
(جس کی اولاد کو سعدی خیل ہے) اور سوم نجابت جس کی اولاد کو نجابت خیل
کہتے ہیں۔

یوسف بن خضر (جس کی اولاد کو یوسف خیل کہتے ہیں) کے چار بیٹے ہیں۔
شیخ فاضل جس کی اولاد شیخان سے یاد ہوتی ہے۔ احمد جس کی اولاد
احمد خیل سے مشہور ہے۔ سیدی جس کی اولاد کو سیدی خیل کہتے ہیں۔
اور موچی جس کی اولاد کو موچی خیل کہتے ہیں جو اس وقت نہ ہونے کے برابر

ہیں۔

گدائی بن خضر جس کی اولاد کو گدائے خیل کہتے ہیں۔
عمر بن خضر (جس کی اولاد کو عمر زئی کہتے ہیں) کے چار بیٹوں
کی اولاد بازید خیل، منان خیل، ماما خیل اور لودا خیل کے ناموں سے یاد
ہوتے ہیں۔

بانید بن عمر کے بیٹے اخون بالول، شیخ حق اور شمشاد ہیں۔ اخون
بالول کے تین بیٹے ملا ایل، کھیل اور کلو ہیں۔ اور شمشاد کا ایک بیٹا ابراہیم
پھر سید احمد جس کے دو بیٹے تاج محمد اور زوتے ہیں۔ تاج محمد کی اولاد
تاج علی اور زوتے کے بیٹے ہیبت کے نام ہیبت خیل سے یاد ہوتے ہیں
شیخ حق بن بازید کے ذیلی تین شاخیں رسول خیل، وردگ اور عثمان
خیل ہیں۔

منان بن عمر (جس کی اولاد منان خیل سے مشہور ہے) کے تین
بیٹے احمد، عیسیٰ، اکو جس کی اولاد بالترتیب احمد خیل، عیسیٰ خیل اور
اکو خیل سے یاد ہوتے ہیں۔ احمد بن منان کے دو بیٹے رحیم داد اور آذر
خیل ہیں۔ اور عیسیٰ خیل میں بھی دو گھرانے رستم اور سیدالی کے نام سے
ہیں۔ واضح رہے کہ رحیم داد بن احمد کی اولاد احمد خیل سے مشہور ہیں۔

ماما بن عمر (جس کی اولاد ماما خیل سے یاد ہوتے ہیں) کی اولاد
سلیمان خیل، فاطمہ خیل، سروال خیل اور معروف خیل ہیں۔

لودا بن عمر (جس کی اولاد لودا خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے
تازہ خیل، میرا خیل اور عیسیٰ خیل ہیں۔

یہ سب لوگ مواضع کالو خان، شیرہ خورہ، مداخیلہ اور شیوہ
میں آباد ہیں۔ اور خلیل سنبی، تختہ بند، نصف امان کوٹ کے مالک
بھی ہیں۔ موضع خلیل میں ان کے ہاں قبیلہ کٹر آباد ہے۔ اس گاؤں

میں ان کو حصہ ملا تھا۔ حمزہؑ بھر بھی ان کی ملکیت تھی۔ جسے انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام میں سید حسین میاں کو دیا تھا۔ سید حسین میاں نے اورنگزیب منٹل کے خلاف سنگڑ کوٹ کے جنگوں میں کاروائی نمایاں انجام دینے تھے۔ نیز قبیلہ خلیجی افغان اور چند گھرانے اوان قوم کے بھی ان کے پاس شیوہ میں آباد ہیں اور ان کو تقسیم میں حصہ ملا تھا شیرہ غونڈ میں خضر زئی کے علاوہ ملک بڈو اور اجی بابا کی اولاد جو اخون زادگان کہلاتے ہیں، بھی آباد ہیں۔ یہ سلا افغان اور اتمان میں کنار زئی کی بارہ خیل سے ہیں۔ ملک بڈو شیرہ غونڈ میں اور اجی بابا ترکئی ہیں مدفون ہیں۔ بڈو جو بڈا بابا سے مشہور ہے اخون اور خان رزڑ تھا۔ دلاڑاک کے چند گھرانے کالو خان میں اور تختہ بند میں بھی چار افغان خاندان اُن کے پاس آباد ہیں۔ یعنی بونیر وال جو توری زئی ہیں کوگا والے جو مانی زئی رزڑ ہیں۔ اخون زادگان جو مکلا ایل خضر زئی کی اولاد ہے اور دلاڑاک، جس پر وہ قابض ہے۔

دافع ہو کہ خضر زئی کے علاوہ سید حسین میاں اور ان کے ساتھیوں کو قبیلہ مانی زئی نے موضع غلاماں، قبیلہ امان زئی نے موضع جلال و تاجہ، قبیلہ خدوخیل نے موضع نوگرام، قبیلہ کمال زئی نے موضع محب بانڈہ اور اکوخیل قبیلہ نے موضع نذر بانڈہ بطور صلہ خدمات انعام میں دیے تھے۔ خضر بن منڈر کی اولاد میں مشہور اشخاص رحیم داد ولد احمد بن منان شیخ فاضل، جس کی اولاد موضع شیوہ میں شیخان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ بشموزئی کے عمر خان بن احمد جس کی اولاد موضع شیوہ میں عمر زئی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ انہ اور مشکا رہنہوں نے سید احمد شاہ کے ساتھ تحریک میں شمولیت کی تھی۔ سب قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ خضر زئی موضع اگاری چمہ میں

بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور ان میں سے عمر زئی شاخ کے چند گھرانے چھپچھ میں بھی آباد ہیں۔

(۹) محمود بن مندر

محمود یا مامو بن مندر (جس کی اولاد ماموزئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اکا، بوبا اور بدین المعروف خانے، کے ناموں سے ان کی اولاد بالترتیب اکاخیل، بوباخیل اور خانی خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اکاخیل۔ اکا بن محمود کے تین بیٹے نیک خیل، مترک اور ولی خیل ہیں۔ اور اولاد مترک کے علاوہ باقی دونوں خیل موضع اسوٹا میں رہتے ہیں۔ موضع کانگو ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی مگر انہوں نے جہانگیر خان بٹرخیل ساکن زیدہ کو انعام میں دیا تھا جس پر اس کی اولاد آباد ہیں۔ روایت ہے کہ ولی خیل زیادہ تعداد میں دریائے سندھ پار کر گئے تھے۔ دافع کہ کہ نیک خیل کے ایک بیٹی شاخ کمال خیل ہے۔ مترک بن اکا کا ایک بیٹا کدو تھا جو ماموزئی قبیلے کا سربراہ تھا اور کدو کے نام کی نسبت سے موضع کدو زئی یا کتو زئی موسوم ہوا۔ ابتدائی دور میں اس مقام پر دو آب میں ماموزئی آباد تھے۔

بوباخیل۔ بوبا بن محمود کے چار بیٹے احمد خیل، علی شیر خیل، قرہ خیل اور نکوخیل ہیں۔ بوباخیل موضع شیخ جانہ و گاری ہیں آباد ہیں۔ احمد خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں دورخیل، سناخیل اور پاندخیل۔ علی شیر خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں سیف الدین خیل، شاہی خیل اور اسماعیل خیل۔

قرہ خیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں محمدی خیل، ساندی خیل، اور سلطان خیل ہیں۔

مکوخیل کی ذیلی شاخیں یہ ہیں، بہرام خیل اور یحییٰ خیل۔

ماموزئی بوباخل کے ایک نامور شخصیت اسوٹا باباچی

ان کا نام حمید اللہ اور والد کا نام شرف شاہ بن قطب شاہ بن مسعود شاہ ہے۔ ان کا شمار نامور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ تعلیم کے مدارج سے فارغ ہو کر انہوں نے ساری زندگی تبلیغ اور اصلاح میں گزاری اور مسندہ میں بمقام اسوٹا وفات پائی اور وہیں ان کی زیارت ہے، ان کی تقدس کی وجہ سے اسوٹا شریف کہا جاتا ہے۔ وہ نسلاً افغان اور قبیلہ ماموزئی کے ذیلی شاخ بوباخل میں ٹل علی شیر خیل سے متعلق ہے۔ جدی گاؤں بمطابق تقسیم شیخ علی موضع شیخ جانا تھا۔ ان کا جد امجد مسعود شاہ بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ جس کو موضع اسوٹا کے لوگوں نے مجبور کر کے اپنے پاس رہائش دیکھا تھا۔ اور ان کی گزیر اوقات کیلئے اراضیات وغیرہ بھی وقف کر دی تھی۔ ساکنان اسوٹا ان کے عزیز دار یعنی اکاخیل ماموزئی تھے جس کے سبب وہ وہاں منتقل ہو جانے اور مستقل سکونت پر راضی ہو چکے تھے۔

مسعود شاہ کے تین بیٹے تھے وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلے۔ ان کا بڑا بیٹا قطب شاہ تھا۔ جس کا پوتا حمید اللہ المعروف اسوٹا باباچی ہے۔ جن کی اولاد باچہ گان سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اور وہ عبدالغفور انوند سوات کے معتقد اور شیخ محمد شعیب تور ڈھیر کامریہ تھا۔

مسعود شاہ کا دوسرا بیٹا مہدی شاہ اور تیسرا محسن شاہ تھا۔ مہدی شاہ کا پہلوٹا بیٹا قاضی صفی اللہ تھا۔ جس نے تعلیم کے مدارج مختلف علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد موضع پر مولیٰ میں سکونت اختیار کی۔ بعد میں اس کا ایک بیٹا حافظ عبدالجلیل موضع اسوٹا میں

جا کر آباد ہوا اور اس کی اولاد حافظان قرآن سے مشہور ہے۔ اور قاضی صفی اللہ کا دوسرا بیٹا قاضی عبدالمجید موضع پر مولیٰ میں رہا ہے۔ جس کی اولاد قاضیان پر مولیٰ سے یاد کیے جاتے ہیں جن میں قاضی حبیب الحق صاحب جو کہ ایک مخلص قومی کارکن ہے۔ بقید حیات ہے۔ محسن شاہ بن مسعود شاہ کے دو بیٹے محمد شعیب اور نور اللہ تھے جو موضع اسوٹا میں آباد تھے۔ ان میں بڑے بڑے علماء اور قاضیان جو اس وقت بھی یہ پورا خاندان علمی گھرانہ ہے۔

خانی خیل :- بدین المعروف خانے بن مسعود یا مامو (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہیں۔

زوجہ اول سے جان محمد، زوجہ دوم سے لوتے سید، زوجہ سوم سے نور اور زوجہ چہارم سے دو بیٹے سید وڑو کے اور خواجہ دیس ہیں۔

جان محمد بن بدین المعروف خانے (جس کی اولاد جان محمد خیل سے مشہور تھی) کے تین بیٹے ہیں۔ زوجہ اول سے سرگن اور زوجہ دوم سے خمدی اور شمشو (جن کی اولاد بالترتیب خمدی خیل اور شمشو خیل کے نام سے یاد ہوتے ہیں اور شمشو خیل کی ایک ذیلی شاخ شانو خیل بھی ہے جو نارنجی میں آباد ہے۔

سرگن بن جان محمد کے چار بیٹے ہیں جو کہ زوجہ اول سے تین بیٹے بابا علی (جس کی اولاد بابا علی خیل سے مشہور ہیں)، حیدر (جس کی اولاد اس کے بیٹے سید خان کے نام سے سید خانی سے یاد ہوتے ہیں) اور سارخان ہیں۔ اور زوجہ دوم سے کرتیم ہے۔

کرم بن سرگن کے تین بیٹے مست، موزہ خان اور حسن علی ہیں مست کے بیٹے کاچو کے نام سے اس کی اولاد کو کاچو خیل کہتے ہیں۔

اور حسن علی کے بیٹے بہادر کے نام سے اس کی اولاد کو بہادر خیل کہتے ہیں۔ اور اولاد موزہ خان بن کرم نارنجی میں بروہ خونہ کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔

نودہ بن خاٹے (جس کی اولاد نودہ خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹوں کی اولاد بالترتیب ہیبت خیل، ہمزہ خیل اور بلی خیل کے ناموں سے یاد ہوتے ہیں۔

سید خان اور سار خان کی اولاد کاغذات مال میں کندی بابا علی خیل کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سار خان کی اولاد نونکہ کور سے نارنجی اور موضع اگاری میں مشہور ہے۔ کرم کی اولاد پہلے وقتوں میں کرم کور سے یاد کیے جاتے تھے۔ مگر اب اس کی اولاد اس کے پوتوں (یعنی کاپو اور بہا ور) کے ناموں سے کاپو خیل اور بہادر خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خانی خیل نوان کلی اور نارنجی میں آباد ہیں اور ماموڑی مشترکہ طور پر چند خاندان موضع اگاری چلد میں بھی مارکانہ حیثیت سے رہتے ہیں۔ ماموڑی کے تینوں ذیلی شاخوں سے چند گھرانے موضع شینکٹی علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہوئے تھے۔ موضع منصب دار خانی خیل کی ملکیت تھی جسے انہوں نے اولاد میاں اللہ داد کو بطور صلہ خدمات، انعام میں دیا تھا۔ جو اورنگزیب مغل کے خلاف جنگ لنگر کوٹ میں بونیر سے آکر شامل ہوئے تھے نصف موضع امان کوٹ ماموڑی کی مشترکہ ملکیت تھی۔ اسی طرح وہ بھی سید حسین میاں کو انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام دیا تھا ماموڑی میں مشہور ونا موراشی خاص، ملک کدو اکا خیل، بابا علی اور ملک کاپو خانی خیل، ظریف اکا خیل، موزہ خان بوباخل اور رحیم خان

خانی خیل گزرے ہیں۔ رحیم خان کے متعلق کتاب حیات افغانی میں صفحہ ۱۶۴ پر درج ہے کہ:-

”رحیم خان راست گرو آدمی ہے“

اور اسی طرح خوانین طور و نے اس کو دانشمند رزڑ سے یاد کیا کرتے۔ یہ تمنا شجرہ نسب خانی خیل ماموڑی مندر یوسف زئی کا ذکر۔ راقم الحروف روشن خان کا نسب تعلق بھی اسی قبیلہ ماموڑی سے ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اس مقام پر میں اپنا شجرہ نسب بھی درج کر دوں جو ذیل میں ہے:-

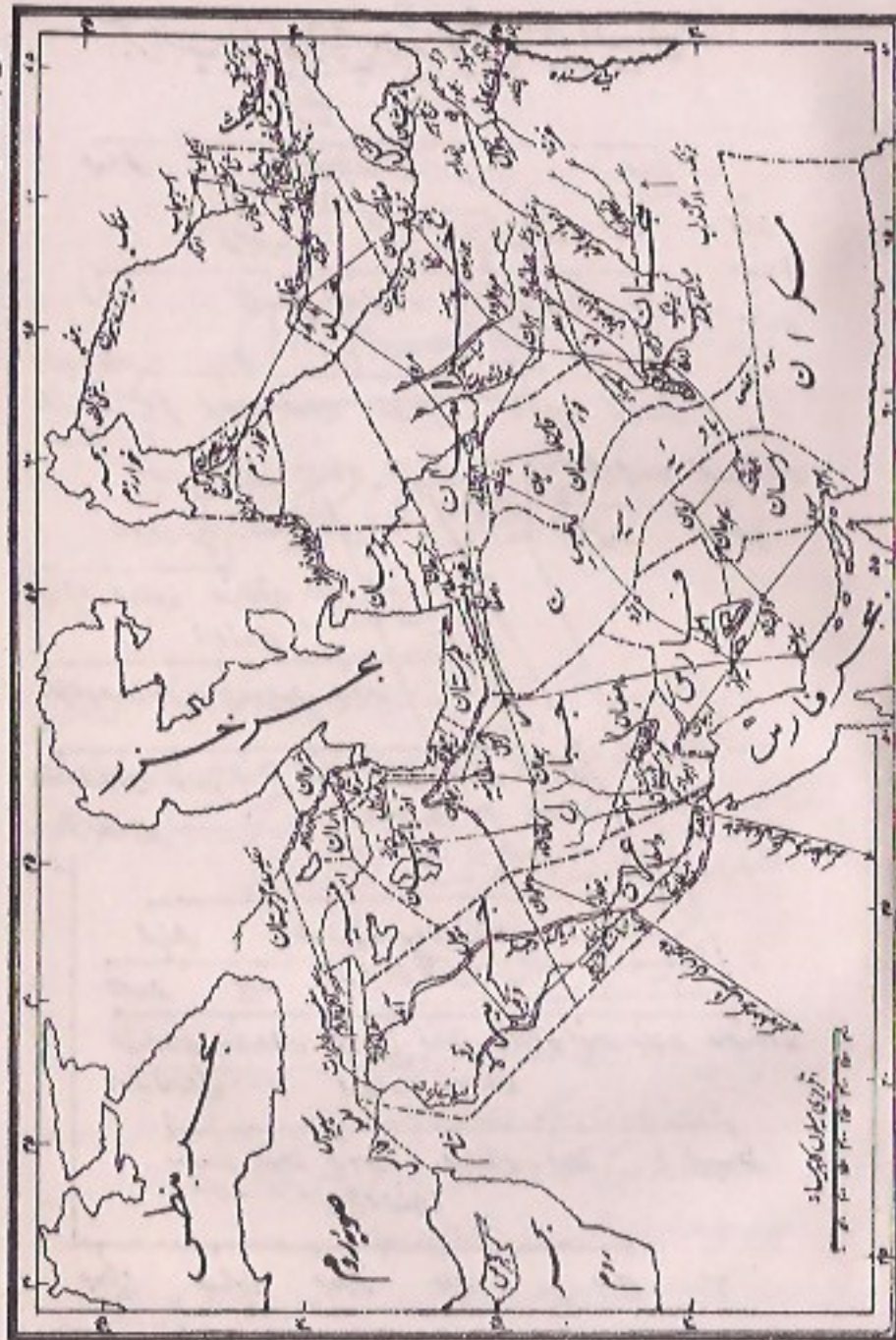
”دوشتن خان بن محمد خان خان بن غلام محمد خان بن نواب خان بن منصور بن اعظم بابا بن محمد نور بن بلال بن جلال بن ابدال بن کمال بن بابا علی بن سرگن بن جان محمد بن بدین معروف خانے (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) بن محمود معروف ماموڑی کی اولاد ماموڑی سے یاد ہوتے ہیں) بن مندر یوسف زئی بن عسکر بن مندے نخے یا خٹے بن کنڈ بن خمر شہون بن سترہ بن جس کا اعزازی باپ قیس عبدالرشید بن عیص ہے۔ جو حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی نسل سے تھا۔“

مخفی نہ ہے کہ راقم الحروف یعنی مولف کی تاریخ پیدائش ۱۳۱۲ء ہجری ہے

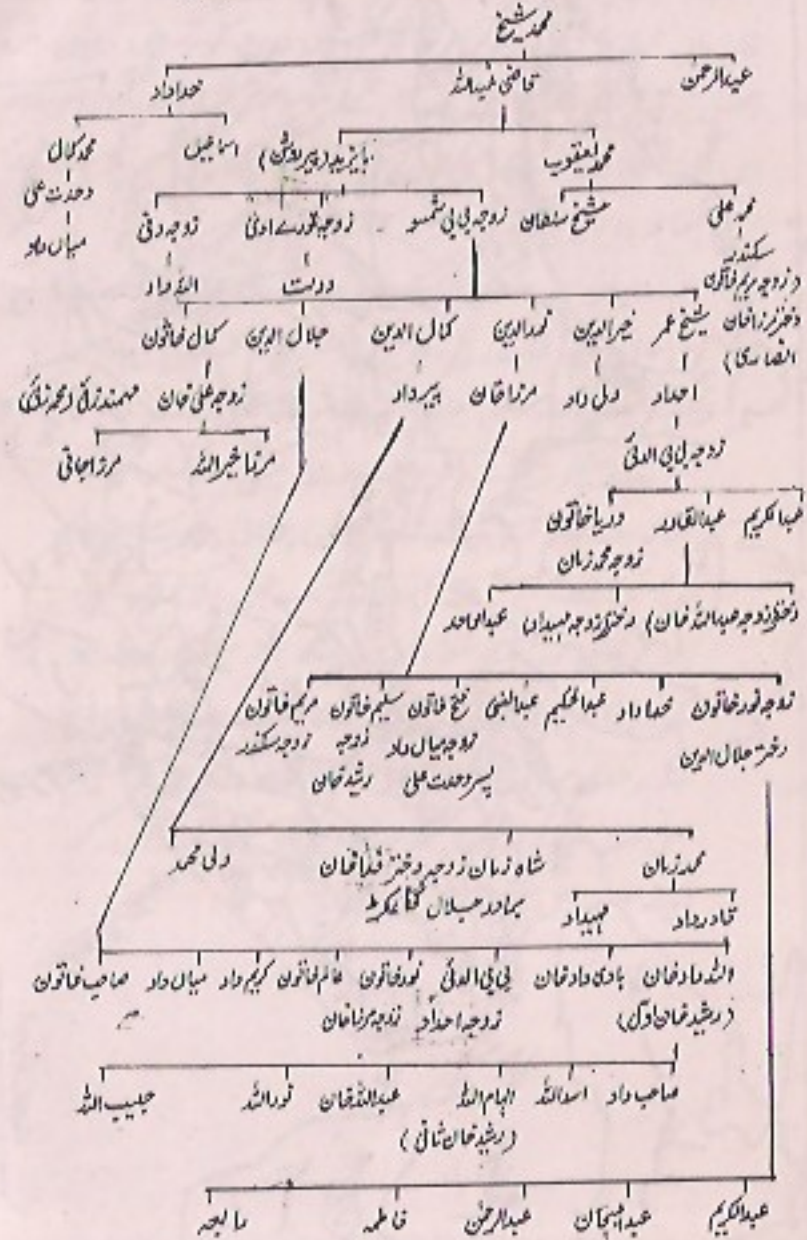
تپہ گرد

جیسا کہ ہم نے یوسف اور مندر کے سلسلہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ افغان قوم میں یہ ایک رسم تھی کہ چھوٹے بھائی یا بھتیجے کی اولاد بڑے بھائی یا چچا کے نام سے یاد ہوتی رہی۔ بعینہ اس رسم کے مطابق رزڑ میں ماموڑی اور خضر زئی کی اولاد بھی بڑے بھائی رزڑ

” درمیان ہم مالکان تپہ کے ذیل تپہ جات مندرجہ ماتحت بر، مانی زئی، ملک زئی، اکوخیل، خضر زئی، محمود زئی، قطعہ قند تقسیم ہوجا رہی ہو رہی ہے۔ درجہ رسمی ہونے کی یہ ہے کہ رزٹ، خضر، محمود، ہر سہ برادران یعنی مورثیان تھے۔ تپہ کو سلسلہ وراثت کی رو سے تینوں بھائی برابر کے حصہ دار اور مستحق تھے۔ لیکن رزٹ کی وفات تک عمل بالا جمار ہاتھا۔ بعد فوتیگی رزٹ کے خضر و محمود نے ہمراہ مستیان مانے، ملک (قاسم) اور اکو پیران رزٹ کے حسب رضا مندی پانچ جگہ پر حصہ مساوی تقسیم کر لی۔ نواز سے ولد رزٹ کو تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا۔ اکو نے اپنی خوشی سے اس کو اپنے حصہ میں شریک کر لیا تھا۔“



شجرہ نسب بایزید انصاری پیر روشن ماخوذ از خیر البیان ص ۳۸



یوسف زئی قوم کی سرگزشت

قُتِبَتْ بِهَا يَا وَلِيَّ الْأَنْصَارِ *

باب (۱۲)

تحریک احیاء قومی کا ایک اہم باب

تحریک روشنائی

یوسف زئی قوم کی سرگزشت کا ایک اہم باب احیاء قومی کی وہ تحریک ہے جو تاریخ میں تحریک روشنائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس سرگزشت کی تکمیل و جامعیت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اس تحریک کے پس منظر، آغاز، ارتقاء اور اس کے نتائج پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

تحریک روشنائی کے قائد

بایزید انصاری المعروف پیر روشن یا پیر دوخان

بایزید انصاری کے والد کا نام عبداللہ قاضی، نسل پختون اور قبیلے کے لحاظ سے اڈھر یاہر کی تھا جو سترہ بنی افغانوں میں شامل ہے۔ مکمل شجرہ نسب بقول عبدالاکبر خان محمد زئی اشتر یوں ہے:-

"بایزید انصاری بن عبداللہ قاضی بن باذید اول (بابا شہباز) بن شیخ محمود یا محمد شیخ بن شیخ سراج الدین بن ابراہیم دانشمند بایزید کے (دو جہ)

لیبی شمسو کے بطن سے) پانچ بیٹے تھے۔ شیخ عمر، نور الدین، خیر الدین، کمال الدین اور جلال الدین۔ باپ کے مرنے کے بعد شیخ عمر اس کا جانشین ہوا۔

قبیلہ ارمڑیا برکی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس وقت ان کے آباء و اجداد بخت نصر کے ہاتھوں شام سے جلا وطن ہوئے تو آرمینیا میں آباد ہو گئے اور شہر کا نام برکی رکھا۔ یہ لوگ شمالی شام جو اس وقت ترکوں کے قبضہ میں ہے، کے برکی نامی شہر سے آئے تھے۔ اور برکی یا برق ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا جو ایک اسرائیلی پیغمبر گزرے ہیں۔ "شک" میں آرمینیا میں جب جلا وطن اسرائیلی عیسائیوں نے سہاک اور واپان کی سرکردگی میں ایرانی مجوسی زرتشتی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی، اور آرمینیا کے دار السلطنت "آرتاکستا" پر قبضہ کر لیا تو ان عیسائی افغانوں نے وہاں کے آتش کدوں کی آگ بجھائی جس میں پہلی برکی قبیلہ نے کی۔ اس وقت سے وہ ارمڑ یعنی آگ بجھانے والے مشہور ہوئے اور وہ شہر ارمیہ کے نام سے مشہور ہوا اس کے مشرق جانب ایک جھیل ہے جسے جھیل ارمیہ کہتے ہیں، یہ بھی ان کے نام سے مشہور ہوا۔ کافی عرصہ بعد یہ لوگ وہاں سے بھی اپنے عزیز و سمیت ملک بدر کئے گئے اور وہ برکی دریائے سیحون کے بالائی حصہ کے کنارے آباد ہو گئے۔ اس جگہ کا نام برکی مشہور ہوا اس وقت یہ شہر روس کے قبضہ میں ہے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ ایران اور موجود افغانستان کے درمیان دشت لوط کے مشرقی پہاڑوں پر آباد نظر آئے اور پھر شیخ حمید کے زمانہ میں غزنی کے ارد گرد آباد ہو گئے۔ اس وقت بھی ان کے کچھ لوگ وہاں آباد ہیں۔ شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ میں یہ لوگ کانینگرام آئے اور اب تک وہاں آباد ہیں۔

قبیلہ ارمڑیا برکی کے ذیلی شاخوں میں ایک شاخ انصار کی ہے۔ آرمینیا کا پہلا بادشاہ سہاک وہ ہے جس کی نسل سے غوری خاندان چلا آتا ہے جس طرح پڑ خزانہ مطبوعہ کابل نے غوریوں کے جد اعلیٰ کا نام سہاک دکھایا ہے۔ اس کا ذکر ہم اپنی کتاب حواری بر تواریخ حافظ رحمت غانی میں کر چکے ہیں۔

بایزید انصاری کی پیدائش جالندھر میں ۱۳۱۵ء میں ہوئی۔ اس کی والدہ کا نام آمنہ بنت حاجی ابوبکر قوم سے افغان تھیں۔ والد قاضی عبداللہ جالندھر میں ابراہیم لودی کے قاضی تھے۔ جب ابراہیم لودی نے بابر سے شکست کھائی تو افغان سراسیمہ ہوئے۔ کچھ بہار کی جانب بھاگ نکلے اور کچھ اپنے آبائی وطن واپس آئے ان میں قاضی عبداللہ بھی اپنے آبائی وطن چلے آئے۔

بایزید جو بعد میں پیر روشن اور مخالفین کے زبانی پیر تاریک سے مشہور ہوئے۔ اسی قبیلہ ارمڑ کے ذیلی شاخ انصار سے متعلق تھے۔ جو اسی قبیلہ انصار کی نسبت سے وہ بایزید انصاری سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد شفیع جن کے کتب خانہ میں حالنامہ اور مقصود المؤمنین بیان کی جاتی ہیں، بایزید کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

”اپنے خاندان کے نامساعد حالات کے باوجود جب کبھی اس موقع ملتا وہ تعلیم کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ لیکن وہی علوم حاصل کرتا جن کا تعلق عبادۃ اللہ سے ہوتا۔ اس کی تمام تر توجہ دینی اعمال اور مذہبی فرائض کی تفصیلات معلوم کرنے پر مرکوز رہی اور اس نے بڑی پابندی سے سرانجام تک پہنچایا۔“ (بحوالہ یوسفی)

سید علی المعروف بہ پیر بابا صاحب بونیر

پیر بابا کا نام سید علی اور والد کا نام قمر علی۔ قوم کے ترمذی سید اور انھوں درویشہ کے پیر تھے۔ وہ ایک مشہور پیشوا گزرے ہیں۔ آج تک کئی لوگ ان کی زیارت پر فاتحہ پڑھنے کیلئے جاتے ہیں۔ اُن کا شجرہ نسب بقول انھوں درویشہ یوں ہے:۔ قمر علی بن سید احمد یوسف بن احمد بن بخش بن سید نعیم بن احمد مناف بن احمد مشتاق بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن اسحاق بن عثمان بن جعفر بن محمد بن حامد بن شاہ ناصر بن سید جلال گنج علم بن سید امیر بن عبدالرحیم بن سید محمود مکی بن محمد مہدی بن حسن عسکری بن علی نقی بن امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن علی بن امام علی اصغر بن امام حسین بن بی بی فاطمہ زہرا منور حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

انھوں درویشہ اپنی تصنیف تذکرۃ الابرار والاشرار میں لکھتے ہیں کہ:۔
”پیر بابا مغلیہ گھرانے کا بھانجا تھا۔ ان کے والد قمر علی کا متعلق سلاطین مغلیہ سے تھا۔ اُس نے دنیاوی منصب اختیار کیا حتیٰ کہ وہ امیر نظر بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔“
زیارت پیر بابا کے امام مسعود بن عبد الغفور اپنی تصنیف ”نویۃ طیبہ پیر بابا“ میں لکھتے ہیں کہ:۔

”ہم نے اپنی لڑکی سید قمر علی کو جو اُس کے فوجی میسر تھے، دی تھی جس کے بطن سے پیر بابا پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ ہمارے نواسے اور ہماریون کے بھانجے ہوئے۔ پیر بابا کی پیدائش ۹۰۸ھ بمقام ترمذ اور وفات

۵۹۱ھ ہے۔ مزار شریف علاقہ بونیر کے موضع پاچا کے شمال میں ہے۔ انہوں نے بونیر کے یوسف زئی گھرانے میں شادی کی۔ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام سید حبیب اور دوسرے کا نام مصطفیٰ تھا۔ سید حبیب پیر بابا کے ساتھ مغرب کی طرف دفن ہیں۔ ان کی کوئی اولاد نہیں سید مصطفیٰ کو نثر میں دفن ہیں۔ ان کے تین لڑکے سید حسن قاسم اور عبداللہ تھے۔ ان سے پیر بابا کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا۔ پیر بابا کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب ہمایوں کو شکست ہوئی تو پیر بابا پنجاب ہوتے ہوئے علاقہ پشاور آ گئے۔ یہاں تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ ہر علاقے میں جا کر لوگوں کو جمع کیا اور مسجدوں میں تدیس کا کام عالموں کے سپرد کیا۔ یہاں پیر بابا کی معیت میں بہت اچھے عالم دین شامل ہو گئے۔ ان میں ایک انھوں درویشہ صاحب بھی تھے جو پیر بابا کے راز دار بن گئے۔ کچھ عرصہ بعد یعنی اکبر بادشاہ کے زمانے میں پیر بابا بونیر میں تشریف لائے یہاں کے لوگ بہت بڑی جہالت میں مبتلا تھے اور ایک بہت بڑا منافق جو پیر روشن کے نام سے مشہور تھا، اسلام کے نام پر بے اسلامی پھیلا رہا تھا، اور بڑی گمراہی میں لوگوں کو ڈال دیا تھا۔ پیر بابا نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ یہ روشنی نہیں پھیلتا بلکہ تاریکی پھیلتا ہے چنانچہ ابھی تک پیر روشن کو پیر تاریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پیر بابا نے پیر تاریک کے ساتھ بہت مقابلے کئے کیونکہ پیر تاریک کا لوگوں پر بہت اثر ہو گیا تھا۔ اور اس اثر

کو بغیر سخت مقابلے کے نہیں دور کیا جاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ پیر بابا کو پیر تاریک کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرنی پڑی جس میں پیر تاریک کو شکست ہوئی تب جاکر وہ اثر زائل ہوا۔

اخون درویش کا نسب و احوال (ماخوذ از مخزن قندکروہ)

اخون درویش ملا زنگی پاپنی کا شاگرد، پیر بابا کا خلیفہ اور نسل ترک تھا۔ پیدائش ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۲۷ء اور وفات ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۴ء ہے۔ پشاور میں ۱۰۸ سال کی عمر میں وفات پا کر شہر کے قریب ہزار خوانی کے قبرستان میں دفن ہوا۔ اُن کا مکمل شجرہ نسب یہ ہے
 اخون درویش بن گدائی بن سعدی بن درغان بن احمد بن متی بن جیون بن جنتی۔

درغان ننگر پار میں پاپنی کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ جہاں اُن کا بیٹا سعدی جوان ہوا اور ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۷ء-۱۷۷۴ء میں جب یوسف زئی مرزا اے بیگ سے خف ہو کر ننگر پار آئے تو وہ اُن کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور اُن کے ہمراہ خیبر کے راستے پشاور آیا سعدی کی معیت میں پاپنی کے کئی اور لوگ بھی اس سفر میں شامل ہو کر آئے تھے جو یوسف زئیوں کے ہر تکلیف و راحت میں ان کے ساتھ رہے۔ جب سوات بوہر وغیرہ فوج ہوئے اور شیخ علی نے اراضیات کو تقسیم کی تو سعدی کو بھی اُن کی خدمات کے سلسلے میں بطور انعام تیس (۳۰) آدمیوں کا حصہ ملا اور یہ حصہ ان کو قبیلہ علی زئی کے ذیلی شاخ منڈی زئی کے ساتھ دیا گیا۔

پاپنی غیر افغان اور سعدی کے تعلق دار تھے۔ اور موضع پاپن علاقہ

ننگر پار میں سکونت کی نسبت سے پاپنی مشہور ہوئے۔ قوم پاپنی میں اخون درویش کے معادل مشہور اشخاص یہ ہیں: حاجی محمد مسروق بہ ملا زنگی، ملا سبخر، ملا مصراحد۔ یہ صاحبان اخون درویش کے اساتذہ بھی تھے۔ سعدی نے اپنے بیٹے گدائی کی شادی پاپنی خاندان میں کرائی تھی جو اخون درویش کی والدہ تھی۔ جس کا نام مسماۃ قراری قوم پاپنی اور شجرہ نسب یوں ہے۔ مسماۃ قراری بنت نازو بن کلان بن پائی بن بابو بن سلطان قمرزان بن سلطان خواجہ بن سلطان توہنا بن سلطان بہرام بن سلطان کھجاسن (یا کھی سن) بن سلطان ہندو بن سلطان بوس بن سلطان جمار سلطان جمار سلطان شمس کی اولاد ہیں سے ہے اور سلطان شمس سلطان سکندر یونانی کا بیٹا تھا۔

اخون درویش اپنی تصنیف تذکرہ میں اپنی ماہیت اور نسب کے بارے میں خود لکھتا ہے کہ:-

”جیون بن جنتی افغان سے ننگر پار کے درہ مہمند میں آیا۔ اور وہاں اہل و عیال کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ اور اس کا سلسلہ نسب قوم ترک سے ملتا ہے۔ اور اس کی قرابت مادری سلاطین بلخ سے تھا۔ اس وجہ سے سلاطین بلخ نے اس کی حمایت کی۔ اور مردم مہمند کو حقیر و ذلیل بنایا اور ان کی ریاست و مملکت اُس کو تفویض کیا۔ جیسا کہ مہمند غضب اور تعصب سے مشہور ہیں۔ وہ لوگ اپنے قبیلے سے الگ ہو کر دوسرے مقامات میں منتشر ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ پھر اپنے ہم قوم مہمند میں واپس آکر شامل ہوئے۔ اس تذلیل کا قصہ ہے کہ جیون سفید ریش کشیف النجیہ و کثیر المال اور سخی تھا جب اس نے مردم مہمند میں سکونت اختیار کی

تو چند دنوں بعد ایک جشن عظیم منعقد کر کے عام دعوت کی۔ ان اذی بدبختوں کو چاہیے تھا کہ احسان و الطاف سے پیش آئے۔ لیکن اُس کے برعکس وہ ایذا رسانی، ظلم اور عناد سے پیش آئے اور کھانا کھانے کے بعد سالن آلودہ ہاتھوں سے اُن میں سے ایک شخص نے اُن کی داڑھی کو ہاتھ لبا کیا اور اُس کی سفید لمبی داڑھی پر اپنا ہاتھ صاف کیا۔ حیون نے اس حرکت سے خفا ہو کر سلاطین، بلخ کے ہاں جا کر زیاد کی تو انہوں نے مہمندوں کو واجباً سزا دے کر اس علاقے کو اپنی حکومت میں ملا لیا۔ اور قوم مہمند کی وہ ریاست آج تک حیون کی اولاد کے تصرف میں ہے اور حیون کے ست بیٹے تھے۔ اُن میں سے ایک کا نام درغان بن احمد بن متہ تھا اور یہی درغان بعد میں قوم مہمند سے نکل کر مردم پاپنی کے پاس موضع پاپن میں متوطن ہوا۔ اُس وقت سے آج تک ہمیں اور پاپنی کے آپس میں اچھے تعلقات ہیں۔ درغان سے ایک بیٹا سعدی نام تھا جس کے وقت میں اُولس یوسفزئی ننگر پار میں آئے اور ننگر پار سے ہوتے ہوئے اس موجودہ علاقہ میں آ رہے تھے تو سعدی مع اہل و عیال اُن کے ہمراہ ہو کر آئے۔

اخون درویزہ نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں دو کتابیں "مخزن الاسلام" اور "تذکرۃ الابرار والاشہار" زیادہ مشہور ہیں جو بایزید انصاری کی لکھی ہوئی کتابوں کے جواب اور رد ہیں۔ ان کتابوں میں شرعی مسائل کے علاوہ تاریخی واقعات بھی ہیں۔ چنانچہ اخون درویزہ مخزن اسلام نامی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

"اما بعد سبب تالیف این کتاب :- معلوم رہے کہ ہمارے زمانہ میں یوسف زئی افغانوں میں ایک زندقہ پیدا ہوا تھا۔ کہ وہ کبھی اپنے آپ کو خدا کہتا اور کبھی پیغمبرؐ وہ منکر بعثت تھا اور اُس نے اس وقت زیادہ شہرت پائی۔ اس کا نام بایزید تھا اور لقب پیر روشن تھا۔ اور میں نے اس کے لقب کو پیر تاریک کیا۔ وہ ملعون افغانی (یعنی پختو) زبان میں شعر بوٹا اور ظاہری طور پر شرع و علم و علماء کرتا۔ یعنی اشعار افغانوں کو سُنانا اور سکھانا۔ اس وجہ سے میں نے اُس کے خلاف افغانی (یعنی پختو) زبان میں اشعار شروع کیے حتیٰ کہ میں نے شاعری میں اُس کے آگے قدم رکھا اور اکثر لوگوں کو اس کے مطابعت سے پٹایا۔ یقین کریں اگر میں اس دوران نہ ہوتا تو یوسف زئی افغانوں میں کوئی مسلمان نہ رہتا اس خبیث ملعون کا ذکر کتاب کے آخر میں کر دوں گا۔"

تذکرۃ الابرار والاشہار میں اخون درویزہ بایزید کے متعلق لکھتا ہے کہ:-
 "این ملعون کتابے را تصنیف کردہ بعضے کلمات اورا بر زبان عربی بلا ادراک ترکیب و ترتیب جمع آورد و بعضے را بر زبان فارسی و بعضے را بر زبان افغانی و بعضے را بر زبان ہندی اما ہر کدام ازیں کلمات ناموزوں و ناموافق افتادہ بحمدے کہ طبائع اہل علم ازاں متغیرے گردید۔ و اُن را خیر البیان نام بردہ۔ و چون جملہ از کفر و الحاد و مشحون از افتراء و فساد بودہ فقیر آں را شر البیان نامیدہ و اگر خیر البیان نامند ہم مناسب است و دعویٰ نمودہ کہ این موافق مدعاے من از

جانب اللہ تعالیٰ نزول یافتہ نعوذ باللہ من کفر ہم۔ و اتباع
ادایں عقیدہ را دل مستحکم گردانیدہ و جہلانے ایام ہنوز در کفر
این مردم شک سے دارند۔ معلوم است کہ بواسطہ شک در
کفر ایشان جہلانہ کافر گردند از عقل ناقص خود چیزے گفتہ
تاکہ تمام خود تصنیف نہ کردہ بل بعضے از ملا ارذانی شاعر
معدے تالیف نمودہ بعضے را این ملعون جمع آوردہ قصہ
ارذانی آنکہ ایشان سہ برادران بودند از افغانان نوشکی۔ یکے
ارذانی نام دوم ملا عسر سوم ملا علی :

اس کا مفہوم یہ ہے کہ :-

”پیر تاریک ملعون نے ایک کتاب تصنیف کی جس کے بعض جملے
عربی زبان میں ہیں لیکن وہ بھی لاعلمی کے سبب سے ترکیب
اور ترتیب میں نہیں۔ اور بعض فارسی زبان میں اور بعض پشتو
زبان میں اور بعض ہندی زبان میں۔ لیکن ہر طرح سے تحریر
کے یہ جملے اتنے ناموزوں اور ناموافق ہیں کہ اہل علم اس
سے نفرت کرتے لگے اور پیر تاریک نے اس کتاب کا نام خیر البیان
رکھا تھا۔ چونکہ یہ پوری کتاب الحاد و کفر اور افتراء و فساد سے
بھری ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے اس کا نام شر البیان رکھا
اور اگر اس کتاب کو خیر البیان نام دیا جائے تو بھی زیادہ مناسب
ہو گا۔ اور پیر تاریک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ کتاب میرے مدعا
کے موافق اللہ تعالیٰ کے طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے۔
نعوذ باللہ من کفر ہم۔ اور اس کے مریدوں اور چاہنے والوں
کے عقیدے اس کتاب پر خلوص دل سے مستحکم ہیں اور جہلانے
زمانہ بھی ان لوگوں کے کفر میں شک و شبہ کرتے ہیں حالانکہ

ان کے کفر میں شک و شبہ کرنے سے وہ جاہل لوگ بھی
کافر ہو گئے پیر تاریک نے اپنی ناقص عقل سے یہ کتاب
بنائی پھر بھی اس نے پورے کتاب نہیں لکھی بلکہ بعض حصے اس
کتاب کے ملا ارذانی شاعر معدے نے تالیف کیے، ارذانی کی
تعارف یہ ہے کہ یہ تین بھائی تھے۔ اور افغانوں کے قبیلہ
نوشکی سے تھے، ایک کا نام ارذانی دوسرے کا ملا عمر اور
تیسرے کا ملا علی تھا :

واضح رہے کہ بعض مؤرخین بانیہ انصاری اور اس کے مخالفین اخون
درویزہ اور پیر بابا کے اختلافات کو سیاسی سمجھتے ہیں نہ کہ مذہبی۔ مثال
کے طور پر چند ایک کے نیچے اس بارے میں پیش کیے جاتے ہیں۔
ابراہیم عطائی مصنف ”ذخیرۂ نستان مسئلہ“ مطبوعہ کابل
ص ۱۷ پر لکھتا ہے کہ :-

”سید علی (پیر بابا) اور اخون درویزہ اور کچھ مزید باریسوخ
روحانی لوگ یہاں (علاقہ یوسف زئی میں) موجود تھے۔
جن کے پاس اپنی انفرادی قوت کے علاوہ مغلیہ دربار کے
طاقت اور امداد بھی موجود تھی۔ حالات ایسے تھے کہ پیرروخان
(پیر روشن) مغلوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہا اور چاہتا تھا
کہ ان کا اقتدار افغانوں کے سردوں سے ختم کر دے۔ لہذا
پیرروخان مجبور تھا کہ افغانوں کو روحانی طاقت سے جمع
کر کے اپنے سیاسی مسئلہ کو مذہبی رنگ دے تاکہ وہ اسے
جلدی اور باآسانی قبول کر سکیں“

یہی مصنف آگے چل کر ص ۱۷ پر یوں لکھتا ہے کہ :-

”مغلوں کی طرف سے سید علی ترمذی (پیر بابا) اور اخون

درویزہ افغانوں کے درمیان ایسے لوگ تھے جن کی مغلوں کے ساتھ قیدی دوستی اور نسلی تعلق بھی رہا تھا اور وہ ان کی حکومت کے طرفدار بھی تھے۔ چنانچہ طبعی طور پر ان کو پیرروشن (پیرروشن) کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ افغان پیرروشن کی طرف اور کچھ اخون درویزہ کے طرف ہو گئے اور داخلی جنگ شروع کی۔ ان جنگوں میں ہزاروں افغان آپس میں مارے گئے۔ اور مغلیہ حکمرانوں کا جو مقصد تھا وہ انہیں بخوبی حاصل ہو گیا۔

پروفیسر شضی ایم۔ اے اسٹنٹ ڈائریکٹر شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ یونیورسٹی آف کراچی لکھتے ہیں کہ:-

”پٹھانوں میں پیرروشن یا پیرتاریک کا نام بہت مشہور ہے لیکن اس کے حالات سے واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے یہ تحریک بایزید انصاری نے اس وقت شروع کی تھی کہ جس وقت ہندوستان میں منٹل حکومت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ قطع نظر بایزید کے مذہبی عقائد کے اُس نے پٹھانوں کے مختلف قبائل کو بڑی حد تک ایک منظم قوم کی شکل دینے کی کوشش کی تھی اور اس میں اُسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ وہ عوام میں پیرروشن پکارا گیا اور اس کی تحریک نے تاریخ کے اوراق پر تحریک روشنائی کے نام سے جگہ حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو شاید ہندوستان میں منٹل اقتدار قائم نہ ہو سکتا۔ مذہب کے نام سے جو تحریک شروع ہوئی تھی مذہب کے نام سے ہی اُس کی مخالفت ہوئی اور اس شدت سے ہوئی کہ تحریک کو

علاقہ یوسف زئی میں کلیثا دفن کر دیا گیا۔ اس تحریک کا کوئی حسن بیان کرنے کو نہ رہا اور مخالفین نے عیوب کا وہ انبار لگا دیا کہ پیرروشن پیرتاریک پکارا جانے لگا۔ یکطرفہ دگر دی گئی کہ بایزید ملحد اور کیا کچھ نہ تھا۔ آج اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک روشنائی اور مخالفت روشنائی دونوں سیاہی تحریریں تھیں۔ دونوں کو مذہبی رنگ دیا گیا اور ایسا رنگ دینے بغیر کوئی تحریک اس علاقہ میں نہ کامیاب ہو سکتی تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ روشنائیوں کا مقصد اپنی آزادی قائم رکھنا تھا لیکن مرزا حکیم (شاہ کابل) اور اکبر اعظم کی تنگ و دو اپنی سلطنت کو وسعت دینا تھی اور اس آزاد قوم کے گلے میں اپنا طوق غلامی ڈالنا تھا اور اسی ذخیر غلامی کی کڑی کو مضبوط کرنے کیلئے اخون درویزہ اور اس کے رفقاء سرگرم عمل تھے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:-
”اخوان درویزہ کے بیان کو بہت ہی احتیاط سے پرکھنا چاہیے کیونکہ وہ بایزید کی تعلیمات کا عقیدت مند مخالف تھا۔“

خیرالبیان تصنیف بایزید انصاری۔

حافظ محمد عبدالقدوس قاسمی خیرالبیان مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور کے مقدمہ میں ص ۱۷ پر زیر عنوان خیرالبیان لکھتے ہیں کہ:-
”بایزید کی تصانیف میں زیادہ مشہور اور لائق اہتمام کتاب خیرالبیان ہے۔ یہ اس لئے کہ ہماری موجود معلومات کے سلسلہ میں بایزید نے اپنی تحریر کی ابتدا اسی کتاب سے کی تھی اور اس کی مخالفت کیوجہ ہی اس کتاب کی تالیف تھی.....“

اس کا بڑا مخالف خون در دیزہ صاحب تھا۔ وہ بایزید کی کسی دوسری تصنیف کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ خیر البیان کا ذکر شدہ مد کے ساتھ کرتا ہے اور اس تصنیف کی وجہ سے ہی اسے یزنام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اخوند در دیزہ صاحب کہتے ہیں کہ:-

”اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے کچھ کلمات عربی زبان میں جمع کئے ہیں۔ بلکہ اس کی ترکیب و ترتیب پر وہ نہیں سمجھتا۔ کچھ فارسی میں کچھ پشتو میں اور کچھ ہندی میں جمع کئے ہیں۔ ان تمام کلمات کی کچھ تنگ نہیں ہے اور آپس میں اس قدر متضاد ہیں کہ علماء اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اُس نے اس کتاب کا نام خیر البیان رکھا ہے۔ چونکہ کفر بے بنی خود ساختہ جھوٹ اور فساد سے پھرا ہوا ہے اس لئے میں نے اس کا نام شر البیان رکھا ہے بلکہ خیر البیان کہا جائے تو بھی مناسب ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ میرے مدعا کے موافق خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے۔ ان کے کفر سے ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں“

پھر آگے یہ یوں درج ہے کہ:-

”اس قسم کی مخالفت اپنے وقت میں ایسے لوگوں نے بھی کی تھی۔ جنہوں نے اس کی شکایت مرزا حکیم (بن ہمایون) کو کی تھی اور وہ ان کے کہنے پر اس کے دربار میں کابل طلب کیا گیا وہاں قاضی خان نے جو سوالات اس پر کیے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ:-

قاضی خان:- لوگ کہتے ہیں کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم پر وحی نازل ہوئی ہے اور ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کے چالیس سہارے

ہیں؟

بایزید:- مدعیان جو کچھ کہتے ہیں سب غلط ہے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کے ذریعہ کتاب کا نزول کیا ہے جس کا نام خیر البیان ہے۔ اس میں چالیس بیانات ہیں۔ مگر عوام الناس دمی اور الہام میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے دمی کا نام دیتے ہیں۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے بات کو بدل کر الہام کو دمی کہتے ہیں۔

پھر آگے ص ۳۲ پر یوں درج ہے کہ:-

قاضی خان:- اسے شیخ! لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنے تئیں مہدی سمجھتے ہیں یہ سچ ہے یا جھوٹ؟

بایزید:- جھوٹ بولتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں ہادی یعنی راہ دکھانے والا ہوں۔ رسول اللہ کا راستہ دکھاتا ہوں۔ اور رسول اللہ کے علم پر لوگوں کو درس دیتا ہوں۔ مریدوں کو توحید کے راستہ کی ہدایت کرتا ہوں اور گمراہی، نا سمجھی اور شرک سے ان کو منع کرتا ہوں۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے مجھے ہادی کی جگہ مہدی جھوٹے ہیں اور ولی کی جگہ مجھے بنی بولتے ہیں۔ یہ طنز القاب ہیں۔

قاضی خان:- یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے؟

بایزید:- یہ غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر الہام ہوتا ہے اور غیب سے آواز سنتا ہوں۔

قاضی خان:- وسوسہ، الہام، خدائی آواز اور شیطانی آواز میں آپ فرق کس طرح کرتے ہیں؟

باینیری :- البہم ، وسوسہ ، خدائی آواز اور شیطانی آواز میں تمیز
آیت ، حدیث اور بزرگوں کے اقوال کے ذریعہ کرتا ہوں ۔ ہر
نہا اور البہم جو ان سے موافقت رکھتا ہو وہ خدا کی طرف سے
سمجھتا ہوں اور اُسے البہم میں شمار کرتا ہوں جو آیت
اور حدیث سے موافق نہ ہو اُسے وسوسہ اور شیطانی آواز
سمجھتا ہوں اور اُسے اعوذ باللہ پڑھ کر رد کر دیتا ہوں ۔

قاضی خان :- لوگ کہتے ہیں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ پر وحی کے طور پر ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کے چالیس سپارے ہیں؛
بایزید :- مدعیان جو کچھ کہتے ہیں سب غلط ہے اس لئے کہ میں نے
کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے طور پر میرے دل پر ایک
کتاب نازل فرمائی ہے اس کا نام شیر الیمان ہے اس میں چالیس
بیانات ہیں۔ جس طرح غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی پر الہام
کے طور پر غوثیہ نازل ہوئی تھی۔ مگر عوام الناس وحی اور
الہام کے درمیان فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے اُسے وحی
کہتے ہیں۔ حاسد لوگ حسد کی وجہ سے طعنہ دیتے ہیں اور الہام
کے بجائے اُسے وحی کہتے ہیں۔

بقول اخون درويزه

”بایزید کے ان جوابات سے قاضی صاحب اور اُس کے ساتھی
علماء اور سب درباریوں کی کئی ہونگنی اور بایزید کو رخصت
کر دیا گیا، اگرچہ اخون در دینہ وغیرہ بایزید کے حق میں فیصلہ
دینے پر راضی نہیں تھے جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔“

المصاحم ۱۔ مولانا سر بلند خان صاحب ساکن نواں کھلی اپنے درس و تدریس
میں البم کے متعلق یوں تشریح کرتے ہیں :-

”الْقَاءُ الْخَيْرِ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بِلَا كَسْبٍ“
 اللہ کی طرف سے مؤمن کے دل میں نیکی کے کسی کام کو ڈالنا بغیر
 محنت و مشقت کے

یعنی جس کسی نیک آدمی پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو جائے اور اس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اس کے دل میں انقاء ہوتا ہے جس کا دوسرا نام الہام ہے۔

عہد جہانگیر کے ایک مشہور رئیس دامیر شیخ فرید بھگوری اپنی کتاب "ذخیرۃ الخواصین" میں جو ۹۱ - ۱۰۶۰ھ میں لکھی گئی تھی بایزید اور اس کے خلفاء کے سلسلہ میں اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”یائزید نے افغانوں میں پہنچ کر اس جگہ کے اکثر افغانوں کو اپنا مرید بنایا اور جس نے اُس کی شکل دیکھی گرویدہ ہو گیا۔ اس نے پشتو زبان میں خیر البیان کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ اُسے ان لوگوں میں نشر کیا، مسئلہ وحدت الوجود پر مدلل کتاب ہے۔ اس میں دلائل و براہین قاطعہ اور کئے نص (قرآنی) اور احادیث و بزرگان سلف کی تادیبوں سے کام لیا ہے۔ اور حقیقتاً یہ کتاب ایسی نادر ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص انصاف کی نظر سے غور کرے تو اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ وہ خود جس پر نظر ڈالتا ہے اپنا مطیع بنا کر مہذب بناتا تھا۔ صاف دلہا شناسان کو ہستان اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ہوئے اور تادم حیات عبادت حق اور ترویج سنت نبویؐ برحق کرتے رہے۔ امر بالمعروف اور نہی سے انکار نہ کرتے تھے اور ان لوگوں (یعنی افغانوں) کو جو حد شمار سے

باہر تھے۔ اُس نے دین نبوتی پر قائم رکھا اور اکثروں کو واصل حق کر دیا۔ اُس کے سلسلہ کی برکت اس وقت تک باقی ہے۔ اُس نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اپنے پیچھے غلامائے مؤحد چھوڑ گیا کہ ان میں ہر ایک اسلام کا ستون ہے اور اس وقت تک اُن سے ایک دنیا ہدایت حاصل کر رہی ہے۔

(بحوالہ یوسفی)

اخون درويزہ بھی بايزيد کی طرح الہام کا قائل تھا۔ ملاحظہ ہو
اخون درويزہ کی تصنیف مخزن مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی
مقدمہ ص ۵ تیر عنوان اخون درويزہ

(۱) "شیخ گدائی (والدہ اخون درويزہ) نے خود تسلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اس لئے اُسے علماء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اپنے علاقہ کے بزرگوں میں سے تھا۔ علماء کے ساتھ اُسے محبت تھی اور ہمیشہ اُن کیلئے اپنا دسترخوان کھلا رکھتا تھا۔ اخون درويزہ نے اُسے اُس کی وفات کے بعد ایک دن خواب میں دیکھا کہ چوتھے آسمان پر دانشمندوں کے ساتھ پھرتا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ اُسے خدا! وہ تو دانشمند نہیں تھا اُن کے ساتھ کیسے شامل ہوا۔ ایک آواز آئی کہ ہاں! دانشمند تو نہیں تھا لیکن ان کا دوست تھا۔"

(بحوالہ ارشاد الطالبین ص ۲۳)

(۲) بی بی قراری (والدہ اخون درويزہ) بہت پاکدامن خاتون تھی۔ اپنی زندگی میں کبھی اس نے تہجد کی نماز قضا نہیں کی تھی۔ اخون درويزہ نے لکھا ہے کہ۔

"ایک دن صبح جب میں نے اُس کے چہرہ پر نظر ڈالی تو اُس

کی دائیں آنکھ بالکل سبز تھی۔ میں نے پوچھا کہ امی یہ کیا ہے؟ اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میرا والد ناہد سحر خیز تھا جب سے میں نے نماز پڑھنی شروع کی ہے تو تہجد کی نماز اُن کے ساتھ ادا کی۔ رات کو تمہاری بڑی میری گود میں تھی۔ جب صبح اُٹھی تو وہ رونے لگی۔ میں آہستہ آہستہ اُسے چپ کرواتی رہی اور میری آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ اس حال میں میں نے ایک انگلی دیکھی آدمی کوئی نظر نہ آیا۔ وہ انگلی آئی اور میری آنکھ میں گھس گئی۔ غیب سے آواز آئی اٹھو! کیا آنکھیں بند کر رہی ہو تمہاری زندگی کے چار سال باقی رہ گئے ہیں۔ اور چار سال بعد جب وہ فوت ہوئی تو اُس کی وہ آنکھ بدلتی سبز تھی۔" (بحوالہ ارشاد الطالبین ص ۱۵)

اخون درويزہ کی تصنیف "مخزن" مطبوعہ پشتو اکیڈمی پشاور
مقدمہ کے آخر میں سید تقویم الحق کا کاخیل لکھتے ہیں کہ۔
"اخون درويزہ صاحب کی آخری عمر اپنے سلسلے کے بڑے بزرگوں کی طرح مشاہدہ جمال اور استخراق میں گزری ہے وہ اکثر اپنے تئیں اور اپنے ماحول سے بے خبر رہتا تھا۔ "اخبار الاولیا" میں لکھا ہے کہ ایک روز اخون درويزہ صاحب کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک عورت کے سر پر گھڑا دیکھا، اُسے آواز دی کہ بیٹی یہ پانی دے دو مجھے پیاس لگی ہوئی ہے۔ اُس عورت نے جیسا سے بات نہ کی اور گھر لے کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اخون صاحب نے گھر سے پرہیز رکھ دیا اور جب سارا گھڑا پی لیا تو منہ کے ذائقہ سے اُسے یہ احساس ہوا کہ گھر سے میں پانی نہیں

بلکہ تیل تھا جو وہ سب پی گیا تھا۔

افضل خان خٹک اپنی تصنیف تاریخ مرصع میں لکھتا ہے کہ:-

”جب تک اخوند صاحب کا ہاتھ کھانے سے نہ روک لیا جاتا وہ کھاتے ہی رہتے۔ ان کے مصاحبین کو ان کی یہ عادت معلوم تھی۔ لیکن نواب مہابت خان (مغل صوبیدار) کو جنہوں نے (پشاور میں) ایک رات اخوند صاحب کو کھانے پر بلایا تھا، یہ عادت معلوم نہ تھی۔ اس لئے اخوند صاحب حد سے زیادہ کھا گئے اور بدہضمی کی وجہ سے صبح کو وفات پا گئے۔“

عبدالاکبر خان اکبر محمد زئی اشغری اپنی تصنیف ”روخانیان مغلوں تاریخ کیا“ میں لکھتے ہیں کہ:-

”قطع نظر تعصب اور لالچ اگر انسان اُس وقت کے واقعات اور تاریخی حالات پر نظر ڈالے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جو علماء و مشائخ مغل حکومت کے خلاف تھے وہ اکثر اصل نسب سے افغان تھے۔ وہ غیر افغان علماء اور مشائخ کے نظیر میں اچھے مسلمان نہیں تھے اس لئے کہ بادشاہان وقت کے مخالف تھے۔ تمام افغان علماء اور مشائخ بلکہ سب افغان مغلوں کے خلاف تھے اور پیر روخان کے حامی اور مرید تھے۔ اخون درویزہ بھی اپنی نسل ازبک ترک ثابت کرتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ میرے جدِ اعلیٰ کے ساتھ افغانوں نے بہت برا سلوک کیا تھا اور اُس کی بے عزتی کی تھی اور بلخ کے ازبک نے اُن افغانوں سے اس کا بدلہ لیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغانوں کے خلاف اخون درویزہ کے دل میں یہ ذاتی جذبہ کارفرما تھا۔ اور اُس کے انتقام لینے

میں تمام عمر کوشاں رہا۔ وہ افغانوں کے ہر قول و فعل کا مخالف رہا۔ سوائے نسل کے کہ وہ بھی اس سے متفق تھا کہ افغان قوم بنی اسرائیل ہے۔ تاہم نسل کے بارے میں بھی اس نے تعصب اور عناد سے کام لے کر افغانوں کے کئی قبیلوں کو داغدار اور حرام زادہ وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ افغانوں میں کوئی بھی اس کے کفر والحاد سے بچ نہیں سکا۔“

اخون درویزہ خشی قبیلہ کے جدِ اعلیٰ شیخے یا خشیے اور اُس کے ذیلی شاخ ترکلانی کے متعلق تذکرہ میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے کہ:-

”شیخے (خشی) کی بیوی کا نام مرجان تھا۔ جس کے بطن سے مندرے (یوسف زئی) و مکہ (گلگیاٹی) پیدا ہوئے۔ ممتازہ مرجان کی ایک بہن تھی جس کا نام بسو تھا جو بے دین اور بدویانت تھی۔ وہ شیخے کے گھر آئی اور اُسے خاوند بنانے کے ارادے سے گھر میں بیٹھ گئی جیسا کہ افغانوں کا یہ دستور ہے کہ جو عورت اُن کے گھر آئے اُسے وہ اپنے قبضہ میں لے لے تے ہیں خواہ باکرہ ہو یا منکوحہ۔ اگرچہ یہ معاملہ قتل و غارت تک پہنچ جائے۔ یہ ان کی جہالت اور ضلالت کی دلیل ہے۔ کہ ایسی عورت کو وہ واپس نہیں جانے دیتے بلکہ مرد کے تمام قزاق و دار اس کافرانہ روش میں اُس کے حامی بن جاتے ہیں بغرضیکہ اُس عورت ممتازہ بسو کو شیخے نے ناجائز طور پر اپنے قبضہ میں رکھا اور اس طرح وہ کفر تک کامر تکب ہوا۔ اس عورت کے بطن سے ترک پیدا ہوا جس سے ترکلانی نسل پیدا ہوئی۔ یہ ترکلانی یا ترکلانی اس وقت بھی پرتاریک کے سخت

حامی ہیں اور سب سرام خور ہیں۔
مذکورہ مرجان و بسو جنہیں اخون درویزہ ایک دوسری کی سگی بہن
بناتا ہے، کی تردید میاں عمر صاحب چکنی غوث الافغان نے نہایت
مہذب طریقے سے کی ہے وہ اپنی تصنیف "غلاصہ کیدانی افغانیہ"
بشرح نظم میں بغیر نام لیے ہوئے، اخون درویزہ کو مخاطب کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ:-

"تمہیں چاہیے تھا کہ مرجان اور بسو کے مقابلہ میں بہستان
تواشی اور افترا سے کام نہ لیتے اور نہ اس قدر ہدگمانی کرتے۔
کیونکہ آپ جیسے مقتدا سے اس قدر دروغگوئی کی توقع کرنا بعید
از قیاس ہے اور ایسی دروغگوئی و غلط بیانی سے انسان
دنیا میں خوار و ذلیل ہوتا ہے اگر بسو مرجان کی بہن تھی تو
یوں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ مرجان کی فوتیگی کے بعد اس
کی بہن بسو سے نکاح جائز تھا اور بقول آپ کے اگر بسو
نے مرجان کی زندگی ہی میں نکاح کیا تو میں تاریخ کے
روشنی میں اس کی اصلیت کو آپ پر واضح کر دینا مناسب
سمجھتا ہوں اور وہ ان دونوں کے شجرہ ہائے نسب سے
ظاہر ہے جو اس طرح ہے:-

مرجان کی والدہ کا نام سلطانہ :- مرجان بنت جلال بن
جمال بن کمال بن خالو بن زکریا جن سے زکریا زئی قبیلہ بنلہ
بسو کی والدہ کا نام مہرانیہ :- بسو بنت خالق داد بن جلال بن
برہان بن حسین جن سے حسین زئی قبیلہ بننا
میاں عمر صاحب کے یہ آخری دو اشعار بطور نمونہ پیش کیے
جاتے ہیں:-

بدد افتراء دہ چہ فی شوک پہ نسب وائی
بدد افتراء دہ چہ فی شوک پہ نسب وائی
شوگ چہ مقتداوی ہضہ نہ وائی دروغ
دادروغ قہ پیوکا مشلہ پہ عالم کہن دی نادوغ
(میاں عمر)
سرفراز خان عقاب اپنی تصنیف "پیرسباک" ص ۱۲۹ میں لکھتے ہیں کہ:-
"آپ (یعنی اخون درویزہ) نے اپنے عصر کے پیروں مثلاً
بایزید عرف پیر روشن جنہیں اخون صاحب پیر تارک کہتے ہیں
کے نام شروع اعتقادات اور معمولات کے خلاف تصانیف
اور مباحثے کی ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے
کئی لوگ اُسے اپنے عہد کا مجتہد سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ پیر
روشن اپنی سلطنت کے قیام کے زعم میں پشتونوں کو مغلوں
کے اقتدار سے بھی پھڑا رہا تھا۔ اور منغل فوجوں سے ہر سیریکا
رہتا تھا اس لئے بعض لوگ اخون درویزہ صاحب سے بدظن
ہیں کہ پیر روشن کی مخالفت سے وہ منغلی اقتدار کو برقرار رکھنے
میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی ترک اور
منغل بادشاہوں کے قربت دار تھے۔
اور پھر آگے ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں کہ:-
"اخوند صاحب کی تصانیف میں باوجود ان کے وسیع المطالعہ
ہونے کے بہت سی باتیں قابل گرفت ہیں۔ مثلاً آنحضرت
کی تخصیص کیے بغیر یہ لکھنا: اگر کسی مرد نے اپنی لڑکی کا
نکاح بلا استحضار گواہان کر دیا اور کہا کہ خدا اور رسول اور
فرشتے گواہ ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔"

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

”انہوں نے درویشہ صاحب کا علم عمیق نہ تھا۔ مسائل فقہ میں وہ خان (نوشمال خان) سے بھی شکست کھا گیا تھا۔“

بایزید کی تصنیف ”صراط التوحید“

۱۹۴۹ء میں صوبہ سرحد کے اندر آثار قدیمہ اور نایاب کتب کی ایک نمائش ترتیب دی گئی۔ مختلف علاقوں سے نادرات جمع کئے گئے۔ ان میں الحاج فضل حمدانی ناظم مدرسہ رفیع الاسلام پشاور نے اپنے کتب خانہ سے چند مخطوطات بھی نمائش کیلئے عنایت کیے تھے۔ ان میں ناظم نمائش کی نظر ایک ایسی کتاب پر پڑی جس کی قدر و قیمت کچھ طالبان علم تاریخ ہی جانتے سکتے ہیں۔ اس کتاب کا نام تو صدیوں سے سنا جاتا رہا لیکن اس کی شکل دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہ بایزید کی مشہور تصنیف ”صراط التوحید“ ہے۔ اس میں بایزید نے اپنے عقائد کو بالوضاحت پیش کرنے کے ساتھ اس کی نقول و قت کے حکمرانوں، امراء اور رؤسا کو بطور دعوت تبلیغ رواد کی تھیں۔ عبدالشکور ناظم عجائب گھر پشاور نے ۱۹۵۲ء میں ادارہ اشاعت سرحد پشاور کے توسط سے اس نایاب کتاب کو شائع کر دیا تھا اور حافظ محمد ادریس نے اس کا تعارف لکھا ہے۔ صراط التوحید کے منظر عام پر آنے کے بعد بایزید کے عقائد سے وہ تمام پر دے اٹھ جاتے ہیں کہ جو مخالفین اس پر ڈالتے رہے، چنانچہ حافظ محمد ادریس اس کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ:-

”یہ کتاب اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس سے بایزید کے حالات اور خیالات دونوں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں اپنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات

لکھتے ہیں۔ طلب علم، تلاش حق، تلاش مرشد، دیانت نشاۃ، زہد و ورع، رؤیا اور الہامات کا ذکر کیا ہے۔ پھر اصل کتاب میں ”اسلامیات“ کے بنیادی مسائل کی تبلیغ کی ہے۔ اور اور اپنی وسعت کے مطابق مسئلہ وحدت الوجود کو لوگوں کے اذہان سے قریب تر لانے کی کوشش کی ہے۔“

عبدالشکور مہتمم گورنمنٹ عجائب گھر پشاور دیباچہ صراط التوحید میں لکھتے ہیں کہ:-

”بیسویں صدی کے اکثر محققین و روشن خیال مفکرین کا خیال ہے کہ بایزید انصاری درحقیقت ایک صحیح مقلع، رہنما، سیاست دان اور ادیب تھا۔ حضرت انون درویش نے مذہبی تعصب ذاتی عناد اور سیاسی اختلافات کی بناء پر انہیں کلمہ اور زہدین ٹھہرایا۔“

(بحوالہ اللہ بخش یوسفی، یوسفی پٹھان طبع چہارم ۱۳۷۹ھ، ص ۱۴۹)

اللہ بخش یوسفی نے اپنی تصانیف ”یوسف زئی افغان اور یوسف زئی پٹھان“ میں ایک مضمون کے شکل میں یوں لکھا ہے کہ:-

بایزید یا پیر روشن:- بایزید کا خاندان کانیکرام (دریشت) سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا والد شیخ عبداللہ گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں افغانستان سے ہندوستان آیا۔

اور جالندھر میں مقیم ہو گیا۔ اس جگہ ۵۲۵ھ میں بایزید نے جنم لیا۔ بایزید قابل ہوشیار مدبر اور علم و ادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے مختلف مذاہب کے علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ فطرتاً مغل حکومت کے خلاف تھا اور بالآخر ایک تحریک کا اجرا کیا جو ”روشنائی“ کے نام سے

سے یاد کیجاتی ہے خود بایزید پر روشنی پکارد جاتا رہا۔ جسے مخالفین نے بعد میں "پیر تاریک" کے نام سے یاد کیا۔ پشتو تحریک کو حقیقتاً اسی کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ خود وہ عربی، فارسی، پشتو اور ہندوستانی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ اور انہی زبانوں میں اس نے تصانیف کیں۔ چنانچہ ایک کتاب مقصود المؤمنین عربی زبان میں تھی تو خیر البیان فارسی، عربی، پشتو، اردو چار زبانوں میں منظر عام پر آئی۔ کہا جاتا ہے کہ حالانکہ نامی کتاب میں اُس نے اپنے حالات کے ساتھ رموز قرآن شریف پر ایسی بحث کی تھی کہ اُس کے مخالفین بھی حیران و پریشان تھے بایزید کی مشہور تصنیف صراط التوحید ہے۔ دورِ زیر بحث میں طباعت وغیرہ کا تو کوئی خاص انتظام تھا نہیں۔ اس وجہ سے تعلیمی نسخے تقسیم کئے جاتے تھے۔ بایزید کے مخالفین نے ان کتابوں کا نام و نشان تک باقی نہ چھوڑا اور آج ان میں سے کوئی ایک بھی دکھائی نہیں دیتی اور اگر حسن اتفاق سے کسی نہ کسی جگہ اُن کے کچھ اوراق ہوں بھی تو وہ ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔

بایزید نے اپنی تحریک کو بڑی ہمت، استقلال اور عملیت سے چلایا تھا۔ فنِ مناظرہ میں تو اس کا کوئی مخالف اُسے شکست نہ دے سکا حتیٰ کہ اخون درویش جیسا شدید ترین مخالف بھی لکھتا ہے کہ "علماء اُس کے عقلی استدلال کے سامنے بے بس تھے۔ ہمیں "عقل و نقل دلائل سے اُس نے نچ کر دیا تھا" افغانوں کے مختلف علاقوں میں تحریک روشنائی کی ہمہ گیر مقبولیت سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب کے نام پر بایزید نے پٹھانوں کو

کرنے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ قبائلی اور علاقائی تمام اختلافات کو عوام و خواص نے یک تلم نظر انداز کر دیا۔ سب ہی پٹھان کی حیثیت سے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اطاعتِ امیر کا صمیم نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس نے گوشہ نشینی یا دنیا سے قطع تعلق کی کوئی تعلیم نہ نہ دی تھی بلکہ ہر دکن تحریک مرد مجاہد نظر آ رہا تھا۔ اس نے مغلوں سے لڑنے کی تو اُن کے چھکے چھڑا دیئے اور اس کی یہ تحریک علاقہ یوسف زئی سے کچھ عرصہ تک ناکام ہو جانے کے بعد بھی ایک زندہ تحریک کی حیثیت سے دکھائی دیتی ہے۔ اُس کی اولاد بھی اُس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مغلوں سے مصروف جنگ رہی۔

بایزید کو یوسف زئی، محمد زئی، آفریدی، اورکزئی، بگٹش، خیل، مہمند، شینواری، داؤد زئی، مختصر یہ کہ تمام افغان قبائل میں ہر دلعزیزی حاصل ہوئی اور اس نے اتنی طاقت اور قوت حاصل کر لی کہ ہر طرف اس کے منظم لشکر دکھائی دینے لگے۔ وہ مرنے مارنے کو ہمہ تن تیار نظر آتے۔ اس کی ابتدائی جنگیں گورنرِ کابل سے لڑی گئیں اور بالآخر لشکرِ بار کے قریب بارو کے مقام پر محسن خان منگل جرنیل کے ہاتھوں شکست کھائی تو اُس کے بعد بیمار ہو کر بمقام کلیانی علاقہ یوسف زئی میں شہداء کے لگ بھگ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بایزید سے عوام کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد اُس کے لڑکے اُس کی لاش کو ایک تابوت میں ساتھ لے کر پھرتے رہے گویا اُس کا مقدس مزار معتقدین کے کندھوں پر سوار رہا۔ بالآخر عہدِ اکبر میں جب بایزید کا لڑکا شیخ عمر گرفتار ہو کر قتل ہوا اور یہ تابوت مخالفین کے ہاتھ لگا تو اخون درویش کے حکم سے لاش کو جلا کر اس کی راکھ دریائے سندھ میں ڈال دی گئی تھی۔ لیکن لاش کے جلا

جانے کا حکم یا فتویٰ محل نظر ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اس کا جواز دکھائی نہیں دیتا۔
آگے لکھتا ہے کہ :-

”تحریک روشنائی کا انجام“

تحریک روشنائی اور اُس دور کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً یہ ایک سیاسی تحریک تھی جو مذہب کے نام پر شروع ہوئی اور اس ایک تحریک پر کیا منحصر ہے صوبہ سرحد میں ہر تحریک مذہب ہی کے نام سے چلائی جاتی رہی۔ مثلاً تحریک مجاہدین، تحریک مخالفت رولٹ ایکٹ بل، تحریک ہجرت، تحریک خلافت، تحریک آزادی وطن خدائی نے خد متگار اور ان میں کوئی ایک بھی تو ایسی نہ تھی۔ چھوٹے مذہبی رنگ نہ دیا گیا ہو۔ مختصر یہ کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے مذہبی رنگ دینا ضروریات وقت سے تھا۔ بایزید نے اُس سے فائدہ اٹھایا اور پٹھانوں کو بحیثیت قوم منظم کرنے میں قابل ذکر حد تک کامیاب رہا۔

بایزید خود نسل پٹھانوں سے تعلق رکھتا تھا اور اُسے عام طور پر ”بایزید انصاری“ لکھا جاتا ہے اور اس لفظ انصار کے سبب سے انہیں پٹھان خیال نہیں کیا جاتا اور اُن کا تعلق انصارِ مدینہ سے ظاہر کیا جاتا ہے لیکن بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ بایزید نے جو نسل تو قبیلہ اُرطرس سے تعلق رکھتا تھا اپنے نام کے ساتھ انصار کے اضافہ سے پٹھانوں میں قربِ مدینہ شریف کی وجہ سے اہمیت حاصل کرنے کی کوشش

کی تھی۔ تحریک روشنائی ابتداءً مذہب کے نام سے شروع ہوئی تھی اور بلاشبہ لفظ انصارِ قیادت کی اہمیت پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ اُسے مغلوں کی شخصی حکومت ناقابل برداشت تھی۔ وہ اپنی قوم کو زندہ، فعال اور حکمران دیکھنے کا متمنی تھا اور فطرتاً اس کی یہی خواہش رہی ہوگی کہ پٹھان جو ابتداءً آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کا طوق غلامی زیب نکلے نہ کریں مغل حکمران کسی ایسی تحریک کو برداشت نہ کر سکتے تھے خصوصاً ان حالات میں کہ خود سرزمین ہندوستان پر پٹھان اپنی ہستی منوار ہے تھے۔ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں تنگ آکر یہاںوں ملک بند ہو چکا تھا۔ پھر یہ نظر غور دیکھا جائے تو کوئی حکمران بھی اپنی سلطنت اور اپنے اقتدار کو اس قسم کی تحریک کے ضم و کرم پر نہ چھوڑ سکتا تھا۔ مغلوں نے اس کا سد باب ضروری خیال کیا اور سیاسی حیثیت سے اُن کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔ اب مشکل یہ درپیش تھی کہ یوسف زئی عہدِ بابر سے اطاعت پر آمادہ نہ کئے جاسکے تھے اور جب بایزید نے اُن پر اثر و رسوخ پیدا کر لیا تو اس قبیلہ کی اطاعت اور مغلوں کی مخالفت کو اور بھی تقویت ملی۔ ان حالات میں مغلوں نے یہی حربہ استعمال کیا کہ مذہبی تحریک کو مذہب ہی کے نام سے روکا جائے کیونکہ عہدِ اسلامی میں اکثر منافقین کو مذہب ہی کے نام سے کچلا گیا اور تحریک روشنائی کے بعد تحریک مجاہدین اور اور تحریک آزادی وطن کو بھی بالترتیب سردارانِ پشاور اور انگریزوں نے مذہبی فتوؤں کی آڑ لیکر ہی کچلنے کیلئے تنگ و دو کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداءً اس تحریک کی مخالفت بعض

مخلص علماء نے جذبہ خدمت اسلام سے ہی کی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کہ مغلوں نے اس مخالفت کو ہوا دی۔ درپردہ اس کی سرپرستی ہوئی۔ سیم و زر کی بارش بھی لازماً کی جاتی رہی۔ نتیجہ یہ کہ ہمہ گیر مخالفت ہونے لگی۔ چند قائدین یا علماء کی قیادت میں اس تحریک کو کفر و الحاد کا جامہ پہنا دیا گیا اس کے دور رس نتائج کی طرف کسی نے فکر نہ کی اور مذہب کے نام پر آنکھیں بند کیے۔ اس قومی تحریک کو کچلنے کے لئے تنگ و دو شروع ہوئی جو حقیقتاً انہیں منظم کر کے ایک شیخ پر کھڑا کرنا چاہتی تھی۔ مذہب کے نام پر ایسی ہنگامہ آرائی ہوئی کہ عوام بیچارے موافق و مخالف میں تمیز نہ کر سکے اور طرفین خدمت اسلام کے نام سے ہی ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما نظر آئے۔

مختصر یہ کہ حبش و مناظرہ میں روشنائیوں کو شکست نہ دی جاسکی اور ان کے پیش کردہ دلائل و براہین کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہو گیا تو مخالف پروپیگنڈہ کو وسعت دینے کے ساتھ اسلحہ کا استعمال بھی شروع ہوا۔ اب مسلمان کے ہاتھوں مسلمان قتل ہونے لگا اور دونوں اپنے مقتولین کو شہداء کے مقدس ناموں سے پکارتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین کا پلڑا بھاری رہا۔ روشنائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو وہ اس علاقہ سے نکل کر آفریدیوں میں جا پہنچے جہاں اسے ہمہ گیر حمایت حاصل ہوئی اور آفریدی، داؤد زئی، مہمند، خلیل، اورکزئی اور بنگش وغیرہ سب ہی ان کی پشت پناہی کرنے لگے۔

بایزید کی وفات پر قیادت شیخ عمر کے ہاتھ آئی۔ بایزید کی روح نکل جانے پر مغل مقاصد کی آبیاری ہونے لگی۔ اب بعض یوسف زئیوں میں بھی مغلوں کی حمایت کے جذبات پیدا ہو گئے اور اگرچہ عام طور وہ مغلوں کے طرف دار نہ تھے تاہم ان کی حرکات اور ان کا عمل مغلوں کے لئے مفید ثابت ہونے لگا ان حالات میں بھی بایزید کے بڑے شیخ عمر اور اس کے بھائی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے چٹان کی طرح اس تحریک کی حمایت میں کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے اتحاد ملت کی تحریک کی آبیاری میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی۔ لیکن اب علاقہ یوسف زئی میں مخالفت اس قدر شدت اختیار کر چکی تھی کہ ان کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ انہوں نے اس تنگ درد میں متعدد جنگیں لڑیں اور مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آخری قابل ذکر معرکے ایسی حالت میں ہوئے جبکہ باجاء یعنی اورکوٹ کے درمیان روشنائیوں کا کیمپ تھا میرد امان زئی مندر کی سرکردگی میں نصب تھا تو مخالفین نے انہوں پر دروزہ کی قیادت میں موضع جھنڈا، بوقہ، مینی اور ٹولہ میں لڑے ڈالے پڑے تھے۔ یہاں اجیر نامی پہاڑی پرکائی عرصہ تک شدید جنگیں لڑی گئیں جس میں روشنائیوں کو شکست ہوئی تو وہ براستہ روخان درہ موضع باڑہ جا پہنچے۔ اس جگہ روشنائیوں کی طاقت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ جنگوں میں اپنے مرنے والے ساتھیوں کی وہ یہ اطمینان تجہیز و تکفین بھی کرتے رہے اور ان کا ایک بڑا مقبرہ اس وقت تک موضع باجاء کے مشرق اور مینی کے قریب مخرب

میں دکھائی دے رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ موضع بارہ پر جو ٹوپی سے مشرق میں کوئی دو میل کے فاصلہ پر ہوگا، آخری جنگ لڑی گئی۔ اور یہی فیصلہ کن جنگ تھی جس نے اس علاقہ سے تحریک روشنائی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا تھا۔ بایزید کے چار لاکھ اس جنگ میں شریک بنائے جاتے ہیں۔ اس جنگ میں زیادہ تر حصہ قبیلہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اباخیل سولیزئی نے لیا جن کی قیادت ملک حمزہ خان کر رہے تھے۔ جب روشنائیوں کو شکست ہوئی تو بایزید کے بڑے لڑکے شیخ عمر کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا اور خیر الدین ایک ساتھی سمیت دریائے سندھ میں کود کر توبید کے راستہ ہزارہ جا پہنچے لیکن ان کا ستارہ غروب ہو رہا تھا۔ یہ دونوں دلاڑیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تیسرے نور الدین نے بھاگ کر شتخہ کی راہ لی تو وہاں وہ مخالفین کے ہاتھوں لقمہ اجل بنا۔ چوتھا نو عمر جلال الدین المعروف جلالہ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد دریائے سندھ میں کود گیا تھا لیکن ایک میل جانے کے بعد پیہور کے پاس مخالفین کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس کی عمر اس وقت اندازاً پچودہ برس بیان کی جاتی ہے۔ اور عام خیال یہی ہے کہ وہ نوجوان اور خوبصورت کیونکہ اسے مخالفین کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا اور قیدی کی حیثیت سے اکبر اعظم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

بایزید کی لاش کو ایک تابوت میں اس کے لڑکے، مریدین یا پیرو اپنے ساتھ لئے پھرتے تھے۔ اس جنگ میں وہ بھی مخالفین کے ہاتھ لگا۔ اور بایزید کے خاندان کی عورتیں بھی قیدی

کی حیثیت میں نظر آنے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں دروینہ کی ہدایت سے اس لاش کو نذر آتش کرتے ہوئے راکھ دریا کے سندھ میں پھینک دی گئی اور بایزید کی اہلیہ ایک ڈوم (سیرانی) کے حوالہ کر دی گئی تھی۔

جلالہ کے گرفتار ہونے پر خود یوسف زئیوں کے ہاتھوں اکبر کے سامنے پیش کئے جانے اور انھوں دروینہ کے اس موقع پر بایزید کے لاش کو نذر آتش کرنے کے حکم پر غور کرنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ اُس وقت ہوا کا رخ کس طرف تھا اور منحل کس حد تک پٹھانوں میں مذہب کے نام پر مخالفت پیدا کرانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ یہی موقع تھا کہ اکبر نے دریائے سندھ کے کنارے مشہور قلعہ کی تعمیر شروع کرائی۔ جو شہر میں سرحدی استحکام کی شکل میں دکھائی دینے لگا۔ جس کے بعد اکبر نے یوسف زئیوں کو کچلنے کیلئے بار بار لشکر کشی کی جس کا ذکر انہی اوراق میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔

جلالہ شہداء میں اکبر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو چونکہ مخالفت قبیلہ اُسے زندگی بخش چکا تھا۔ اُس نے بھی اُس کی نوعمری اور خوبصورتی کی وجہ سے اُسے معاف کر دیا، اپنے پاس مقیم رکھا اور اس طرح غالباً اُسے رام کرنا چاہا لیکن جلالہ اپنے باپ کا سا غم دارادہ رکھتا تھا۔ وہ شاہی دربار کی زندگی جو حقیقتاً نظر بندی تھی برداشت نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی دربار اکبر سے بھاگ کر آفریدیوں کے پاس جا پہنچا۔ جہاں اُسے آفریدی داؤد زئی

مہمند، خلیل، اور کرنی اور بنگش نے آنکھوں پر میٹھایا۔
اکبر اعظم کے حکم سے جب مان سنگھ کابل پہنچا تو جلال نے
پشاوڑ پر حملہ کرتے ہوئے وہاں کے گورنر کو قتل کر دیا۔ خود
مان سنگھ نے جب اس کے خلاف اقدام کیا تو علی مسجد میں
محصور ہو کر ہتھکڑیاں تمام تک سے امداد پہنچنے پر وہاں سے
نکل کر پشاوڑ پہنچا۔ مختصر یہ ہے کہ علاقہ یوسف زئی سے
نکل کر جلال نے آفریدیوں میں مقیم ہو جانے کے بعد اپنی
زندگی میں اکبر اعظم کو آرام نہ لینے دیا۔

اکبر اعظم مسلسل اس تحریک کو مٹانے اور جلالہ کو
گرفتار کرنے کیلئے اقدامات کرتا رہا۔ قتل و خونریزی میں
کوئی کسر باقی رہنے نہ دی گئی تھا آٹھ سالہ میں بہ تعداد
کثیر روشنائی مارے گئے یا گرفتار ہوئے۔ لیکن اس موقع پر
بھی مغل لشکر جلالہ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا۔ اگرچہ
اس کے اہل خاندان اور اس کی اہلیہ گرفتار کر لی گئیں۔ اس
شکست عظیم کے بعد بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل
اپنے عزائم کی تکمیل کیلئے مصروف عمل رہا حتیٰ کہ ۱۵۶۹ء
میں اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا۔ اس جگہ میں تو وہ زندہ بچ
رہا تھا، لیکن اچانک ایک اتفاقیہ چل جانے والی گولی نے
اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تو تحریک روشنائی کی قیادت
اس کے بھتیجے امداد بن شیخ عمر کے ہاتھ لگی۔

امداد بھی کسی طرح اپنے باپ اور دادا سے عزم
دارادہ میں پسماندہ ثابت نہ ہوا۔ اس کی اہلیہ جلالہ کی دختر
تھی جسے اپنے باپ کی وراثت میں خوبصورتی، قابلیت،

جرات اور بہادری سب کچھ مل چکا تھا۔ اس بہادر خاتون
"بی بی الہی" نے اپنے خاوند کے ساتھ مل کر لشکر جمع
کیا اور اتنی طاقت جمع کر لی کہ جہانگیر کا گورنر کابل شاہ بیگ
مقابلہ کی جرات نہ کر سکا۔ بالآخر ۱۵۶۲ء میں مغلوں کا
لشکر عظیم اس طاقت کو ختم کرنے کیلئے تیراہ کی طرف گیا۔
مغل کمانڈر غیرت خان مع کثیر ساتھیوں کو قتل ہوا۔ میدان
امداد اور اس کی بہادر بیوی الہی کے ہاتھ رہا۔ کشمکش
جاری رہی۔ کوئی چھ سال بعد کوٹ کے جنوب کی طرف
امداد پہاڑیوں کے ایک مورچہ سے دوسری طرف جاتے
ہوئے مارا گیا تو اس کا سر اور اس کی آنکھ ٹھکی ۱۵۶۶ء
میں اس وقت جہانگیر کو پیش کی گئی۔ جبکہ وہ کابل کے لئے
روانہ ہو رہا تھا۔

خاوند کے قتل ہو جانے پر بھی بی بی الہی مقابلہ
پر ڈٹی رہی اور اپنے بیٹے عبدالقادر کو ساتھ لئے اپنے مقصد
کی تکمیل کیلئے مصروف عمل نظر آئی۔ تھوڑے عرصہ بعد
جہانگیر وفات پا گیا تو شاہ جہان کے عہد سلطنت میں منظر خان
نے بڑی شدت سے روشنائیوں پر حملہ کر دیا لیکن بی بی الہی
اور عبدالقادر کی قیادت میں اس بہادری سے جنگ لڑی گئی
کہ میدان روشنائیوں کے ہاتھ رہا۔ عہد شاہ جہان میں پھر
حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ خود قبائلیوں میں رقابت
پیدا کر دی گئی۔ بی بی الہی جو لشکر لیکر مقابلہ پر اتری تھی
اس خوف سے کہ کہیں امدادی قبائل وقت پر مغلوں کی
حمایت شروع نہ کر دیں۔ اپنا لشکر لئے واپس تیراہ کی طرف

چل دی۔ اب حالات کو اپنے موافق نہ دیکھ کر اس نے افغان
کمانڈر کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو معہ
عبدالقاد اور اپنے بھائی رشید خان کے اس کے حوالہ کر دیا
شاہجہان نے بڑی عزت و احترام سے باریاب کیا۔ اور بعد
میں دکن میں انہیں مقیم کرنے کو روانہ کر دیا تھا عبدالقاد
تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی طبعی موت مر گیا۔ شاہجہان نے
روشنائیوں کو عزت و احترام سے رکھا بعد میں رشید خان
فرخ آباد کی طرف جا مقیم ہوا۔ اور شاہجہان نے اس نے وہیں
فرشتہ اہل کو بیٹیک کہا۔

اس طرح اس منظم تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ
اس کے بعد بھی آفیدیوں اور اورکزیوں نے ایک عرصہ تک
اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اول الذکر قبیلہ
کے آزاد میر اور مؤخر الذکر قبیلہ کے ملک یوسف کا نام
آج بھی قومی گیتوں اور ترانوں میں سنا جاتا ہے۔ تحصیل
صوابی میں جلال درہ علاقہ خٹک میں پیراٹ کے قریب
جلال سر اور انک کی دو مشہور پٹنائیں جلالیہ اور کمالیہ
انہی روشنائیوں کی یادگار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہائیزید نے اس تحریک کے ذریعہ
پٹھانوں کو اپنے وطن کے تحفظ کیلئے متحد و متفق کرنے کی
سچی کوشش کی تھی اُسے اس میں بڑی مدد کا میاں بنی ہوئی۔ اور
اگر خود افغانوں میں مذہب کے نام پر اختلافات پیدا نہ کرتے
جاتے یا وقت کے قائدین و علماء موقع کی اہمیت و نزاکت
کے پیش نظر جنگ و جدل اور اختلافات کو ہوا دینے اور

مغلوں کی حمایت یا مخالفت کی شدت میں ایک دوسرے
کا گلہ کاٹنے سے احتراز کرتے تو لازمی امر تھا کہ تاریخ پسند کے
ادراک ان عبارتوں سے کیلئے مختلف دکھائی دیتے جو اس وقت
نظر آرہے ہیں۔ یہ اس ہمہ آج کوئی موافق یا مخالف اس سے
انکار نہیں کر سکتا کہ پٹھانوں میں اتحاد اور حکمرانی کا جذبہ
بھرنے میں اس تحریک نے نمایاں کام کیا اور اسی جذبہ کا
اثر یا نتیجہ احمد شاہ ابدالی کی بادشاہت کے قیام میں مدد و معاون
ثابت ہوا جسے ایک مخالف انگریز بھی یوں تسلیم کرتا ہے کہ:-
”ہائیزید روشنائی اپنا بلند نام چھوڑ گیا اور اگرچہ قبائلی
مخالفت کا طوفان علاقہ یوسف زئی میں اس کے خلاف چل
رہا تھا۔ پھر بھی اس کے بیٹوں اور پوتوں نے پہاڑیوں کے
مضبوط قبائلی حمایت جمع کر لی تھی جس نے ساہا سال تک
اُن کے جذبہ آزادی کو زندہ رکھا اور جس نے اکبر اور جہانگیر
کے اس علاقہ پر کنٹرول کرنے کے تمام ارادوں کو ناکام بنا
دیا تھا۔“

اور پھر تاریخ ہند کا مصنف مشر و ونسٹ سمنٹھ کہتا ہے کہ:-
”اُس وقت جو فرقہ دارانہ جذبات ابھارے گئے تو

بعد میں اُن کے مذہبی رنگ کا مدہم پڑ جانا ضروری تھا۔ پھر
بھی وہی قبائلیوں کے شدید جذبہ آزادی کو قائم رکھنے کا
باعث رہے اور انہی کی وجہ سے افغان قبیلے بڑی حد تک
اپنی آزادی کو اس وقت قائم رکھے ہوئے ہیں۔“

حاصل مطالعہ

مولوی خاتمہ اللہ مرحوم یوسف زئی (جو علی زئی میں دولت زئی کی ذیلی شاخ شیر پائے منڈی زئی سے نسلی تعلق رکھتے ہیں اور ان کا خاندان بونیر کے موضع کلپانی میں کئی پشتوں سے قاضی گھراڑ رہا ہے) کا بیان ہے کہ:-

”انہوں درویشہ کی تصانیف سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی یا تو علم حقیقی سے محروم تھے یا پیر تاریک کی دشمنی کے سبب پختون قوم کو بدنام کرنے کی سعی میں مد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض مقامات پر قرآنی تعلیمات کا بھی لحاظ نہیں رکھا اور ملک طالوت و حضرت داؤد کو بھی بے داغ نہ چھوڑا حتیٰ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معاف نہ کر سکا۔ ملاحظہ ہو انہوں درویشہ کی تصنیف تذکرۃ الابراء والاشرار میں ”احوال انساب

افغانان“ ہاں اسے فرزند ارجند کہ افغانان از نسل مہتر یعقوب اند ملک طالوت نے حضرت داؤد کو جالوت کے قتل کرنے کے بارے میں ہدایت کی تو حضرت داؤد نے طالوت سے کہا کہ اگر میں جالوت کو قتل کروں تو تم مجھے اس کے قتل کے عوض کیا دو گے؟ طالوت نے جواب میں کہا کہ میں تم کو اپنی بادشاہی سے نصف ملک دوں گا اور اپنی بیٹی بھی تم کو نکاح میں دوں گا۔ حضرت داؤد نے جب جالوت کو قتل کر دیا تو طالوت نے اپنی بیٹی تو حضرت داؤد کے نکاح میں دیدی لیکن نصف ملک اپنی بادشاہی میں سے

دینے کا وعدہ پورا نہ کیا اور بے وفائی کی۔ اس وجہ سے دونوں میں دشمنی پیدا ہوئی۔ طالوت نے حضرت داؤد کے قتل کا ارادہ کیا۔ طالوت کی بیٹی نے جو داؤد کی زوجہ تھی۔ حضرت داؤد کو مطلع کر دیا۔ رات کو داؤد نے پانی سے بھری ہوئی ایک مشک اپنی چادر پانی پر رکھ کر اسے چادر سے چھپا دیا تاکہ معلوم ہو کہ داؤد اپنی چادر پانی پر سونے ہوئے ہیں۔ رات کو واقعی طالوت نے آکر تلوار کا ہاتھ مارا، مشک کے دو ٹکڑے ہوئے۔ اور پانی بہہ گیا جیسا کہ بدن سے خون نکلتا ہے۔ مردہ افغانان اسی طالوت کی نسل سے ہیں۔ اور طالوت کی طرح ہمیشہ وعدہ خلاف اور بیوفار ہے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کی سورۃ بقرہ پارہ دوم میں ملک طالوت کے بارے میں یوں درج ہے کہ:-

إِنَّ اللَّهَ اخْتَلَفَ عَلَيْكُمْ وَادَّاءَ بَسْطَةَ

فِي الْعِلْمِ وَالْجَنَاحِ

یعنی اپنے نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے اللہ فرماتے ہیں کہ تم سب میں سے طالوت کو پسند کر کے برگزیدہ و اشرف بنکر بادشاہی کیلئے نامزد کیا اور وہ علم، قابلیت اور جسم میں بھی تم سب سے اچھا، سمجھا اور رعب دار و موزوں ہے اب غور فرمائیں کہ جس شخص کو خدا نے پسند اور نامزد کیا ہو تو اس سے اس قسم کی ناہیبہ حرکت کیسے سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ فی الحقیقت ان یہودیوں کی من گھڑت کہانی ہے جو ملک طالوت کو نہیں پسند کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد کے متعلق مذکورہ غلط بیانی ایک نبی کی توہین ہے۔ یہ

بات شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ کہ ایک نبی خدا کے راستے میں جہاد کو دنیا کے لالچ اور کسی عوض کی خاطر کرتا ہو۔ اللہ کے ہر نبی نے جس کا پیغمبر کو کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں تم سے اس کام کے بدلے میں کچھ نہیں مانگتا۔ میرا عوض اور اجر خدا کے پاس ہے۔ (ان انجورجی اللہ علی اللہ حضرت داؤد جیسا پیغمبر اور ایک کافر بادشاہ جالوت کے قتل اور جہاد فی سبیل اللہ کے عوض دنیاوی بادشاہت میں شرکت یا نصف ملک اور عورت کو قبول کرے۔ نعوذ باللہ)

یہی راہ کر تو میری ہر ترکستان است

اخون درویش آگے اسی مضمون میں لکھتا ہے کہ:-
"حضرت رسول اللہ نے اسلام کے متعلق مختلف بادشاہوں اور قبیلوں کو دعوت نامے بھیجے تھے۔ آپ کی خدمت میں مختلف وفد آئے تھے۔ ان میں ایک وفد افغانوں کا بھی تھا جو ۱۰ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ سب ایمان لائے اور جب یہ اپنے وطن واپس گئے تو ان کے اثر سے تمام اوس افغانان ایمان سے مشرف ہوئے۔ جب حضرت کو ان کی صدق پسندی کی اطلاع ہوئی تو حضرت نے انہیں اپنا نشان سپرد کیا۔ افغانان خدمت اقدس میں حاضر ہو کر محاربوں میں شریک ہوتے رہے اور جہاد میں خوب حصہ لیا۔ ایک دن حضرت کی زبان مبارک سے لکلا کہ زور قیامت سب افغان دوزخ میں جاہیں گے۔ جب حضرت کی یہ حدیث افغانوں نے سنی تو سخت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ یہاں سے دور نکل جائیں کسی نے افغانوں کی اس پریشانی کی خبر حضرت

کو پہنچائی حضرت نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے یہ بات تمہارے متعلق نہیں کہی ہے بلکہ جماعت اولاد شما یعنی تمہاری اولاد کے متعلق کہی ہے، وہ تم سے بعد میں ہوں گے۔ کیونکہ وہ جہنم میں محض ہوں گے۔ اور اس لئے کہ وہ بادشاہ کی فرمانبرداری سے انکاری ہوں گے۔ یعنی بادشاہ سے سرکش ہوں گے اور اس کا حکم نہیں مانیں گے۔ قادیان خود اندازہ لگائیں کہ حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ افغانوں کو تودوزخی کہا اور جب وہ حضرت کے سامنے آئے تو حضرت اپنے کہنے سے مکر ہوئے۔ کیا حضرت ان سے ڈرتے یا جھوٹ بولتے تھے۔ نعوذ باللہ! ہرگز نہیں۔ دوسری بات یہ کہ افغانوں کی پیدا ہونے والی اولاد جو اخون صاحب کے خیال میں ایک ہزار سال بعد مغلوں کے دور میں ہوگی بغیر کسی گناہ کے کرنے کے کیسے ان کیلئے دوزخ کا حکم صادر فرمایا۔ کیا اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ بادشاہ سے نافرمان ہوں گے۔ اور کیا حضرت رسول اللہ بادشاہوں کے لئے بندگانِ خدا کو غلام اور تابعدار بنانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے، یا وہ رحمۃ اللعالمین بن کر آئے تھے۔ اور پھر دوزخ کا حکم اس قوم کیلئے جو مجاہدوں کی اولاد ہو اور ان میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں علماء، مشائخ، اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین پیدا ہوں اور اشاعتِ دین اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہمیشہ کوشاں رہے ہوں اور بادشاہان بھی اس قسم کے کہ وہ صاف طور سے خدا کے باغی ہوں یا وہ ہمایوں اور اس کے بیٹوں مرزا حکیم والی کابل اور شہنشاہِ اکبر

جیسے ہوں جن کے کردار کسی سے پوشیدہ نہیں۔
 انہوں درویش کے ابتدائی بیان سے کہ افغان اولاد مہتر
 یعقوب اور بنی اسرائیل ہیں اور نیز یہ کہ افغان بطور وفد جا کر
 مسلمان ہوئے، ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن حضرت کی طرف یہ
 یہ روایت منسوب کرنا کہ افغان دوزخی ہیں، حضرت نبی کریم
 علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سراسر بہتان ہے۔ ایسی کوئی صحیح
 حدیث تو کیا کوئی روایت دیکھیں کہ موجود نہیں۔ بیضی حدیث
 کی کوشش اور الصادق والمصدوق پر بہتان طرازی صرف
 اس غرض سے ہے کہ منغل بادشاہوں کیلئے مذہب کی آڑ میں
 راہ ہموار کی جاوے اور یہ مقصد شاید اُس کے خیال میں تب
 پورا ہو جاتا کہ وہ حضرت پر افتراء اور جھوٹ باندھے اور شاید
 اُسے اس مشہور حدیث کے متعلق خیال نہ رہا ہو کہ اگر کسی
 نے قصداً حضرت پر جھوٹ اور افتراء باندھا تو اُس نے اپنے
 لئے دوزخ میں جگہ خرید لی۔ شاید انہوں صاحب دوزخ سے
 اس لئے بے خوف تھا کہ اُس کے زعم میں جنت اور دوزخ کا
 اختیار اُس کے پاس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس کا
 کوئی ہم خیال فوت ہوا تو اُس نے کہا یہ جنت رسید اور بدخواہ
 کے لئے کہا کہ یہ دوزخ رسید، گویا کہ وہ میت کے ساتھ
 جا کر جنت یا دوزخ میں اُسے داخل کر کے واپس آیا ہو۔
 من کذب علیّ مشعباً فلیتوبوا مقعداً من النار
 انہوں درویش صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ

"جب کبھی حکام اسلام کو ان پر دسترس حاصل ہو تو وہ اُن
 (پٹھانوں) کے مردوں کو قتل کریں، اُن کی مستورات کو لونڈیاں

بنائیں اور اُن کے مال کو مٹا دیں سمجھ کر کھائیں اُن کے
 مردوں کو غسل نہ دیا جائے تاکہ کوئی انہیں مسلمان نہ سمجھ
 لے"۔

ایک اور بات قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کریم ہدایت
 کرتا ہے کہ جو کوئی شخص اپنے آپ کو مؤمن کہے اور تم پر سلام
 کہے تو تم اس شخص کو یہ مت کہو کہ "کُنتَ مُؤْمِنًا"، یعنی
 تم مؤمن نہیں ہو، لیکن خدا کے اس حکم و ہدایت کے باوجود
 انہوں درویش نے بہت سے مسلمان لوگوں کو ملعون اور کافر
 کے نام سے یاد کیا ہے حالانکہ وہ لوگ اپنے آپ کو مؤمن
 کہتے تھے۔ اگر معترض کہے کہ وہ جھوٹ سے اپنے آپ کو
 مؤمن ظاہر کرتا ہے تو کیا معترض نے اُس کا سیدھا چاک کیا تھا
 "هَذَا شَقِيقَتِ قَلْبِي" تعجب یہ کہ انہوں درویش اور اُس
 کے ساتھی دشمنی میں افغانوں کے ساتھ منغل حکمرانوں سے
 دو قدم آگے تھے۔ اگر منغل حکمرانوں نے کبھی سزا دیئے میں
 کو تباہی کی تو اُن صاحبان نے بادشاہوں سے ناراضگی کا اظہار
 کیا۔ مثلاً دربار کابل میں جب بایزید کو مذہبی الزام کے سبب
 کابل کے قاضی اور اس کی مجلس علماء کے پاس پوچھ پچھا
 اور مباحثہ کے لئے مرزا حکیم بادشاہ کابل کے حکم سے پیش
 کیا گیا تو انہوں نے مباحثہ کیا اور اُس سے بیان لینے کے
 بعد فیصلہ اُس کے حق میں دے کر رہا کیا گیا تو انہوں درویش
 نے اس فیصلہ پر ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ انہوں نے قتل
 کرنے کا حکم کیوں صادر نہیں کیا۔ اس طرح اکبر بادشاہ سے
 ناراضگی کا سبب بھی صرف یہ تھا کہ اُس نے جلالہ کو قتل نہ کیا

اور اُسے زندہ چھوڑ دیا۔

۷۰ ۷۱ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دار

زندہ شکر یانش ہزار مرغ بے سیخ

خلاصہ یہ کہ قارئین پر واضح کرتا ہوں کہ میں بایزید کا مرید ہرگز نہیں ہوں اور نہ مجھے اس سے کچھ غرض ہے کہ وہ پیر روشن تھے یا پیر تاریک۔ اور نہ مجھے اس کی صفائی مقصود ہے بلکہ افسوس اس بات کی ہے کہ اخون درویشہ وغیرہ کے سیاسی اختلافات کے سبب سے، جسے انہوں نے مذہب کا رنگ دیا تھا ہزاروں کی تعداد میں قید یوسف زئی کے سادہ لوح اور بے لوث لوگ ناجائز طور پر قتل ہوئے، ان میں اختلافات پیدا کر دیے گئے۔ اور آپس میں لڑوایا۔ حتیٰ کہ وہ اتنے کمزور کئے گئے کہ جس بادشاہ کیلئے راستہ ہموار ہو رہا تھا، اور جس کے آنے کے وہ منتظر تھے، وہ آپہنچا اور یوسف زئی کے ملک پر قبضہ کر لیا اور جگہ بہ جگہ قلعے بنائے اور قتل وفات کر کے علاقے کو تباہ و برباد کیا اور جگہ بہ جگہ کلعہ مینار بنائے اور ایسا کوئی شخص زندہ اور دار و گیر سے نہ بچ سکا جس سے اکبر بادشاہ کو اپنے زعم میں خطرہ لاحق ہو۔ قلعہ آٹک و تھانہ نوشہرہ اور قلعہ پشاور وغیرہ افغان قیدیوں سے بھر دیے گئے۔ قلعہ تباہ کر ڈالا۔ بھوک سے لوگ چمڑا اور گھاس کھانے لگے۔ بچوں کو بھوک اور افلاس کی سبب معمولی داموں میں بیچنے لگے۔ الغرض اتنی تباہی ہوئی کہ کھنے سے جی گھبراتا ہے۔ ان بربادیوں کا تذکرہ اخون درویشہ نے خود بھی کیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس جرم میں ہوا کہ افغانوں نے مغل بادشاہوں

کے دشمن بایزید کو اپنے ہاں مقیم کر کے دوست بنالیا تھا۔ اور خود اس کے حامی بن گئے تھے۔

الغرض یہ سب کچھ ہونے کے بعد قید یوسف زئی کو ہوش آیا اور سخت پشیمان ہو گئے۔ خدا کے حضور میں دعائیں مانگیں، روئے عاجزی اور توبہ کی توبہ شکل توبہ منظور ہونے کے بعد خدا کے فضل و کرم سے وہ درپردہ منظم ہو کر اکبر بادشاہ کے خلاف سخت بغاوت کر کے بہت تکلیفوں کے ساتھ اپنے وطن کو اکبر کی فوجوں اور اس کے اثر سے خالی کر لیا۔ اخون درویشہ بھی چند ساتھیوں سمیت یہاں سے نکلنے پر مجبور ہو کر پشاور میں زیر سایہ منل مقیم ہوئے، جہاں انہوں نے فرشتہ اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن ہوئے۔

یوسف زئی کی تحریک روشنائی میں دوبارہ شمولیت :- منل درباری مؤرخین کے زبانی مولوی ذکاء اللہ دہلوی مصنف تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال اکبری میں شہنشاہ اکبر کے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

۹۹۹ھ میں جلالہ روشنائی منل سپاہ سے جب تنگ ہوا تو وہ تیراہ سے یوسف زئی کی بنگاہ میں چلا گیا اور انہوں نے اُس کو اپنے ہاں جگہ دیدی۔ روشنائی افغانوں اور یوسف زئی نے مل کر آمادہ پیکار ہوئے۔ اولس لگیانی اور محمد زئی بھی روشنائی افغانوں اور یوسف زئی کی ہم داستان ہوئیں اور بگرام کے نزدیک محمد قلی نریمان کے پیچھے پڑیں تاکہ اس تمام ملک پر ان کو غلبہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلالہ پھر تیراہ چلا گیا اور یہاں (علاقہ یوسف زئی) اپنا قائم مقام اپنے

خویش وحدت علی کو چھوڑا۔ وحدت علی جلالہ کے خویش نے
یوسف زئی کی مدد سے ۱۰۰۱ھ میں قلعہ کنشان اور کچھ حصہ
کافروں کی ولایت کا بھی فتح کر لیا تھا۔
الغرض :-

بایزید سے اتنا شکوہ نہیں ہونا چاہیے جتنا کہ انہوں نے درویش
اور ان کے ساتھیوں سے، کیونکہ یوسف زئی ان کو اپنا خیر خواہ
اور مذہبی پیشوا سمجھتے تھے۔ لیکن "برجہ بامکر دیاں" شکوہ
اس کے برعکس بایزید نووارد اور باہر ملک کا آدمی تھا۔ چونکہ
بایزید مغل اقتدار کا دشمن تھا۔ اور قبیلہ یوسف زئی کے لوگ
بھی مغل دشمنی میں آگے آگے تھے۔ لہذا دونوں کا دشمن
ایک اور مشترک ہونے کے سبب یہ آپس میں دوست بن
گئے اور دستور ہے کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔
اس وجہ سے یوسف زئی نے اس کو اپنے یہاں قیام کے لئے
جگہ دی۔ یوسف زئی کیلئے اس کی موجودگی کی وجہ سے
مغلوں سے اپنے علاقے کی حفاظت کا کام آسان ہو گیا۔
اس وجہ سے یوسف زئی بایزید کے ساتھ پیار اور محبت سے
پیش آئے تھے۔ یوسف زئی نے بایزید کو اپنے ہاں قیام کے
موقع کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ اس پر یوسف زئی کا کوئی
احسان نہیں، کیونکہ پٹھانوں کا دستور ہے کہ ان کے ہاں کوئی
آئے یا ان کے ہاں کوئی سکونت پذیر ہو یا ان سے کوئی پناہ
مانگے تو اس کی حفاظت ان پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس لئے
بایزید سے شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔

البتہ انہوں نے درویش اور اس کے ساتھیوں سے شکوہ

بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انہیں کو یوسف زئی نے غریبوں
سے آنے پر آمادہ کیا۔ ان کو زرعی زمین دی، سکونت کیلئے
مکانات دیے۔ اور اس سے بڑھ کر ان سے رشتے جوڑ لئے
انہیں اپنے دل کے ٹکڑوں سے نوازا، انہیں اپنا بزرگ
سمجھا، ان کی عزت کی، ان کا حوصلہ بڑھایا، ان پر مکمل اعتماد
کیا، ان کے رزق اور ذریعہ معاش کا انتظام کیا، انہیں
ہمیشہ عزت کے مقام پر بٹھایا۔ افسوس کہ اس کے باوجود
ان کی زبان سے، ان کے قلم سے اور ان کے لعن و طعن سے
کوئی پختون محفوظ نہ رہا۔ افسوس کہ "از ماست کہ بر ماست"

سے پیورہ چہ خور سیلاب م یوسی
پہ لامبوزن جانان بہ دیورہ نافرید مہ

پٹھانوں کے اعمال

اس خیال سے ہرگز نہیں کہ میں پختون ہوں بلکہ حقیقت بھی یہی
ہے کہ پختون کے وہ برے اقوال و اعمال جو انہوں نے درویش صاحب نے اپنی
تصانیف میں پختونوں سے منسوب کئے ہیں، قطعاً غلط، بے بنیاد،
بے سرو پا اور سرسراہٹزا ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس افغان وعدہ کے سخت
پابند، خوف خدا سے ان کے سینے معجز، دین اسلام کے شیدائی، مجاہد،
مظلوم کے حمایتی اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے والے، صاف گو، ایماندار،
پکے مسلمان، امانت دار، دوستی میں مخلص، احسان و بخشش اور درگزر
کرنے والے، آزاد زندگی گزارنے کے عادی اور غیر کی محکومیت سے
نا آشنا اور اپنے علماء و مشائخ اور سرخیلوں کے فرمانبردار تھے۔ الغرض :-

اس افغان قوم میں وہ تمام خواہیاں اُس وقت بھی موجود تھیں جو ایک کامل انسان اور صیغ مسلمان کیلئے ضروری ہوتی ہے۔

”ولاکن قلم درکت دشمن است“

ان کے دشمن ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالتے اور سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام کرتے رہے۔

جاوید حسن خاں ”ندائے افغان ملتان“ میں افغانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”پشتانوں کی زندگی دشت کی طرح سادہ اور پہاڑوں کی طرح عظیم ہوتی ہے۔ وہ اپنی دنیا کے آپ بادشاہ اور غیر کی طاقت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ ہتھیار سے محبت اور عورت کی نسوانیت کی حفاظت اُن کا وصف خاص ہے۔ مذہب اور عزت کے معاملے میں سر سے گزر جانا ان کا جوہر مردانگی ہے ان کی مہمان نوازی اور دوست داری ضرب المثل ہے۔ محنت اور غیرت اُن کے خوں میں شامل ہے۔ ان کی شخصیت میں قوت اور شوکت اور آواز میں آزادی کی گونج پائی جاتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنا طرہ دستار تاج ثنا ہی سے کم نہیں جانتے“

سے تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ ما

گا ہے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

حرف آخر

آخر میں گزارش ہے کہ کسی علاقہ، ملک یا قوم کی تاریخ مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اُس علاقہ یا قوم کے پرانی دستاویزات دستیاب نہ ہوں یا ناپید ہو چکی ہوں اور صدیوں سے اس طرف توجہ نہ دی گئی ہو۔ میں وجہ زیر مطالعہ اوراق میں فروگزاشتوں کا ہونا ناگزیر ہے۔ ان حالات میں ہم قارئین سے یہی گزارش کریں گے کہ وہ ان پر ہمدردانہ نظر ڈالیں اور نکتہ چینی کرنے کی بجائے جیسے کوتاہیوں اور فروگزاشتوں کی طرف متوجہ کریں، اور مستند معلومات اور اپنے نیک مشوروں سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع دیں تاکہ اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن کو اور زیادہ دلچسپ بنایا جاسکے۔

”یوسف زئی قوم کی سرگزشت“ کے شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعات سے عبرت اور سبق حاصل کیا جائے، اور قبائلی حقیقتوں اور جنبہ داری کی کشمکش اور پھیل چھڑنے کی بجائے سارے پختون ایک اسلامی وحدت میں پرو دیئے جائیں اور مشترک برادری اور مساوات کا وہ اسلامی جوہر پھر سے زندہ کر دیا جائے جس نے پختون قوم کو بہت زمانے تک دنیا کی قوموں میں سے افضل اور سرفراز کیا تھا۔

از

روشن خان

مضامین نواں کل تحصیل صوابی ضلع مردان

پشاور

بزرگوار ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۵ ہجری مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۰۵ء عیسوی

تذکرہ

(پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ)
"تاریخ حافظ رحمت خانی" کی تدوین اور اس پر محققانہ حواشی
کے بعد خان روشن خان کا ایک اور عظیم الشان تاریخی کارنامہ
پٹھانوں کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ

تذکرہ

پٹھان خاندانوں ان کے اکابر و مشاہیر ان کی تاریخ اور ان کی اصل نسل
کے بارے میں حقائق و افکار کا بیش قیمت مجموعہ

تذکرہ

جس میں خان روشن خان نے موضوع کی غلط بیانیوں کا محققانہ جواب دیا
ہے اور تاریخ کی تمام غلط فہمیوں کا مورخانہ انداز میں انسداد کیا ہے
اس کتاب کا مقدمہ مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر ابوالحسن شاہ جہانپوری نے لکھا ہے
چوتھا ایڈیشن نئے دیباچے اور اہم اضافوں کے ساتھ -

اعلیٰ درجہ کا آفٹ پیر بہترین کتابت و خوبصورت جلد
صفحات ۴۴۸ - قیمت ستائیس روپے

ملنے کا پتہ

فون نمبر روشن خان اینڈ کمپنی - تباکو ڈیلرز
۲۳۳۶۲ پھول چوک، جو نامارکیٹ - کراچی ۲

المشتہر - ارشد علی خان

